جلد ٦

اصلاحی بیانات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

مکتبۃ الاسلام کراچی

٦

اِصلاحی بیانات

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
محمد قاسم ملتانی۔ متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

- خطبات — حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم
- ضبط وترتیب — محمد قاسم ملتانی، متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی
- مقام — جامعہ دارالعلوم کراچی
- اشاعت اول — اپریل ۲۰۰۵ء بمطابق صفر ۱۴۲۶ھ
- تعداد
- ناشر — مکتبۃ الاسلام کراچی
- کمپوزنگ — ابوحماد کمپوزنگ ہوم، کورنگی کراچی، رابطہ: 0333-3056107
- قیمت

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، ۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰۔ انار کلی، لاہور ۲
- مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، کراچی
- مولانا اقبال نعمانی صاحب، آفیسر کالونی گارڈن، کراچی

مکتبۃ الاسلام کراچی

پیشِ لفظ

(از حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہم)

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد!

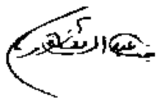
جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی میں سیدی و استاذی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کا بہت نافع اور مفید وعظ ہوتا تھا، احقر بھی اس میں اکثر حاضر ہوتا اور مستفید ہوتا تھا، اس کے بعد حضرت کا یہ وعظ جامعہ دارالعلوم کراچی کی مسجد میں منتقل ہوگیا، اب وہاں اتوار کو بعد نمازِ عصر تا مغرب خواتین وحضرات کے لئے یہ وعظ ہوتا ہے اور جامعہ مسجد بیت المکرّم میں ہر انگریزی مہینہ کی شروع کی دو اتوار کو مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم کا اور آخر کی دو اتوار کو احقر کا بیان ہوتا ہے، احقر کے ہونے والے بیان کو بعض احباب ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لیتے ہیں اور بعض اس کو کیسٹ کے ذریعہ لکھ کر کتابچہ کی شکل بھی دیدیتے ہیں، چنانچہ وہ ایک جلد کے مساوی جمع ہوگئے تو اب ان کو شائع کیا جارہا ہے۔

ان میں سے اکثر بیانات احقر کی نظرِ ثانی کئے ہوئے ہیں، بعض جگہ احقر

نے کچھ ترمیم بھی کی ہے، اور احادیث کی تخریج کر کے ان کا حوالہ بھی درج کیا ہے، بہرحال یہ کتاب کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تقاریر کا مجموعہ ہے۔

اس سے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اگر اس میں کوئی بات غیر مفید یا غیر محتاط ہو تو یقیناً وہ احقر کی کوتاہی ہے، متوجہ فرما کر ممنون فرمائیں!

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان بیانات کو احقر کی اور تمام پڑھنے اور سننے والوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، ذخیرہ آخرت بنائیں اور مرتب و ناشر کو اس خدمت کا بہتر سے بہتر بدلہ دونوں جہاں میں عطا فرمائیں، آمین۔



(بندہ عبدالرؤف سکھروی)

۲۰ر رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ

اجمالی فہرست

اصلاحی بیانات

—— ۶ ——

حج کی تیاری

اس میں حج کی فضیلت، حج کے آداب، مدینہ طیبہ اور حضور ﷺ
کے روضۂ اقدس پر حاضری کے آداب لکھے گئے ہیں

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ٥

(الحج : ۱۹۷)

ترجمہ:

حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں، لہٰذا جو شخص ان میں حج مقرر کر لے تو پھر نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کوئی بے حکمی ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے، اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے اور خرچ ضرور لے لیا کرو، سب سے بڑی بات خرچ میں (گناہوں سے) بچا رہنا ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔

میرے قابلِ احترام بزرگو اور معزز خواتین! اللہ جل شانہ کا ہم سب پر یہ فضل ہے کہ اس نے ہمیں یہاں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی اور حج کے سلسلہ میں یہاں حاضر ہونے کی سعادت نصیب فرمائی۔ ایک تو خود اللہ جل شانہ کے گھر میں حاضری کی توفیق ہونا بڑی نعمت ہے اس لئے کہ جس سے اللہ پاک خوش ہوتے ہیں اس کو اپنے گھر میں آنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جس سے ناراض ہو جاتے ہیں اس کو اپنے گھر پر آنے کی توفیق بھی نہیں دیتے۔

مسجد کی حاضری بڑا انعام ہے

اس پر مجھے حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی ایک حکایت یاد آئی جو انہوں نے مثنوی شریف میں بیان فرمائی ہے۔ وہ حکایت یہ ہے کہ کسی زمانے میں جب غلام باندیوں کا دور تھا۔ ایک کافر آقا تھا۔ اس کا ایک

مسلمان غلام ''خضر'' تھا، تو غلام مسلمان تھا اور اس کا آقا اور مالک غیر مسلم تھا لیکن اس کافر آقا کو اپنے مسلمان غلام پر بہت اعتماد اور بھروسہ تھا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ مسلمان غلام اپنے آقا کے حقوق بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرتا تھا اور اپنے اصلی اور بڑے آقا اللہ جل شانہ کے فرائض بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرتا تھا، اس غلام کا معمول یہ تھا کہ جب وہ اپنے آقا کے ساتھ بازار جاتا اور بازار میں خریداری کے دوران اذان ہو جاتی تو یہ اپنے آقا سے کہتا کہ حضور میرے بڑے آقا مجھے یاد فرما رہے ہیں، اگر اجازت ہو تو میں ان کو سلام کر آؤں یعنی نماز پڑھ آؤں، تو وہ خوشی سے اجازت دے دیتا، اس وجہ سے کہ اس کے دل میں اپنے مسلمان غلام کی بڑی عزت تھی اور وہ اس کا بڑا احترام کرتا تھا اس لئے وہ جب کبھی خریداری کیلئے بازار جاتا تو وہ بجائے کسی اور غلام کو لیجانے کے اس مسلمان غلام کو ساتھ لیکر جاتا، کیونکہ اس کے ایماندار ہونے کی وجہ سے اس پر اس کو زیادہ بھروسہ تھا۔

غلام کا مسجد میں جانا

ایک مرتبہ وہ کافر آقا اپنے مسلمان غلام کو لیکر خریداری کیلئے بازار گیا ہوا تھا کہ خریداری کے دوران اذان ہو گئی، معمول کے مطابق اس کے غلام نے کہا حضور! مجھے میرے آقا یاد فرما رہے ہیں، اگر اجازت ہو تو میں نماز پڑھ کر آ جاؤں؟ اس نے کہا خوشی سے جاؤ اور جب تم واپس آؤ گے تب ہی میں باقی خریداری کرونگا اور میں مسجد کے باہر تمہارا انتظار کر رہا ہوں، تم جلدی سے نماز پڑھ کر آ جاؤ، چنانچہ وہ مسلمان غلام مسجد میں گیا اور جماعت

میں شامل ہوگیا اور جماعت سے فارغ ہونے کے بعد باقی سنتوں اور نفلوں کے پڑھنے میں مشغول ہوگیا، لوگ سنتیں اور نفلیں پڑھ کر نکلنے لگے، لیکن اس کا مسلمان غلام باہر نہیں آیا، اس نے سوچا کہ وہ نماز میں مشغول ہوگا، اس لئے تھوڑی دیر میں آ جائیگا، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے مسجد خالی ہوگئی لیکن اس کا غلام مسجد سے باہر نہیں آیا، اس نے آواز دی ''ارے خَنّسر! بہت دیر ہوگئی، سب لوگ نماز پڑھ کر آ گئے اور تم ابھی تک نہیں آئے کیا بات ہے؟'' اس نے اپنے آقا کی آواز سنکر جواب دیا حضور! میں ابھی آیا، اور ہوا یہ کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوکر دعا مانگنے لگا تو اس کا دل دعا میں اتنا کھنچنے لگا کہ بس اس کا اٹھنے کو جی ہی نہ چاہا۔

ذکر ودعا میں دل لگنا

یہ نعمت تقریباً ہم مسلمانوں کو ملتی ہے، کہ بعض دفعہ دعا میں اسکا ایسا دل لگتا ہے جیسے بعض دفعہ ذکر میں لگتا ہے، جی چاہتا ہے کہ کئے جائیں اور کبھی تلاوت میں اتنا دل لگتا ہے جی چاہتا ہے کہ کئے جائیں اور کبھی نماز میں اتنا دل لگتا ہے جی چاہتا ہے کہ پڑھتے جائیں۔

لہٰذا جب کسی کو یہ موقع ملے تو یہ سمجھ لیجئے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت متوجہ ہے اور اللہ پاک اس کو نوازنا چاہتے ہیں اور اسے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمانا چاہتے ہیں، اس لئے اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے لہٰذا اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس وقت جتنے غیر ضروری کام ہیں انہیں چھوڑ دینا چاہئے، ذکر میں دل لگ رہا ہے تو ذکر کرتے رہئے، دعا میں دل

لگ رہا ہے تو دعا مانگتے رہے اور دنیا و آخرت کی جتنی بھلائیاں مانگ سکتے ہیں مانگ لیں اور اگر کچھ سمجھ نہ آئے تو یہ دعا مانگتے رہیں یا اللہ! سرکارِ دوعالم ﷺ نے آپ سے دنیا و آخرت کی جو جو بھلائیاں مانگی ہیں وہ سب مجھے، میرے والدین، میرے اہل وعیال، میرے عزیز و اقارب اور تمام مسلمانوں کو عطا فرما دیجئے اور جن چیزوں سے آپ ﷺ نے پناہ مانگی ہے مجھے، میرے والدین، میرے اہل وعیال، میرے عزیز و اقارب اور تمام مسلمانوں کو ان سے پناہِ کامل عطا فرما دیجئے، آمین۔

اس غلام کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ جب وہ دعا کرنے لگا تو دعا میں اس کا اتنا دل لگا کہ وہ اپنے آقا کے انتظار کو بھول گیا اور مغلوب الحال ہو گیا جو شرعی لحاظ سے بندوں کے اداءِ حقوق میں معذور ہوتا ہے اور دعا کے اندر مشغول ہو گیا، کچھ دیر کے بعد آقا نے پھر اس کا نام لیکر آواز دی ''ارے ختنر! بہت دیر ہو گئی سب لوگ نکل گئے تم کیوں نہیں آرہے ہو، میں تمہارا باہر انتظار کر رہا ہوں'' کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد تیسری دفعہ اس نے پھر آواز دی کہ کیا بات ہے، تمہیں کس نے اندر روکا ہوا ہے، کون ہے جس نے تمہیں اندر پکڑا ہوا ہے اور باہر نہیں آتے، میں تمہارا انتظار کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔

غلام کا جواب

اس کے جواب میں غلام نے کہا ''حضور! جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھے باہر نہیں آنے دیتا'' یعنی جس نے تمہیں باہر بٹھایا ہوا ہے تمہاری

مجال نہیں کہ تم اندر آؤ اسی نے مجھے اندر روکا ہوا ہے کہ میں باہر آنے سے قاصر ہوں سبحان اللہ۔

اس لئے میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اپنے گھر میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی، یہ محض اس کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے دل میں یہ بات ڈال دی کہ مسجد میں جا کر بیٹھ جائیں، ورنہ اس واقعہ میں دیکھو کہ جوان کا دشمن ہے وہ باہر بیٹھا ہوا ہے اس کو اندر آنے کی توفیق نہیں دی اور جوان کا نام لیوا ہے وہ اندر بیٹھا ہوا ہے، ایسے ہی نہ جانے کس کس کو خانہ کعبہ کے سامنے حاضری نصیب ہونے والی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار عافیت کے ساتھ حاضری نصیب فرمائے، آسانی کے ساتھ نصیب فرمائے، قبولیت کے ساتھ نصیب فرمائے، آمین۔ جس کو وہاں کی سعادت نصیب ہونے والی ہے اس پر اس سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا احسان ہونے والا ہے اور اس کو انعام ملنے والا ہے، خاص عنایت اس پر ہونے والی ہے، خاص الخاص کرم اس پر ہونے والا ہے، چند اشعار یاد آئے، ؎

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

؎

ان کے الطاف تو عام ہیں شہیدی سب
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوگا،

عازمینِ حج کو مبارک باد!

بہر حال! ان کی کچھ عنایت ہم پر ہو گئی اور انہوں نے اپنی رحمت

سے اپنے گھر میں بلا لیا، ہمارے دل میں خواہش پیدا فرما دی، درخواست دلوا دی، منظور کروادی، اور یہاں بھیج دیا، انشاء اللہ آگے کے مراحل کا انتظام بھی وہی فرمائیں گے، لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ انہوں نے حج وعمرہ کا ارادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی، جن خواتین حضرات نے اس سال حج وعمرہ کا ارادہ کیا ہے وہ سب قابلِ مبارکباد ہیں۔

اداءِ شکر کے تین طریقے

ہم سب کو چاہئے کہ اس انعام پر اللہ تعالیٰ کا دل وجان سے شکر ادا کریں اور برابر کرتے رہیں اس لئے کہ جتنی بڑی نعمت ہوتی ہے اتنا ہی بڑا اس کا شکر بھی ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام بہت بڑا فضل اور بہت بڑا کرم ہے اس لئے اس کا شکر بھی اتنا ہی بڑا ہونا چاہئے اور دل وجان سے ہونا چاہئے۔

اور شکر تین طرح سے ادا ہوتا ہے۔

(۱) دل سے

(۲) زبان سے

(۳) اعضاء وجوارح سے

دل کا شکر یہ ہے کہ آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائے اور دل میں یہ سمجھے کہ یا اللہ! کہ میں ہرگز اس نعمت کے لائق نہیں تھا، آپ نے محض اپنے فضل وکرم سے میری نالائقی اور کسی قابلیت اور استحقاق کے نہ ہونے کے باوجود مجھے اس نعمت سے سرفراز فرمایا اور اس کے اسباب مجھے عنایت فرمائے۔

اور زبان کا شکر یہ کہ زبان سے الحمدللّٰہ ، الحمدللّٰہ کہے اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ کہے اور جب بھی اس نعمت کا خیال آئے تو یہ کہے الحمدللہ، یا اللہ! آپ کا شکر ہے، یا اللہ! آپ کا فضل ہے، آپ کا کرم واحسان ہے کہ آپ نے مجھے اپنے گھر کی حاضری کی توفیق عطا فرمائی، اور اس حاضری کا ذریعہ مجھے عطا فرمایا، اس طرح برابر شکر ادا کرتے رہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہیں کہ یا اللہ! آپ کا کرم بے پایاں ہے اور میں بالکل نالائق ہوں، آپ میری نالائقی پر نظر نہ فرمایئے بلکہ آپ نے اپنی جس رحمت کے صدقے مجھے اس نعمت سے بہرہ ور فرمایا ہے اسی رحمت کے صدقے اس کو انجام دینا بھی میرے لئے بے حد آسان فرمادیجئے۔

سہولتِ حج کی دعا

یہ آسانی اور سہولت کی دعا اس لئے ہے کہ حج وعمرہ جہاں بہت بڑی عبادت اور بڑے اجر وثواب کا ذریعہ ہیں وہاں جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہو ان کی ادائیگی آسان نہیں ہے، حالانکہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ادائیگی کی اتنی سہولتیں عطا فرمادی ہیں کہ پچھلے لوگوں کے وہم وگمان میں نہیں ہوں گی، لیکن اس کے باوجود جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہو بندہ ان کو بآسانی انجام نہیں دے سکتا، چنانچہ اگر ذرا سی دیر کے لئے ان کی مدد اور رحمت ہٹ جائے تو آسان بھی مشکل ہو جاتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسان بنا دیتے ہیں تو ان کے ادا کرنے میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے، لہٰذا اس دعا کو یاد رکھیں کہ یا اللہ! آپ اگر مشکل

کو بھی آسان فرمادیں تو وہ آسان ہے اور اگر آسان کو آپ آسان نہ کریں تو وہ بھی مشکل ہے، لہٰذا ہمارے لئے اس کو آسان فرما دیجئے، خواہ عمرہ کرنے کیلئے جارہے ہوں (جیسا کہ بعض حضرات رمضان شریف میں جاتے ہیں) یا حج کرنے کیلئے جارہے ہوں۔

بہرحال! جس نے حج کا ارادہ کرلیا ہے وہ حج یا عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے اگر مکروہ وممنوع وقت نہ ہو تو دو رکعت نماز نفل ادا کریں اور پھر یہ دعا کریں یا اللہ! مجھے سنت کے مطابق، شریعت کے مطابق سہولت، آسانی، عافیت اور صحت کے ساتھ اس عبادت کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

شکر کی تیسری قسم اعضاء وجوارح کا شکر ہے اور اعضاء وجوارح کا شکر یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے گھر آگئے اور اللہ تعالیٰ کے گھر جانے والے ہیں تو بھئی! یہ جو ہمارا چھ فٹ کا وجود ہے سر سے پیر تک، ظاہر وباطن، اعضاء وجوارح ان سب سے بھی شکر ادا کرنا چاہئے، ان کے ذریعے شکر کی ادائیگی یہ ہے کہ ہم انکو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں لگائیں، مسجد میں آنا فرمانبرداری ہے، بیت اللہ کے اندر جانا فرمانبرداری ہے، مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اندر حاضری بھی تابعداری ہے، ہم اس نعمت کے شکرانے میں اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند بنائیں، جو آدمی اس طرح سے شکر ادا کرے گا وہ جونہی اپنے گھر سے باہر نکلے گا اور جونہی لبیک کہے گا انشاء اللہ اس کی مغفرت کا پروانا جاری ہوجائیگا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آغوش میں چلا جائیگا، اور قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی نوازشوں کا مستحق ہوگا۔

تین باتیں

اس نعمت کا شکر ادا کرنے میں مختصراً تین باتیں آپکی خدمت پیش کرونگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے سننے اور سنانے، سمجھنے اور سمجھانے اور ان پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

(۱) ایک یہ ہے کہ حج کی نعمت کتنی بڑی ہے، مختصراً اس کے بارے میں عرض کرونگا۔

(۲) دوسرے حج کے متعلق آداب

(۳) تیسرے سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضری اور اس کے آداب۔

حج کا ثواب

پہلی بات کے بارے میں عرض ہے کہ حج اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ یہ نعمت ہمیں بار بار نصیب فرمائیں اور عافیت وکامرانی کے ساتھ نصیب فرمائیں، جب کوئی آدمی حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر لبیک کہتا ہے تو اس کے لبیک کہنے کے ساتھ ساتھ اس کے دائیں طرف جتنی بھی مخلوقات ہیں خواہ وہ پہاڑ ہوں یا ٹیلے، پتھر ہوں یا درخت، خواہ ان کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہو، غرض کہ اس کے دائیں طرف جتنی مخلوقات ہیں یہاں تک کہ دنیا کے آخری کنارے تک اسی طرح بائیں طرف بھی دنیا کے آخری کنارے تک جتنی مخلوقات ہیں سب اس حج یا عمرہ کرنے والے کے ساتھ لبیک کہتی ہیں۔ (ترمذی)

اسی طرح یہ حج یا عمرہ پر جانے والا تنہا لبیک نہیں کہتا بلکہ اس کے

دائیں بائیں طرف کی ساری مخلوقات بھی اس کے ساتھ لبیک کہتی ہیں، اس طرح یہ لبیک کی صداؤں میں لبیک کہتا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف روانہ ہوتا ہے اور یہ کوئی معمولی اعزاز و اکرام نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کی لبیک کی بے انتہا قدر دانی ہے اور احرام باندھنے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے وفد میں شامل ہو جاتا ہے جس میں منجانب اللہ یہ انعام ملتا ہے کہ اگر کسی کیلئے مغفرت کی دعا کرے تو اللہ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں اور اگر دنیا و آخرت کی کوئی جائز مراد مانگے تو اس کو عطا فرماتے ہیں اور یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس حاجی کے گھر یا اس کے خاندان میں سے چار سو افراد کے متعلق اس کی سفارش قبول فرمائیں گے (یہ راوی کو شک ہے الترغیب) یعنی اس کی سفارش پر اللہ تعالیٰ نے اس کے خاندان والوں میں سے یا اس کے گھر والوں میں سے چار سو افراد کو بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور وہ سفارش کرے گا کہ یا اللہ! میرے گھر کے فلاں آدمی کو بخش دیجئے، میرے خاندان کے فلاں آدمی کو بخش دیجئے، اللہ تعالیٰ اس کی سفارش کو قبول فرماتے ہوئے انکی مغفرت کا فیصلہ فرمائیں گے، یہ کتنی بڑی سعادت ہے جو ایک حاجی کو اللہ تعالیٰ حج کرنے کی وجہ سے عطا فرمائیں گے۔

گناہوں کی مغفرت

ایک روایت میں ہے کہ جب حج کرنے والا یا عمرہ کرنے والا حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر لبیک کہنا شروع کرتا ہے تو جب اس دن کا سورج غروب ہوگا تو وہ سورج اس کے تمام صغیرہ گناہوں کو لیکر غروب ہوگا اور وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا جیسا اس روز تھا کہ جس روز اس کی ماں نے

اس کو جنا تھا۔ (ابن ماجہ) اندازہ لگائیے کہ کتنی بڑی نعمت ہے اور کتنی بڑی دولت ہے یہ حج وعمرہ۔

ستر ہزار نیکیاں

ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص کامل وضو کر کے (کامل وضو وہ ہوتا ہے جو سنت کے مطابق ہو) یعنی سنت کے مطابق وضو کر کے طواف کرنے حجر اسود کے قریب آئے تاکہ اس کا استلام کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جاتا ہے اور جب حجر اسود کا استلام کر کے وہ یہ کلمہ پڑھتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ
لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

اور اسے پڑھ کر طواف شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر چھا جاتی ہے اور اس کے بعد جب وہ طواف کرتا ہے تو ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کو ستر ہزار نیکیاں عطا فرماتے ہیں اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے گھر کے ستر افراد کے حق میں اس کی سفارش قبول فرمائیں گے۔ ستر ہزار گناہ معاف فرماتے ہیں اور ستر ہزار درجات بلند فرماتے ہیں اور جب وہ طواف کے سات چکر پورے کر کے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حضرت اسمٰعیل علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ (الترغیب)

اگر کوئی آدمی ایک غلام آزاد کر دے (جو آج کل ناممکن ہے کیونکہ

اب غلام باندی کا دور نہیں) تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ایک ایک عضو کے بدلے میں اس آزاد کرنے والے کے ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد فرماتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہر مسلمان کسی غلام کو آزاد نہیں کرسکتا لیکن طواف ہر حج وعمرہ کرنے والا مسلمان کرسکتا ہے اور طواف کے بعد دوگانہ طواف کر کے اس فضیلت کو حاصل کرسکتا ہے اور ایک نہیں بلکہ چار غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب اس کو حاصل ہوتا ہے، اب ایک غلام کے بدلے میں اس کی بخشش ہوگئی اور باقی تین غلاموں کے بدلے میں انشاء اللہ العزیز اس کو بلند درجات نصیب ہونگے اور اسی اوپر والی حدیث کے آخر میں ہے کہ جس وقت آدمی دوگانہ ادا کر کے فارغ ہوگا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو چکا ہوگا جیسا کہ وہ اپنی ولادت کے وقت گناہوں سے پاک وصاف تھا۔

گناہوں کی مغفرت

بہر حال! حج اور عمرے کی بدولت اللہ پاک حج اور عمرہ کرنے والے کے تمام صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں اور اگر آدمی توبہ کرلے تو بڑے سے بڑا کبیرہ گناہ بھی معاف ہوجاتا ہے اور صغیرہ گناہوں کو تو اللہ تعالیٰ بہانے بہانے سے معاف فرماتے ہیں حج کرنے کی بدولت، عمرہ کرنیکی بدولت، طواف کرنے کی بدولت، دوگانہ طواف ادا کرنے کی بدولت وغیرہ۔

بہر حال! حاجی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قدم قدم پر مغفرت کا تحفہ ملتا ہے اور اس کی دعا بھی کرنی چاہئے کہ ہمیں ایسی مغفرت ملے جو ہمیشہ ہمارے لئے نجات کا ذریعہ ہو۔

ہر نیکی پر ایک لاکھ گنا ثواب

ایک اور بہت بڑا فضل اللہ تعالیٰ کا حاجی پر یہ ہوتا ہے کہ جونہی وہ حدودِ حرم میں داخل ہوتا ہے تو حدودِ حرم میں قدم رکھتے ہی اس کے ہر نیک عمل کا ثواب ایک لاکھ گنا ہو جاتا ہے، جدہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے راستہ میں مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ایک عظیم الشان رحل آتی ہے جس پر قرآن شریف بنا ہوا ہے اس کے قریب سعودی حکومت نے حدودِ حرم شروع ہونے کی علامت بنادی ہے۔ جونہی اس کے قریب جائیں سب خواتین و حضرات سے درخواست کروںگا کہ اس وقت کو غفلت میں نہ گزاریں اور بلا وجہ اس کے اندر داخل ہونے میں تاخیر نہ کریں اور اس وقت دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں، اللہ تعالیٰ سے لو لگائیں اور دل کا کانٹا اللہ تعالیٰ کی طرف کرلیں اور دل میں یہ استحضار ہو کہ یا اللہ! آج وہ موقع آگیا ہے کہ آپ مجھ کو اپنی رحمت سے اس جگہ داخل ہونے کی سعادت نصیب فرمارہے ہیں، جہاں انبیاء کرام داخل ہوتے تھے، اور جب وہ داخل ہوتے تھے تو سواری سے اتر جاتے اور ننگے پاؤں ہو جاتے تھے، بہرحال حدودِ حرم کے اندر قدم رکھتے ہی ہر نیک عمل کا ثواب ایک لاکھ گنا بڑھ جاتا ہے اس لئے ایسے وقت یوں دعا کریں ''یا اللہ! برسوں کی تمنا کے بعد آج یہ موقع آیا ہے کہ میں حرم میں داخل ہو رہا ہوں، یا اللہ! آپ کو آپکی شانِ رحمت کا واسطہ کہ جس طرح آپ نے اس کو محترم بنایا ہے مجھے اس کے اندر داخل ہونے کے لائق بنادیجئے۔ مجھے اس کا اکرام کرنے والا بنادیجئے، اس کے آداب بجالانے والا بنادیجئے اور میرے گوشت، میری کھال، میری ہڈیوں، میرے بالوں اور میرے وجود کو

سر سے پیر تک دوزخ پر حرام کر دیجئے اور جس طرح آپ نے اس میں شکار کرنے کو حرام کیا ہے اس کی بے حرمتی کو حرام کیا ہے اسی طرح یا اللہ! آپ مجھے دوزخ پر حرام کر دیجئے‘‘ اس طرح اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے داخل ہو جائیں، اور پھر زیادہ سے زیادہ نیک اعمال میں مشغول رہنے کی کوشش کیجئے۔

چنانچہ اس میں داخل ہونے کے بعد ایک مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہیں گے تو ایک لاکھ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہنے کے برابر ثواب ملے گا اور اگر ایک مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہیں گے تو ایک لاکھ مرتبہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے کے برابر ثواب ہوگا اور ایک مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہیں گے تو ایک لاکھ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنے کے برابر ثواب ہوگا اور ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہیں گے تو ایک لاکھ مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کے برابر ثواب ہوگا۔

حضرت والد صاحبؒ (اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور انہیں انکی خدمات کا بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔ آمین) تقریباً ہر سال حج کرنے جایا کرتے تھے اور اپنی دعاؤں اور بیانات میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے، امید ہے کہ یہ ان کے حق میں قبول ہوا ہے ؎

مدینہ جاؤں پھر آؤں، مدینہ پھر جاؤں
الٰہی! عمر اسی میں تمام ہو جائے

اور انکی عمر واقعی اسی میں پوری ہوئی کہ ہر سال حج کرنے کیلئے جاتے تھے، بعض حکایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی ستر ہزار مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا

اللہ پڑھ کر اپنے کسی رشتہ دار کو یا کسی اور مسلمان کو جو اللہ بچائے عذابِ قبر میں مبتلا ہو بخشدے تو اللہ تعالیٰ اس کا عذابِ قبر اٹھا دیتے ہیں۔

عذابِ قبر سے نجات

چنانچہ "نزھة البساتین" میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں میرے محلے میں ایک مجذوب رہتا تھا اور مجھے انکے بارے میں یہ شبہ تھا کہ یہ واقعی مجذوب ہیں یا مصنوعی مجذوب، جو واقعی مجذوب ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے اور جو مصنوعی ہوتا ہے وہ عموماً دھوکہ باز ہوتا ہے مجھے ان کے بارے میں یہ شبہ رہتا تھا کہ یہ واقعی مجذوب ہیں یا انہوں نے مجذوبوں کا روپ دھارا ہوا ہے، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک مجلس کے اندر میں بھی موجود تھا اور وہ بھی موجود تھے، میں نے دیکھا کہ وہ اچانک کہنے لگے "میری ماں کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے، میری ماں کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے" اس وقت میں نے سوچا کہ آج اس کے امتحان کا اچھا موقع ہاتھ آگیا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ یہ سچ مچ مجذوب ہے یا مصنوعی مجذوب، چنانچہ میں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ستر ہزار مرتبہ پڑھا ہوا تھا اسی وقت میں نے دل دل میں اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ اس کا ثواب اس کی والدہ کو پہنچا دیا جائے تو وہ ہنسنے لگے اور ہنستے ہوئے کہنے لگے الحمد للہ، الحمدللہ میری ماں سے عذاب ختم ہو گیا اور اب میری ماں آرام میں ہوگئی، وہ بزرگ فرماتے ہیں اس واقعہ سے میرے دو شبہے دور ہو گئے ایک شبہ تو ان کے بارے میں تھا کہ یہ حقیقۃً مجذوب ہیں یا مصنوعی مجذوب ہیں؟ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ حقیقی

مجذوب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر انکی ماں کا عذاب منکشف فرمایا اور اس کا دور ہونا بھی منکشف فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حقیقی مجذوب ہیں مصنوعی مجذوب نہیں اور وہ اپنے اس قول میں سچے ہیں، جھوٹے نہیں۔

دوسرے مجھے اس روایت کے بارے میں شبہ تھا کہ حدیث کس درجہ کی ہے معتبر ہے یا نہیں؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کی برکت سے انکی ماں کا عذاب اٹھالیا تو معلوم ہوا کہ یہ روایت صحیح ہے اور اس روایت میں اس کلمہ کی یہی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی آدمی کو پڑھ کر بخش دیا جائے اور وہ عذابِ قبر میں مبتلا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا عذابِ قبر اٹھالیتے ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں تو ستر ہزار مرتبہ کلمہ پڑھنا مشکل ہے لیکن مکہ مکرمہ میں جانے کے بعد ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللّٰہ پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے کے برابر ہوجاتا ہے، لہٰذا اس کلمہ کو زیادہ سے زیادہ پڑھنا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کا ثواب بخشنا چاہئے، سرکارِ دو عالم ﷺ کی امت میں سے جتنے لوگ اب تک گذر چکے ہیں اور جتنے لوگ قیامت تک آئیں گے اس کا ثواب ان سب کو پہنچا سکتے ہیں۔

بھئی! مکہ مکرمہ قیام کے دوران کم از کم ستر ہزار مرتبہ کلمہ پڑھنا اچھا ہے اور ستر ہزار میں سے ہر کلمہ ایک لاکھ کے برابر ہے اور ستر ہزار کو ایک لاکھ سے ضرب دیں تو کتنے لاکھ بن جائیں گے، اور اگر آپ اس کا ثواب آپ ﷺ کی امت کو بخشدیں تو آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور بہت سے افراد کی بخشش ہوجائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

اسی طرح وہاں قیام کے دوران اگر ایک مرتبہ یٰسٓ شریف پڑھیں

گے تو ایک لاکھ مرتبہ یٰسٓ شریف پڑھنے کے برابر ثواب ملے گا اور ایک مرتبہ یٰسٓ شریف پڑھنے والے کو دس مرتبہ قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملتا ہے تو اندازہ لگائیے اللہ تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے، انکی رحمت کی کوئی انتہا نہیں، ہم پڑھنے سے عاجز آسکتے ہیں لیکن انکی رحمت میں کمی نہیں آسکتی۔

اگر آدمی دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے تو از روئے حدیث اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ایک محل عطا فرمائیں گے، جب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ سنا تو انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ! پھر تو ہم جنت کے اندر بہت سے محل بنالیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ دینے پر قادر ہیں، ہم سورہ اخلاص پڑھ کر تھک سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عطا ختم ہونے والی نہیں، یہاں پر دس لاکھ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کے برابر ثواب ملے گا۔

جب حدودِ حرم شروع ہونگی تو ہر جگہ ہر نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہوگا، کتنی بڑی دولت ہے اور یہ حاضری کتنی بڑی نعمت ہے، یہ سب حج وعمرہ کی سعادت کی بدولت ہے، لہٰذا ہمیں دل وجان سے اس کی قدر کرنی چاہئے اور دل وجان سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

حج کی صحیح تیاری

اب میں دوسری بات کی طرف آتا ہوں، وہ یہ کہ جب یہ نعمت اتنی بڑی ہے اور اس پر اتنے بڑے بڑے اجر وثواب کے وعدے ہیں تو جتنی بڑی نعمت ہوتی ہے اور جس کام میں جتنا زیادہ نفع ہوتا ہے اس کی تیاری بھی اسی کے مطابق ہوتی ہے، چنانچہ جتنا بڑا کاروبار ہوتا ہے اس کی تیاری بھی اتنی

بڑی ہوتی ہے اور حج اور عمرہ آخرت کی کمائی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں لہٰذا اس کے لئے تیاری بھی اسی کے مطابق ہونی چاہئے، اس کی تیاری کے متعلق بہت سی باتیں ہیں، ان سب کا بیان کرنا اس مختصر وقت میں بظاہر مشکل ہے لیکن ان میں سے چند اہم اہم باتیں عرض کرتا ہوں۔

نیت درست کرلیں

ان میں سب سے پہلی بات اپنی نیت کی درستگی ہے، لہٰذا جتنے خواتین وحضرات حج کیلئے جارہے ہیں یا صرف عمرہ کرنے جارہے ہیں ان کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنی اپنی نیتوں کو درست کرلیں۔

نیت کو کس طرح درست کیا جاتا ہے اس کو درست کرنا یہ ہے کہ ہم دل میں یہ ارادہ کرلیں کہ ہم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے حج اور عمرہ کرنے کیلئے جارہے ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور نیت نہ ہو یا یہ نیت ہو کہ ہم صرف اور صرف اس لئے حج وعمرہ کیلئے جارہے ہیں تاکہ ہماری مغفرت ہوجائے، ہماری بخشش ہوجائے اور اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوجائیں، حج اور عمرہ کا جو ثواب احادیثِ طیبہ میں بیان کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہم کو عطا فرمادیں، بہرحال اس اجر کو حاصل کرنے کی نیت کرنا، اپنی مغفرت وبخشش کی نیت کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرنا نیت کی درستگی ہے۔ جب ایک مرتبہ دل میں اللہ تعالیٰ کے واسطے حج وعمرہ کرنے کی نیت کرلی تو نیت درست ہوگئی، اس کے بعد اگر ریاکاری، نام ونمود اور دکھاوے کے وسوسے آئیں تو ان میں کوئی حرج نہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ایک ہی

جملے میں اس مسئلے کا حل بیان فرمادیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وسوسۂ ریا ریا نہیں ہے یعنی وہ تو ریا کاری کا خیال اور وسوسہ ہے اور ریا کاری کا خیال اور وسوسہ اور چیز ہے اور ریا کاری اور چیز ہے، ریا کاری میں آدمی کا اپنا اختیار شامل ہوتا ہے جبکہ ریا کاری کا وسوسہ اور خیال غیر اختیاری چیز ہے اور غیر اختیاری چیز سے آدمی نہ گنہگار ہوتا ہے، نہ اس کے عمل میں کوئی خلل آتا ہے اور نہ اس کے ایمان میں کوئی خرابی آتی ہے وہ تو معاف ہے، بس ادھر سے خیال آئے تو اُدھر سے نکال دیں، اس سے نیت میں کوئی خلل اور فتور نہیں آتا، لہٰذا اپنے قصد و اختیار سے ہر مسلمان مرد و عورت ایک مرتبہ حج یا عمرہ کی نیت کو درست کرے، یا اللہ! میں آپکی رضا حاصل کرنے کیلئے حج و عمرہ ادا کرنے جارہا ہوں، اس کے بعد ایک مرتبہ یا ایک ہزار مرتبہ ریا کاری کا وسوسہ آئے اس سے بالکل نہ گھبرائیں کیونکہ اس سے نہ آپکے حج میں کوئی خلل آئیگا اور نہ آپکے عمرہ میں کوئی خلل آئے گا اور نہ کسی عمل میں کوئی خلل آئے گا، بعض اوقات آدمی اس وسوسہ سے بہت پریشان ہوتا ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے عبادت کررہا ہوں اور یہ دکھاوے اور ریا کاری کا خیال آرہا ہے۔

ہاں خدانخواستہ اگر کوئی نیت ہی غلط کرلے مثلاً یہ نیت کرلے کہ میں حج اس لئے کررہا ہوں تاکہ لوگ مجھے حاجی کہیں، میں اس لئے عمرہ کررہا ہوں تاکہ لوگ کہیں کہ یہ تو ہر سال عمرہ کرنے جاتا ہے اور میں اس لئے حج و عمرہ کررہا ہوں تاکہ لوگوں میں میرا نام ہو، اگر کوئی ایسی نیت کرے گا تو بے شک یہ ریا کاری کی نیت ہوگی، دکھاوے اور نام و نمود کی نیت ہوگی اور اللہ بچائے ایسی نیت بڑی خراب نیت ہے اور عمل کی مقبولیت کو تباہ و برباد کرنے والی نیت ہے۔

چنانچہ ایک روایت میں اس کے متعلق آتا ہے کہ میری امت کے بعض مالدار لوگ سیر وتفریح کیلئے حج کریں گے یعنی کچھ مالدار لوگ سیر وتفریح کیلئے حج وعمرہ کریں گے کہ لندن نہیں گئے، جرمنی نہیں گئے فرانس نہیں گئے، سنگاپور نہیں گئے مکہ مدنیہ چلے گئے کہ وہاں پر بھی بڑے خوب صورت ہوٹل ہیں، بڑی خوبصورت عمارتیں ہیں، خود بیت اللہ اور مسجد نبوی کی عمارت بھی بڑی خوشنما ہے، اس کو دیکھنے چلے گئے یہ تو حج وعمرہ کیلئے جانا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے جانا نہیں ہوا، عبادت کرنے کیلئے جانا نہیں ہوا بلکہ ان جگہوں کو دیکھنے کیلئے جانا ہوا، گھومنے پھرنے اور سیر وتفریح کیلئے جانا ہوا۔

فرمایا کہ میری امت کے درمیانے درجے کے لوگ تجارت کیلئے حج کا سفر کریں گے یعنی جا تو رہے ہیں حج وعمرہ کیلئے لیکن ان کا اصل مقصد تجارت ہوگی، یہاں سے کچھ مال لیکر چلے گئے اور وہاں جا کر بیچ دیا، اور وہاں سے کچھ مال لا کر یہاں بیچ دیا، یہاں سے کچھ آڈر وہاں لے گئے اور وہاں سے کچھ آڈر یہاں لے آئے، لہذا جب جا رہے ہیں تو اس لئے جا رہے ہیں کہ جدہ بہت بڑا تجارتی مرکز ہے وہاں جا کر کچھ تجارت کرلیں گے اور اس آنے جانے میں حج وعمرہ بھی ادا ہو جائے گا اور اگر حج وعمرہ نہ ہوا تو کیا ہوا تجارت تو ہو ہی جائے گی، لہذا یہ سفر خالص حج وعمرہ کے لئے نہیں ہوگا بلکہ تجارت کے لئے ہوگا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ علماء حج وعمرہ کریں گے ناموری کے لئے، شہرت کے لئے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں عالم بڑے بزرگ ہیں وہ تو ہر سال حج وعمرہ کے لئے جاتے ہیں'' اللہ بچائے'' یہ نام ونمود اور شہرت طلبی کیلئے حج ہوا،

اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہیں ہوا۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے غریب لوگ مانگنے کے لئے حج وعمرہ کریں گے یعنی حج وعمرہ کے لئے تو جائیں گے، لیکن اصل مقصد حج وعمرہ نہیں بلکہ لوگوں سے بھیک مانگنے کے لئے جائیں گے۔

اس لئے بھئی! سب سے پہلے اپنی نیت درست کر لینی چاہئے جتنی نیت سچی اور خالص ہوگی اتنا ہی حج وعمرہ انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوگا، اس اخلاص کی نیت کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حج مبرور کا بدلہ بجز جنت کے اور کچھ نہیں، حج مبرور کا بدلہ صرف اور صرف جنت ہے یعنی جس آدمی کا حجِ مبرور ہو گیا اور جس کو حجِ مبرور نصیب ہو گیا تو اس کے جنتی ہونے کا فیصلہ ہو گیا اور یہی مومن کا منتہائے مقصود ہے، اس لئے اخلاص کے ساتھ یہ دعا شروع کر دیں کہ یا اللہ! ہم سب کو بآسانی حجِ مبرور اور عمرۂ مبرورہ نصیب فرما۔ آمین

حجِ مبرور کی تعریف

حجِ مبرور کسے کہتے ہیں؟ یہ بھی سُن لیں، اس کے بارے میں عرض ہے کہ حجِ مبرور نام ہے اس بات کا کہ آدمی اس طرح حج کرے کہ اس حج کے اندر جہاں تک ہو سکے گناہوں سے پرہیز کرے، جہاں تک ہو سکے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، اگر کہیں کوئی غلطی ہو جائے تو بلا تاخیر توبہ کر کے آئندہ بچے، اگر کسی انسان کے ساتھ کوئی زیادتی ہو جائے یا کسی ہم سفر کی حق تلفی ہو جائے تو اس کی بھی فوراً معافی وتلافی کر لے اس کو حج مبرور کہتے ہیں۔

حجِ مبرور کی اس کے علاوہ اور بھی کئی تعریفیں، اور نشانیاں بیان کی گئی

ہیں، کہ حجِ مبرور کے اندر آدمی نرمی سے گفتگو کرے، جھگڑے سے بچے، لب و لہجہ بھی سخت اختیار کرنے سے گریز کرے، نرم لہجہ اختیار کرے اور ہر ایک کو سلام کرے، یہ بھی حج مبرور کی علامتیں ہیں، جس نے ان باتوں کو اختیار کرلیا تو انشاء اللہ اس کو حجِ مبرور نصیب ہو جائے گا۔

حجِ مبرور کی دعا

لہٰذا ابھی سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! ہم کو حجِ مبرور نصیب فرما، اگر دل سے دعا مانگیں گے تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت ضرور نصیب فرمائیں گے، اس لئے کہ جب انہوں نے بغیر درخواست کے ہم پر یہ کرم فرمایا ہے تو درخواست پر تو انشاء اللہ تعالیٰ بدرجۂ اولیٰ کرم فرمائیں گے، انہوں نے ہماری کسی قابلیت اور لیاقت کے بغیر ہی یہ احسان فرمایا کہ ہماری حاضری کا انتظام فرمایا، تو بھئی! اگر ہم ابھی سے دعا کریں گے تو انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ ہمیں حجِ مبرور اور عمرۂ مبرورہ بھی نصیب فرمائیں گے جو ہر حاجی کا مقصود ہے۔

حجِ مبرور حاصل کرنے کا طریقہ

اب حجِ مبرور اور عمرۂ مبرورہ حاصل کرنے کے لئے ہمیں چند کام کرنے ضروری ہیں۔

(۱) ان میں سے پہلا کام یہ ہے کہ اب تک کی زندگی میں جو کچھ ہوا ہے اس کی معافی تلافی کرلیں اور معافی تلافی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بھی کرنی ہے اور بندوں کے حقوق کی بھی کرنی ہے، اللہ تعالیٰ کے حقوق کی

مثال جیسے نماز فرض ہے، زکوۃ فرض ہے، روزے فرض ہیں، صدقہ فطر واجب ہوا مگر ادا نہ کیا، قربانی واجب ہوئی لیکن ادا نہ کر سکے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، لہٰذا بالغ ہونے سے لیکر اب تک ہر مسلمان مرد وعورت اس لحاظ سے اپنی زندگی کا جائزہ لے لیں، جتنی نمازیں قضاء ہیں ان کا بھی اندازہ لگا کر حساب کر لیں اور اپنے پاس نوٹ کر لیں اور ابھی سے اپنی قضاء نمازوں اور قضاء روزوں کو ادا کرنا شروع کر دیں، قدرتی مجبوری کی وجہ سے خواتین کے عموماً ہر سال رمضان میں کچھ نہ کچھ روزے چھوٹ جاتے ہیں، لیکن لاپروائی کی وجہ سے ادائیگی نہیں ہوتی، لہٰذا ابھی سے وہ روزے رکھنا شروع کر دیں اور رمضان شریف سے پہلے پہلے ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں تاکہ اگلے رمضان آنے سے پہلے ان کے پچھلے تمام روزے ادا ہو جائیں اور حج کے اعتبار سے بھی ان کی ادائیگی ہو جائے، اور اگر کسی کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہوئی تھی اور اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو وہ اسے حج سے پہلے پہلے ادا کرنے کا اہتمام کرے، اگر کسی کام کے ہونے پر منت مانی تھی پھر وہ کام ہوگیا لیکن منت پوری نہیں کی تو وہ اس منت کو ادا کر دے، اسی طرح اگر کسی کے ذمے سجدۂ تلاوت واجب ہے تو وہ اس کو ادا کر لے، یہ سب اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں۔ لہٰذا جس کے ذمے ان میں سے جتنے جتنے حقوق باقی ہیں اس کو چاہئے کہ حج مبرور حاصل کرنے کے لئے وہ حج سے پہلے پہلے انکو ادا کرے، لیکن اگر کچھ رہ جائیں تو وہاں جا کر ادا کر لیں وہاں تو فرصت ہی فرصت ہوگی، لہٰذا زیادہ سے زیادہ طواف کریں اور یہ کام بھی کریں، لیکن ابتدا ابھی سے کر لینی چاہئے۔

(۲) دوسرے بندوں کے حقوق ہیں کہ بندوں کے ساتھ ہمارا

برتاؤ اور سلوک کیسا رہا ہے؟ یہ پہلو سب سے سنگین اور سب سے زیادہ قابل توجہ ہے کہ بالغ ہونے سے لیکر اب تک جن لوگوں کے ساتھ ہمارا معاملہ رہا ہے وہ کیسا رہا ہے، اگر ہم نے ناحق کسی کو ستایا ہے، کسی کو تکلیف دی ہے، کسی کو مارا ہے، کسی پر زیادتی کی ہے، اسکی بے عزتی کی ہے، کسی پر بہتان لگایا ہے یا کسی کے پیسے دبائے ہیں تو یاد رکھئے! کہ یہ حج اور عمرہ کی مقبولیت میں کوہِ گراں ہیں اور آخرت کے اندر بھی بڑی تباہی اور بربادی کا سبب ہیں۔

چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشار فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اصلی مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مفلس وہ شخص ہے کہ جس کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب اور مال ودولت نہ ہو تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حقیقی مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس طرح حاضر ہوگا کہ اپنے ساتھ نیکیوں کے پہاڑ لے کر آئے گا اس کے پاس بے شمار نمازیں ہوں گی، تسبیحات، تلاوتیں اور دعائیں ہونگی، ذکر، صدقہ اور حج ہوگا، عمرے اور طواف ہونگے، اور ان کے علاوہ بے شمار نیکیاں اس کے ساتھ ہونگی، اور وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا، اس کے ذہن میں یہ ہوگا کہ اسے جنت میں داخل کردیا جائے گا لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو اہلِ حقوق بھی آجائیں گے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے کہ پروردگار عالم! اس نے دنیا میں ہمیں گالی دی تھی، ہمیں ناحق مارا تھا، اس نے ہمارے ناجائز پیسے کھائے تھے، اس نے ہماری زمین دبائی تھی، اس نے ہمارے مکان پر قبضہ کیا تھا، اس نے ہم سے زبردستی رشوتیں لی تھیں، اس نے سود کھایا تھا۔ وغیرہ

اس طرح وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے یا اللہ! ہمیں ہمارے حقوق دلوا دیجئے، ہر صاحب حق یہ عرض کرے گا کہ یا اللہ اس کے ذمے میرا یہ حق بنتا ہے وہ دلوایئے، تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حقوق دلوائیں گے اور اللہ تعالیٰ اہلِ حقوق کے حقوق کے مطابق اس کو اس کی نیکیاں دیدیں گے، کیونکہ آخرت کے سارے معاملات نیکیوں کی بنیاد پر طے ہونگے، مغفرت اور بخشش بھی نیکیوں کی بنیاد پر ہوگی اور لین دین بھی نیکیوں کی بنیاد پر ہوگا، لہٰذا جس جس کا اس نے حق مارا ہوگا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو اس کی نیکیاں عطا فرمائیں گے۔

چنانچہ امام قرطبیؒ نے اپنی کتاب التذکرہ میں لکھا ہے کہ ایک چونی کے بدلے سات سو مقبول نمازیں دی جائیں گی، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اس طرح سے اس کی نیکیوں کے پہاڑ اہلِ حقوق میں تقسیم ہو جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے، پھر بھی اہل حقوق باقی رہیں گے اور کہیں گے کہ پروردگار عالم! ہمارے حقوق باقی ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ بھئی اس کی نیکیاں تو ختم ہوگئی ہیں تو وہ کہیں گے کہ پروردگار عالم! ہمیں تو ہمارے حقوق چاہئیں، ہم نہیں جانتے کہ اس کے پاس نیکیاں ہیں یا نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ جل شانہ فرمائیں گے کہ اچھا بھئی تم لوگ اپنے اپنے حق کے مطابق اپنے گناہ اس پر ڈالدو کیونکہ اب اس کی نیکیاں باقی نہیں رہیں، لہٰذا جتنا اس نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے، زیادتی کی ہے، ناانصافی کی ہے، ستایا ہے، پریشان کیا ہے تم اتنے ہی گناہ اس کے اوپر ڈالتے جاؤ تا کہ حساب برابر ہو جائے، چنانچہ اب ان کے گناہ اس کے سر پر ڈالے جائیں گے آیا تو تھا نیکیوں کے پہاڑ لیکر لیکن لوٹے

گا گناہ لیکر اور حکم ہو گا کہ اس کو جہنم میں ڈالدو، اس طرح لوگوں کے گناہ اپنے سر پر لیکر لوٹے گا اور دوزخ میں ڈالدیا جائے گا، یہ انسان آخرت کے اعتبار سے حقیقی مفلس ہے۔

اس لئے حقوق العباد کا معاملہ آخرت کے اعتبار سے بھی خطرناک ہے اور دنیا کے اعتبار سے بھی خطرناک ہے، لہٰذا ابھی سے اس کی تلافی کرنے کی ضرورت ہے اور تلافی کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جن جن لوگوں سے ہم مل سکتے ہیں یا رابطہ کر سکتے ہیں خواہ براہِ راست یا ٹیلی فون پر یا خط و کتابت کے ذریعے ان سے رابطہ کر لیں، اگر تم نے اس کو ستایا ہے یا پریشان کیا ہے یا زبانی طور پر اس کو ایذائیں پہنچائیں ہیں یا ہاتھ سے مارا ہے تو اس سے کہیں بھئی میں نے آپکے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں، آپکے بہت سے حقوق ضائع کئے ہیں، آپ مجھے اللہ کے لئے معاف فرمادیں، میرا ارادہ حج میں جانے کا ہے لہٰذا جس کسی کے ساتھ اس طرح کا معاملہ ہو گیا ہو اس سے جا کر ملیں اور اس سے معافی مانگیں۔

(۳) حج کا مقصد اپنی بخشش کرانا ہے نہ کہ گناہوں کا پہاڑ اپنے سر پر رکھنا، لہٰذا وہاں جا کر خواتین خود بھی پردہ کا اہتمام کریں اور دیگر خواتین کو بھی پردہ کرنے کی تلقین کریں اور ابھی سے شرعی پردہ کا اہتمام شروع کریں گی تو انشاء اللہ العزیز جب وہاں جائیں گی تو ان کے لئے شرعی پردہ کرنا زیادہ آسان ہو گا۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ ابھی سے ہمیں خود کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کرنی ہو گی اس لئے کہ حج مبرور کی ایک علامت یہ بیان کی گئی

ہے کہ جب حاجی حج کر کے واپس آئے تو پہلے جو گناہ وہ کیا کرتا تھا وہ چھوٹ چکے ہوں، پہلی گناہ آلود زندگی ختم کر کے گناہوں سے پاک نئی زندگی کا آغاز کر چکا ہو، پہلی زندگی نافرمانی، فسق و فجور، گناہوں اور نماز نہ پڑھنے کی زندگی تھی اب واپس آیا تو نماز کا پابند ہو گیا، پاکیزہ زندگی اختیار کر لی، تو بھئی! یہ ہے حج مبرور کی علامت اور نشانی ہے۔

مقبول حج کی نورانیت

پہلے زمانے میں لوگ حج کے لئے جایا کرتے تھے وہ اسی کا نمونہ ہوا کرتے تھے، پہلے حج کے لئے جانے کے ذرائع بڑے مشکل اور دشوار گزار تھے اس لئے جب لوگ حج کو جاتے تھے تو یہ سمجھ کر جاتے تھے کہ واپس نہیں آئیں گے لیکن جب واپس آتے تھے تو انکے چہرے پر حج کا نور ہوتا تھا انکی زندگی بدلی ہوئی ہوتی تھی، ان کے اخلاق بدلے ہوتے تھے اور اب جانے کی سہولتیں اتنی ہو گئیں کہ ہر سال بآسانی حج پر جایا جا سکتا ہے لیکن بآسانی جانے کے ساتھ ساتھ آج کل لوگ جیسے جاتے ہیں عام طور پر ویسے ہی آ جاتے ہیں، آدمی جو گناہ کرتے ہوئے گیا تھا اللہ بچائے وہی گناہ کرتے ہوئے واپس آیا، جو نماز نہیں پڑھتا تھا اسی حال میں واپس آیا کہ اب بھی نماز نہیں پڑھتا، جو جھوٹ بولتا ہوا گیا تھا جھوٹ بولتا ہوا واپس آیا، گانا سنتے ہوئے گیا تھا گانا سنتے ہوئے واپس آیا، فلمیں دیکھتے ہوئے گیا تھا فلمیں دیکھتے ہوئے واپس آیا، عورتیں بے پردہ گئی تھیں بے پردہ واپس آئیں، یہ اصلاح اور قابلِ توجہ بات ہے۔

اگر ہم حجِ مبرور کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کرنا چاہتے تو آج سے ہی اس کا تہیہ کرلیں کہ پچھلے سب گناہوں سے سچی توبہ اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہوگا۔

مدینہ منورہ حاضری

تیسری بات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنی ہے اور وہ مدینہ منورہ کی حاضری ہے جو اکثر و بیشتر حاجی اور عمرہ کرنے والے کو نصیب ہوتی ہے جو در اصل سرکارِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضری ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی حج کرے اور حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ طیبہ میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو دو حج کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔

مسجدِ قبا کی فضیلت بھی بتا دوں کہ جو آدمی وہاں جا کر رات میں یا دن میں دو رکعت نفل ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک عمرے کا ثواب عطا فرماتے ہیں، تو لہٰذا دو حج کا ثواب مدینہ منورہ پہنچ کر مل جاتا ہے اور جتنی مرتبہ مسجدِ قبا میں جا کر دو رکعت نفل نماز ادا کرے تو ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ اس کو ایک عمرے کا ثواب عطا فرمائیں گے۔

ایک حدیث میں یہ ہے کہ جس نے میرے مرنے کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

ایک اور حدیث میں اس طرح ہے کہ جس نے میرے مرنے کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو مجھ پر اس کی شفاعت واجب ہو جائے گی، لہٰذا اس لئے وہاں جانا چاہئے تاکہ وہاں جا کر ہم حضور ﷺ کی شفاعت کے مستحق

ہوں۔

ایک روایت میں تو آپ ﷺ نے عجیب انداز میں فرمایا کہ:

مَنْ حَجَّ فَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ

جس نے حج کیا اور میری زیارت کرنے کے لئے (مدینہ طیبہ میں) نہیں آیا تو اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔

تو بھئی جیسا بھی گنہگار سے گنہگار اور نافرمانی کرنیوالا ہو، خواہ وہ حاجی ہو یا عمرہ کرنیوالا، بہر حال عام طور پر اس کو مدینہ طیبہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہو جاتی ہے اور یہ سعادت اس لئے ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنے مزار اقدس میں حیات ہیں اس لئے وہاں کھڑے ہو کر جو آدمی بھی صلوٰۃ وسلام پیش کرتا ہے حضور ﷺ خود بنفسِ نفیس اس کا سلام سنتے ہیں اور یہ سعادت پوری دنیا میں اس جگہ کے علاوہ کہیں اور حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ آپ ﷺ کے روضۂ اقدس کے علاوہ کہیں اور اگر درود و سلام پڑھا جاتا ہے تو فرشتے وہ درود حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پہنچاتے ہیں، لیکن جب روضۂ اقدس پہ کھڑے ہو کر کوئی شخص سلام پیش کرتا ہے تو آپ ﷺ خود اسے سنتے ہیں اور سن کر اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اس لئے علماء نے فرمایا ہے کہ فرائض و واجبات کے بعد نوافل میں جو سب سے بڑی فضیلت کی چیز ہے، جو سب سے بڑی باعث اجر چیز ہے وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کرنا ہے، جو درود و سلام کا ویسے بھی بڑا اجر و ثواب ہے، ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی ایک مرتبہ

درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے بدلے دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اس کے دس گناہ معاف فرماتے ہیں دس نیکیاں عطا فرماتے ہیں اور دس درجے بلند فرماتے ہیں، آپ اس سے اندازہ لگائیے! کہ اگر آدمی سو مرتبہ درود شریف پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس پر کتنی رحمتیں نازل فرمائیں گے اور اسے کتنی نیکیاں عطا فرمائیں گے اور اس کے کتنے گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو آدمی سو مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی سو حاجتیں پوری فرماتے ہیں تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو آدمی ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو اس وقت تک اس کا انتقال نہیں ہوگا جب تک وہ اپنی آنکھوں سے جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے گا۔

کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کے لئے احادیث میں دو فضیلتیں اور آئی ہیں ایک یہ کہ وہ جتنا درود شریف پڑھے گا قیامت کے دن اتنا ہی حضور ﷺ کے قریب ہوگا اور دوسرے زیادہ درود شریف پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔

بہرحال کسی بھی امتی کے لئے سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ وہ آپکی خدمت میں حاضر ہو کر درود وسلام پیش کرے اور حضور ﷺ سے اپنے لئے مغفرت کی درخواست کرے اور حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے، جس طرح آپ ﷺ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اسی طرح شفاعت کی درخواست بھی سنتے ہیں، لہٰذا یہ سب سے بڑی دولت ہے اور بہت بڑی

سعادت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بار بار نصیب فرمائیں، آمین مدینہ منورہ کی یاد میں چند اشعار یاد آئے۔

یہی ہے تمنا، یہی آرزو ہے یہی تو سنانے کو جی چاہتا ہے
مدینے کو جاؤں پلٹ کر نہ آؤں وہیں گھر بنانے کو جی چاہتا ہے
سَلامٌ عَلَیْكَ نَبِیِّ مُکَرَّمْ سلامٌ عَلَیْكَ نَبِیِّ مُعَظَّمْ
خدا کی قسم تیرے روضہ پہ آکر یہ ہر دم سنانے کو جی چاہتا ہے
سیاہ کاریوں کی فراوانیاں ہیں پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں
جبیں تیرے قدموں پہ ایک روز رکھکر گناہ بخشوانے کو جی چاہتا ہے،

ایک شاعر نے کہا۔

سمٹتے آرہے ہیں درد والے کہ یہ دل کے سہاروں کی زمین ہے،
تجلی گاہ انوار رسالت اور اس کے ماہ پاروں کی زمین ہے،
جو دن کے تھے مجاہد، شب کے راہب انہی شب زندہ داروں کی زمین ہے،
یہیں ٹھہرو کہاں جاؤ گے دانش! یہ رحمت کے نظاروں کی زمین ہے،

دو کاموں کا اہتمام

حاجی اور عمرہ کرنے والے اس بات کو یاد رکھیں کہ جب وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوں تو دو کاموں کا اہتمام کریں، ایک درود شریف کثرت سے پڑھیں یعنی ہر وقت اپنی زبان پر درود شریف رکھیں۔

دوسرے سنتوں پر عمل کرنا شروع کر دیں سنتوں پر عمل یہیں سے شروع کر دینا چاہئے اور وہاں بطور خاص اس کا اہتمام کریں، اس کے لئے

ایک کتاب میرے والد ماجدؒ کی لکھی ہوئی "علیکم بسنتی" ہے جو عام ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے بہت مقبولیت عطا فرمائی ہے، اس کے مطالعہ سے ہمارے چوبیس گھنٹے بآسانی سنت کے مطابق گزر سکتے ہیں، ہمارا کھانا پینا، سونا، جاگنا، پہننا اور بیت الخلاء جانا سب سنت کے مطابق ہوسکتا ہے، اس کو لیکر اہتمام کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں اور ہر ہر سنت پر عمل کریں اور خاص طور پر جب مدینہ طیبہ جائیں تو وہاں اس چیز کا خیال رکھیں کہ کوئی کام خلافِ سنت نہ ہو اور ہر کام کو دھیان کے ساتھ اور اہتمام کے ساتھ سنت کے مطابق ادا کریں۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر حضور ﷺ کی خدمت میں سلام کرنے کے لئے جائیں تو اگر پہلے نہا سکیں تو نہانا بہتر ہے، سنت کے مطابق لباس پہنیں، انگریزی لباس سے پرہیز کریں، شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھیں، نیچے نہ رکھیں، خوشبو لگائیں اور راستے میں کسی غریب کو کچھ پیسے خیرات کریں، گردن جھکاتے ہوئے، اپنے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہوتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ میں حضور ﷺ کا ایک نالائق امتی آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے کیلئے جارہا ہوں، آپکی سنتوں کو پامال کرکے آیا ہوں، آپکو بہت خفا اور ناراض کرکے آیا ہوں، یا اللہ! میری حاضری کو آسان فرمادیجئے اور میرا سلام قبول فرمائیے اور پھر مسجد نبوی میں سنت کے مطابق داخل ہوں، اگر مکروہ وقت نہ ہو تو ریاض الجنۃ میں جاکر دو رکعت نفل پڑھیں، اگر وہاں جگہ خالی نہ ملے تو جہاں جگہ ہو وہاں پڑھ لیں، اور دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کریں، کہ یا اللہ! میں آپ ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کرنے

کے لئے حاضر ہورہا ہوں ، یا اللہ ! میں نالائق ہوں اور میں نے بہت سنتیں توڑی ہیں ، اور میں نے آپ ﷺ کو بہت ناراض کیا ہے ، یا اللہ ! میں آپکو آپکے کرم کی دہائی دیتا ہوں کہ آپ میری مدد فرمایئے ، اور جیسا بھی میرا ٹوٹا پھوٹا سلام پیش ہو آپ اس کو حضور کی شان کے لائق صحیح کر کے پیش کر دیجئے ، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجھ سے راضی کر دیجئے ، اس طرح گردن جھکاتے ہوئے آرام آرام سے چلئے ، جلد بازی سے پرہیز کیجئے اور اگر آپکو ایسا موقع مل جائے کہ آپ ﷺ کے روضہ مبارک کے سامنے جو ستون ہیں وہاں درمیان میں کھڑے ہو جائیں تو اور بھی اچھا ہے لیکن حج میں بھیڑ کی وجہ سے اس کا موقع کم ملتا ہے لیکن بعض اوقات مل بھی جاتا ہے اور وہ بعض اوقات میں آپکو بتائے دیتا ہوں ، ایک صبح نو اور دس بجے کے درمیان آپ وہاں کھڑے ہو کر بآسانی درود شریف پڑھ سکتے ہیں اور دوسرے عشاء کے بعد جب مسجد نبوی بند ہونے کا وقت ہوتا ہے اس وقت بھی آدمی کچھ دیر وہاں آسانی سے کھڑا ہو سکتا ہے۔

پہلی دفعہ جو درود وسلام پیش کریں ، اس میں اس بات کی کوشش کریں کہ وہاں کھڑے ہو جانے کا موقع مل جائے ، لیکن اس سے کسی کو تکلیف نہ ہو اور کسی کے انتظام میں خلل نہ ہو ، اس کا خیال رکھیں ، ہر طرف کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اگر موقع مل جائے تو وہاں پر کھڑے ہو کر آہستہ اور درمیانی آواز کے ساتھ توجہ سے درود وسلام پیش کریں ، وہ وقت تو اپنی نالائقی کے استحضار اور ان کے مرتبہ کو ذہن میں لانے کا وقت ہے ، اتنے جلیل القدر پیغمبر ، سارے نبیوں کے سردار ، رحمۃ للعلمین سامنے آرام فرما ہیں اور میں ادنی

امتی انکے سامنے کھڑا ہوں پھر پوری توجہ اور دل کی گہرائی کے ساتھ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ کہیں، اور ایک قدم آگے بڑھ کر درخواست کریں کہ یا رسول اللہ! میرے تمام احباب نے آپکی خدمت میں سلام پیش کیا ہے اور اس کے بعد یہ درخواست کریں کہ یا رسول اللہ! میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ سے درخواست کریں کہ حضور میں آپ کا ادنی امتی ہوں، نالائق ہوں، خطا کار ہوں، سیاہ کار ہوں، آپ اللہ تعالیٰ سے میری مغفرت کی دعا کیجئے، میرے لئے بھی، میرے والدین کے لئے بھی اور جن لوگوں نے آپکی خدمت میں سلام پیش کرنے کے لئے کہا ہے وہ سب آپکی شفاعت کے امیدوار ہیں آپ ان سب کے لئے سفارش فرمادیجئے، پھر شیخین کی خدمت میں سلام پیش کریں اور پھر آپکی خدمت میں آئیں، اگر موقع مل جائے تو دوبارہ صلوٰۃ وسلام پیش کریں۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو آدمی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ آیت پڑھتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (الأحزاب ۵۶)

اس کے بعد ستر مرتبہ یہ درود شریف پڑھتا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ، بہتر یہ ہے کہ اس طرح پڑھیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ یا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تو ایک فرشتہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تیری طرف متوجہ ہے، مانگ کیا مانگتا ہے اور تیری حاجتیں پوری کردی جائیں گی، تو

اس وقت یہ دعا کریں "یا اللہ! حضور ﷺ کے صدقے مجھے اپنی رضا اور جنت نصیب فرما اور مجھے اپنے اطاعت شعار بندوں کی سی زندگی نصیب فرما، دنیا و آخرت میں عافیت عطا فرما اور مجھے بار بار یہاں کی حاضری صحت و عافیت کے ساتھ نصیب فرما" اور آخر میں یہ دعا کریں، "یا اللہ! سرکار دو عالم ﷺ جو سامنے آرام فرما ہیں انہوں آپ سے دنیا و آخرت کی جتنی بھلائیاں مانگی ہیں وہ سب عطا فرما اور جن جن چیزوں سے آپ نے دنیا و آخرت میں پناہ مانگی ہے ان سے کامل پناہ عطا فرما، یا اللہ! میں ان کے سامنے آپ سے انہی کے وسیلے سے انہیں کی بتائی ہوئی دعا مانگ رہا ہوں" بس یہ دعا کریں، اور اپنے لئے اور اپنے والدین کے لئے خوب گڑ گڑا کر دعائیں کریں، اور پھر اس کے بعد دوبارہ سلام پیش کریں یہ آپ کی طرف سے سلام پیش ہو گیا پھر اس جگہ سے چلے جائیں اور دو رکعت نماز ادا کریں، یہ دو نفل شکرانے کے ہوتے ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑا کر دعا کریں "یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے سلام پیش کرنے کی توفیق دی، اب آپ اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ بنا کر اور حضور ﷺ کی شان کے لائق بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرما دیجئے اور میری بخشش فرما دیجئے"، یہ اتنی بڑی دولت ہے، اور اتنی بڑی سعادت ہے جو ایک معمولی انسان کو بھی وہاں حاصل ہو سکتی ہے۔

آخری بات یہ ہے کہ جب تک مدینہ طیبہ کے اندر ہیں کوشش کریں کہ ہر نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ والسلام پیش کریں لیکن مختصراً، اور مختصر یہ کہ جو لائن چل رہی ہو آپ بھی اس کے ساتھ چلتے رہیں اور جیسے ہی حضور ﷺ کے روضۂ شریف کے سامنے پہنچیں تو وہاں اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ پڑھیں اور آگے چلیں اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا اَبَابَكْرِ الصِّدِّيْق ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا عُمَرَ الْفَارُوْق ، اس لئے کہ مختصر سلام بھی ثابت ہے اور طویل بھی ثابت ہے، طویل سلام پڑھنے کا موقع نہ ملے تو مختصر سلام پڑھیں لیکن اپنے آپ کو محروم نہ کریں۔

اور میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض احباب ایسا کرتے ہیں کہ صبح سلام پیش کرلیا اور شام کو سلام پیش کرلیا باقی اوقاتِ نماز میں مسجد نبوی میں کہیں بھی نماز پڑھ لی اور پھر سیدھے ہوٹل چلے گئے ، اتنی بڑی سعادت کا موقع ملے اور پھر آدمی اس سعادت سے محروم ہو جائے تو اس سے بڑی محرومی اور کیا ہوگی اور ایک طرح سے یہ بیوفائی ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے ساتھ کہ مدینے میں ہو اور سلام پیش کرنے کے لئے بھی حاضر نہ ہو، اس لئے کم از کم ہر نماز کے بعد سلام پیش کرنے کے لئے جانا اچھا ہے، خواہ مختصر ہی سہی تا کہ حاضری ہو جائے اور ہمارا یہ مختصر سلام بھی سرکارِ دو عالم ﷺ سنتے ہیں اور جواب عطا فرماتے ہیں جیسے کہ طویل سلام سنتے ہیں ، بہر حال خود حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنا بڑی دولت ہے، بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ بار بار نصیب فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

دنیا کی بے ثباتی

- حب دنیا ایک خطرناک مرض
- ایک کتاب کا تعارف
- ہارون الرشید کے بیٹے کا عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اما بعد!

ہمارا بنیادی مرض

گذشتہ منگل کو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا، اس کے فانی ہونے، ختم ہونے اور اس کی محبت میں مبتلا ہونے کی بناء پر آخرت کے برباد ہونے کا تذکرہ تھا، اور یہ عرض کیا گیا تھا کہ ہمارا بنیادی مرض حبِ دنیا ہے۔ اس حبِ دنیا کی وجہ سے ہم طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہیں، اگر یہ حبِ دنیا کا مرض دور ہو جائے اور ہمیں اس بیماری سے صحت حاصل ہو جائے تو انشاء اللہ ہماری کافی حد تک اصلاح ہو جائے۔

حُبِّ دنیا خطرناک مرض ہے

حُبِّ دنیا بہت مہلک مرض ہے اور اس کا علاج بہت ضروری ہے اس لئے اسی سلسلہ میں مزید کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے، اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو حُبِّ دنیا کے مرض سے نجات دیں۔ دنیا کی محبت کو مغلوب فرمادیں، ہمارے ظاہر و باطن کو اپنی یاد سے اور اپنی اطاعت سے آراستہ

فرمادیں، اپنی نافرمانی سے محفوظ فرمادیں اور ہمارے دل میں اپنی محبت کو اپنے ماسوا کی محبت پر غالب فرمائیں۔ آمین

اللہ والوں کی حکایات ان کی مجلس کا بدل ہیں

اس وقت "نزھة البساتین" کا ایک واقعہ بیان کرنا ہے، یہ بہت پیاری کتاب ہے، جو ہر گھر میں ہونی چاہئے، اور روزانہ ہمیں اپنے گھر میں سب گھر والوں کو جمع کر کے اس کی حکایات اور واقعات کو سنانا چاہئے اس لئے کہ جس طرح کسی اللہ والے کی خدمت وصحبت میں اثر ہوتا ہے، اور اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت نکلتی ہے، آخرت کی فکر بڑھتی ہے، اسی طرح نیک لوگوں اور اللہ والوں کی حکایات بھی ان کی مجلس کا بدل ہیں، ان کی خدمت وصحبت میں رہنے کے قائم مقام ہیں اور یہ بدل ایسا ہے کہ اسے ہر آدمی بآسانی اختیار کر سکتا ہے، لہٰذا اسے بھی اختیار کرنا چاہئے اور کسی اللہ والے کی خدمت وصحبت میں بھی جانا چاہئے، ان سے بھی ملتے رہنا چاہئے اور ان کے پاس بیٹھنا چاہئے، ان سے مشورہ لینا چاہئے، اور حکایات پر مشتمل کتابوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے تاکہ دونوں سے آدمی کو پورا پورا فائدہ پہنچے۔

کتاب "نزھة البساتین" کیا ہے؟

اس کتاب میں پہلے زمانہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ کی حکایات ہیں جو نہایت پر اثر ہیں، اصل کتاب عربی میں ہے جس کا نام "روض الریاحین" ہے، اس کا ترجمہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صاحبؒ نے فرمایا، حضرت چونکہ ماشاء اللہ فصیح و بلیغ اور ادیب آدمی تھے اس لئے انہوں

نے اردو میں ترجمہ ایسا کیا ہے کہ پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب ہے، اس کے پڑھنے سے بڑا اثر ہوتا ہے اور دل کے اندر آخرت کی فکر بیدار ہوتی ہے، نیک لوگوں کی محبت بڑھتی ہے، جو سراسر فائدے کی چیز ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

اس میں ہارون رشید کے ایک بیٹے کا واقعہ لکھا ہے کہ جس زمانہ میں ہارون رشید مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ تھے اس زمانہ میں ان کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تقریباً سولہ سال تھی، اور وہ بچپن ہی سے نیک، عابد اور زاہد تھا کیونکہ نیک لوگوں کے ساتھ رہتا تھا، عابدوں اور زاہدوں کی صحبت میں اپنا وقت گذارتا تھا۔

نیک صحبت کا اثر

یہاں سے ہمیں یہ سبق مل گیا کہ نیک صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے، جہاں تک ہو سکے ہمیں نیک صحبت اختیار کرنی چاہئے، ہم خود بھی نیک صحبت میں رہیں اور اپنے بچوں کے لئے بھی نیک صحبت اختیار کریں جس کا طریقہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔

ہارون رشید کے بیٹے کا قبرستان جانا

ہارون رشید کا بیٹا نیک لوگوں، زاہدوں اور عابدوں کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے بڑا عابد اور زاہد تھا۔ اس کی دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکرمندی کا یہ حال تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً قبرستان جایا کرتا تھا اور گھنٹوں قبرستان

کے اندر رہتا تھا۔ وہ کبھی کبھی اہلِ قبور سے مخاطب ہو کر اس طرح ان سے عرض کرتا کہ اے کاش! مجھے معلوم ہو جاتا کہ تم اپنی قبروں کے اندر کس حال میں ہو؟ اور جب تم دنیا میں تھے تو کس طرح رہتے تھے؟ کیا کھاتے تھے؟ کیا پیتے تھے؟ کیا پہنتے تھے؟ آپس میں کیا باتیں کرتے تھے؟ اور اب تمہارا یہ حال ہے کہ اپنی اپنی قبروں کے اندر ہو اچھی حالت میں ہو یا بری حالت میں ہو؟ اس طرح سے یہ ان سے باتیں کرتا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر اپنی حالت پر روتا، دنیا سے بے رغبتی اختیار کرتا اور آخرت میں دلچسپی لیتا۔

ایک اہم ہدایت

اس سے ایک دوسری ہدایت مل گئی کہ قبرستان جانا چاہئے اور جہاں ہم فاتحہ پڑھیں اور ایصالِ ثواب کریں، وہاں اہلِ قبور کے حالات و انجام، ان کی ظاہری بے بسی اور بے کسی کی حالت سے سبق لیں اور سوچیں کہ جیسے ہم اس دنیا کے اندر کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں اور پہن رہے ہیں، یہ بھی سب لوگ ایسے ہی تھے، یہ سب بیوی بچوں والے تھے، دوست واحباب والے تھے، ان کے بھی عزیز واقارب تھے، آج دیکھو کیسے بے یار ومددگار اور تنِ تنہا اپنی قبروں میں مدفون ہیں، وہ عذاب میں ہیں یا ثواب میں ہیں کچھ معلوم نہیں، جو انجام ان کا ہے، وہ میرا بھی ہونے والا ہے، اس طرح مدفون ہونے والوں کی حالت سے عبرت لینا حُبِ دنیا کا علاج ہے۔

ہارون رشید کے بیٹے کی درویشی

ایک دن کی بات ہے کہ یہ اپنے والد ہارون رشید کے پاس اس

وقت آیا جب ہارون رشید اپنے دربار میں جلوہ افروز تھا، تمام امراء اور وزراء اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے، دربار لگا ہوا تھا، اس حالت میں یہ اپنے والد سے ملنے کے لئے دربار میں آیا، چونکہ شہزادہ تھا اس لئے آنے پر کوئی پابندی نہیں تھی، لیکن اس حالت میں آیا کہ ایک کمبل اس نے اوڑھ رکھا تھا اور ایک چادر تہبند کی جگہ باندھی ہوئی تھی، جیسا کہ اس زمانہ میں درویشوں کا لباس تھا، عام علماء وصلحاء بھی اس طرح کا سادہ لباس پہنتے تھے، خاص طور پر جو زاہد اور دنیا سے اعراض کرنے والے لوگ تھے ان کا لباس بہت سادہ ہوتا تھا۔ حالانکہ وہ شہزادہ تھا، زرق برق لباس بھی پہن سکتا تھا لیکن اس کے دل میں دنیا تھی ہی نہیں، وہ تو آخرت کا بندہ تھا، اس لئے وہ سادہ لباس پہن کر دربار میں آیا۔

تمام درباریوں نے جب شہزادے کو اس حالت میں دیکھا تو چہ مگوئیاں شروع ہوگئیں وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ دیکھو بادشاہ کا بیٹا کس حالت میں دربار کے اندر آیا ہے۔ایسی ہی اولاد نے بادشاہوں میں امیر المؤمنین کو بدنام کیا ہوا ہے، بادشاہِ سلامت اسے کچھ کہتے نہیں ہیں، اگر وہ اس کو تنبیہ کریں اور سمجھائیں کہ بھئی تم شہزادے ہو، شہزادوں کی طرح رہا کرو، ان کی طرح کا لباس پوشاک استعمال کیا کرو تو شاید یہ سمجھ جائے، بہر حال! درباریوں نے آپس میں اس طرح کی باتیں کیں۔

بیٹے کی کرامت

رفتہ رفتہ یہ سب باتیں ہارون رشید تک پہنچ گئیں، جب ہارون رشید کو یہ

باتیں پہنچیں تو اس کو یہ مشورہ پسند آیا کہ اس کو سمجھانا تو چاہئے، تنبیہ کرنی چاہئے، کیا بعید ہے کہ یہ سمجھ جائے اور اپنی اس موجودہ حالت کو چھوڑ کر شاہی لباس استعمال کرنے لگے، چنانچہ ہارون رشید نے اپنے اس بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

صاحبزادے! تمہارے اس طرزِ عمل نے مجھے رسوا کر دیا، جب بادشاہِ سلامت نے یہ بات کہی تو اس نے ہارون رشید کو ایک نظر اٹھا کر دیکھا، لیکن کچھ نہ کہا اور جواب نہیں دیا اور نظر نیچی کر لی، اور تھوڑی دیر نظر نیچی کر کے ایک کرامت دکھائی، اس محل کے گنبد پر ایک کبوتر بیٹھا ہوا تھا اس کو اشارہ کیا اور اس سے کہا تجھ کو تیرے پیدا کرنے والے کی قسم! میرے ہاتھ پر آ کر بیٹھ جا، جیسے ہی اس نے اشارہ کیا وہ کبوتر اوپر سے اڑ کر دربار میں نیچے آیا اور سیدھا اس کے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ہارون رشید نے بھی دیکھا اور سارے درباریوں نے بھی دیکھا، تھوڑی دیر وہ کبوتر اس کے پاس رہا جیسے اس کا پالتو کبوتر ہو، نہ بھاگا اور نہ ڈرا بلکہ بیٹھا رہا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا اب تو واپس وہیں چلا جا! چنانچہ وہ کبوتر اُڑ کر سیدھا وہیں جا کر بیٹھ گیا جہاں سے آیا تھا اور اُس نے کہا کہ دیکھو امیر المؤمنین کے ہاتھ پر نہ آنا، چنانچہ وہ نہ آیا۔

اس طرح اس نے ایک کرامت دیکھائی اور اپنے فعل سے گویا بتا دیا کہ تم مجھے دنیا کے پہننے، اوڑھنے اور کھانے پینے کی ترغیب دیتے ہو اصل چیز تو آخرت ہے، آخرت میں دل لگانا چاہئے، وہاں کی تیاری کرنی چاہئے، یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے کبوتر کو میرے تابع کر دیا۔

ساتھ رہنے سے معذرت

بیٹے نے پھر باپ سے کہا کہ مجھے بھی آپ کی حُبِ دنیا نے رسوا کر دیا ہے، اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گا، آپ چاہتے ہیں کہ میں دنیا میں اپنے آپ کو غرق کرلوں اور دنیا کو اوڑھنا بچھونا بنا لوں، یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، لہٰذا اب میرا آپ کے پاس رہنا مناسب نہیں۔

اس کے بعد وہ بغیر کسی توشہ کے اور بغیر کسی ساز و سامان کے ایسے ہی تنِ تنہا بغداد کو چھوڑ کر بصرہ کی طرف روانہ ہوگیا، چلتے چلتے ایک قرآن شریف اپنے ساتھ لے لیا، اور ایک انگوٹھی زبردستی اس کی والدہ نے اس کو دے دی تاکہ کبھی ضرورت پڑ جائے تو اسے بیچ کر کام چلا لے۔

صاحبزادے کا مزدوری کرنا

بصرہ میں ابو عامر بصری نامی ایک شخص رہتے تھے وہ فرماتے ہیں ایک دن میرے گھر میں ایک دیوار گر گئی تھی، مجھے اس کے بنوانے کی ضرورت پیش آئی، میں بازار گیا جہاں مزدور اور مستری بیٹھا کرتے تھے کہ کسی مستری کو لاؤں اور اس سے اپنی دیوار اور چنائی کا کام پورا کراؤں۔

ابو عامر بصریؒ کہتے ہیں جب میں وہاں پہنچا تو میں نے مزدوروں کی لائن میں ایک بہت ہی حسین و جمیل، خوبصورت، نیک اور صالح لڑکا بیٹھا ہوا دیکھا، اس کے سامنے زنبیل میں اوزار وغیرہ رکھے ہوئے تھے اور وہ بیٹھا قرآن شریف کی تلاوت کررہا تھا، میں سیدھا اس کے پاس گیا اور میں نے جا کر سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، میں نے پوچھا: صاحبزادے کچھ

کام کرو گے؟ کہا ہاں، کیوں نہیں۔ کام ہی کے لئے تو پیدا ہوئے ہیں، یہ بتایئے کہ آپ کس قسم کا کام کروائیں گے۔ میں نے کہا گارے مٹی کا کام کروانا ہے، اس نے کہا میں حاضر ہوں لیکن دیکھو میں صرف ایک درہم اور دانق اجرت لوں گا اور نماز کے وقت اپنی نماز پڑھوں گا، اگر منظور ہو تو میں حاضر ہوں۔ (درہم چاندی کا ایک سکہ ہے، دانق اس کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں)۔

معاملات کی صفائی

اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ اس لڑکے نے ابو عامر بصری کے ساتھ صاف معاملہ کیا؟ اور معاملہ کرتے وقت نماز کی بات بھی طے کر لی، اس لئے ملازمت کے وقت ہمیں چاہئے کہ اپنی نماز کی بات بھی طے کر لیا کریں، ایسا نہ ہو کہ نوکری کرنے کے بعد مالک کہے کہ صاحب آپ تو نماز پڑھنے جا رہے ہیں، اس سے میری دکان کا حرج ہوتا ہے، میرے کام میں خلل واقع ہوتا ہے۔

مسلمان کا کام یہ ہے کہ جب کسی سے معاملہ کرے اور اس میں نماز کا وقت آتا ہو تو اپنی نماز کا بھی معاملہ صاف صاف طے کر لینا چاہئے اسی طرح اجرت بھی۔ جیسا کہ اس نے بھی اجرت صاف صاف طے کر لی اور صاف کہہ دیا کہ میں اپنے وقت پر نماز پڑھوں گا، نماز کے وقت آپ کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہئے کہ آپ نماز پڑھنے کیوں گئے؟

تاجروں کے لئے نصیحت

ایسے ہی تجارت کے دوران ہر مسلمان مرد کو چاہئے کہ وہ دکانداری کے دوران نماز باجماعت کا اہتمام کرے، آج کل اس میں سخت کوتاہی پائی جاتی ہے، اور اصل حکم یہ ہے کہ مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کرے، لیکن اگر اتفاقاً کسی وجہ سے مسجد میں نہ جا سکے تو بھی جماعت نہ چھوڑے، بلکہ دکان ہی میں جماعت کا انتظام ہونا چاہئے تاکہ جماعت نہ چھوٹے۔

بقدرِ ضرورت سے کمانا

ابو عامر بصری کہتے ہیں کہ میں اس سے دو باتیں طے کر کے آیا اور آکر اسے کام بتا دیا کہ یہ دیوار گری ہوئی ہے، یہ مٹی ہے، اس کا گارہ بنا کر آپ چنائی کر دیں اور دیوار مکمل کر دیں۔ میں اسے کام پر لگا کر اپنے کام سے چلا گیا، جب شام کو میں واپس آیا تو حیران رہ گیا کہ اس لڑکے نے اکیلے دس آدمیوں کے برابر کام کیا ہے، تو میں نے بجائے ایک درہم اور ایک دانق دینے کے پورے دو درہم دینا چاہا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا میں ایک درہم اور ایک دانق سے زیادہ لے کر کیا کروں گا؟ اس کے بعد میں نے ایک درہم اور ایک دانق اس کو دیا اور وہ چلا گیا۔

دوسرے دن میں پھر اس کو لینے بازار گیا تو وہ نہ ملا، لوگوں سے پوچھا، کل مجھے یہاں ایک لڑکا ملا تھا، اس نے بہت اچھا کام کیا تھا، وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ تو ہفتہ میں ایک دن مزدوری کرتا ہے، اب آپ کو وہ

اگلے ہفتہ ملے گا اور جہاں کل ملا تھا وہیں ملے گا، اس کا یہی معمول تھا کہ ہفتہ بھر کی مزدوری ایک ہی دن کر لیا کرتا تھا۔

ایک درہم اور ایک دانق اس کے ہفتہ بھر کی اجرت تھی، جس میں وہ اپنے پورے ہفتہ کا گزارہ کرتا تھا، ایک دانق سمجھ لو ایک آنہ کے برابر ہے اور ایک درہم میں چھ دانق ہوتے ہیں، اس طرح سات آنے وہ ہفتہ بھر کے کما لیا کرتا تھا اور ایک آنہ سے وہ روزانہ اپنا گزارہ کرتا تھا۔

جب میں دوسرے ہفتہ اسے لینے گیا تو وہ اسی طرح ملا جیسے پہلے ملا تھا، میں نے اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا اور آج بھی وہی دو باتیں اس نے طے کیں، اس نے کہا کیا کام کراؤ گے، میں نے کہا گارے مٹی کا کام ہے، اس نے کہا ٹھیک ہے، چنانچہ میں نے اسے گھر لا کر کام پر لگا دیا۔

صاحبزادے کی کرامت

ابو عامر بصری کہتے ہیں کہ ایک ہفتہ سے میں سوچ رہا تھا کہ ایک آدمی نے دس آدمیوں کے برابر کام کیسے کر لیا؟ اس لئے میں نے اس دفعہ ایسا کیا کہ اسے کام پر لگا دیا اور خود ایک جگہ چھپ کے بیٹھ گیا تاکہ دیکھوں کہ یہ اتنا کام اکیلے کیسے کرتا ہے؟ تو جب میں چھپ کر بیٹھا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس نے گارہ بنایا اور گارہ لے جا کر دیوار پر پھیلا دیا اور جتنی اینٹیں تھیں وہ خود بخود جا کر دیوار میں لگ گئیں اور ایک دوسرے سے مل گئیں، پھر دوبارہ اس نے گارہ اٹھایا اور اسے دیوار پر پھیلا دیا، ادھر سے اینٹیں خود ہی جا کر لگ گئیں، تب مجھے پتہ چلا کہ ارے یہ تو کوئی اللہ تعالیٰ کا نیک اور برگزیدہ بندہ

ہے، اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، جس کی اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں، اس کا کام صرف گارہ ڈالنا ہے، باقی اینٹیں خود بخود ہی سیدھی ہو جاتی ہیں اور قاعدے سے لگ جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ اکیلا آدمی دس آدمیوں کے برابر کام کر لیتا ہے۔

جب میں شام کو اس کے پاس آیا تو میں نے اس کو تین درہم دینے کی کوشش کی، لیکن اس اللہ کے بندے نے ایک درہم اور ایک دانق ہی اپنی اجرت لی، اس سے زیادہ نہیں لی اور کہا میں اس سے زیادہ لے کر کیا کروں گا، اس کے بعد پھر وہ چلا گیا تو میں نے سوچا آئندہ ہفتہ جب وہ ملے گا تو اسے ہی بلا کر لاؤں گا۔

تیسرے ہفتہ جب میں اسے لینے گیا تو وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ موجود نہیں ہے، کسی سے میں نے معلوم کیا کہ کیا بات ہے؟ یہاں پر ہر ہفتہ اس شان کا ایک مزدور ملا کرتا تھا، وہ آج نظر نہیں آرہا؟ جواب ملا کہ وہ بیمار ہے اور فلاں جنگل کی ایک ویران عمارت کے اندر لیٹا ہوا ہے اور اس کے انتقال کا وقت قریب ہے۔

میں نے کسی کو پیسے دیئے کہ مجھے اس کا پتہ بتا دو، میں اس سے ملنا چاہتا ہوں، اس کی خدمت کرنا چاہتا ہوں، وہ تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نیک اور برگذیدہ بندہ ہے، تم خدا کے لئے مجھے وہاں پہنچا دو۔ الحمد للہ، میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

جب میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ نہ در ہے، نہ دروازہ، نہ کھڑکیاں ہیں نہ چوکھٹ، ایک ویران سی عمارت ہے، نہ کوئی بچھونا ہے، نہ کوئی بستر ہے،

اس کسمپرسی کی حالت میں وہ لیٹا ہوا ہے، سر کے نیچے بھی ایک اینٹ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند لمحوں کا مہمان ہے، میں قریب گیا۔

آخری وقت اور چند وصیتیں

میں نے جا کر اسے سلام کیا تو اس نے آنکھیں کھولیں، جب انہوں نے مجھے دیکھا تو پہچان لیا اور کہا کہ ابو عامر! اچھا ہوا تم آ گئے، یہ میرا آخری وقت ہے، میں بیٹھ گیا اور اس کا سر اپنی گود میں رکھنا چاہا تو اس نے منع کیا اور کہا کہ میرے سرہانے کے لئے تو اینٹ ہی بہتر ہے، اپنی گود میں میرا سر کیوں رکھ رہے ہو، میں نے کہا کہ تمہارے لئے میری گود ہی مناسب ہے۔

اس کے بعد اس نے مجھے چند وصیتیں کیں کہ دیکھو جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے میرے انہی کپڑوں کے اندر دفنا دینا جو میں نے پہنے ہوئے ہیں اور یہ کفن کے اعتبار سے پورے ہیں، میں نے کہا میں تمہیں نئے کپڑوں میں کیوں نہ کفناؤں، اس نے کہا کہ اے ابو عامر! ساری زندگی تو ان پرانے کپڑوں میں گزار دی، اب نئے کپڑے لے کر کیا کروں گا، اور اگر نئے کپڑے تم نے مجھے پہنا بھی دیئے تو وہ بھی آخر قبر میں جا کر بوسیدہ ہو جائیں گے لہذا انہی میں کفنا دینا۔

پھر اس نے کہا کہ دیکھو! یہ میری زنبیل اور میرا تہبند ہے یہ میری قبر کھودنے والے کو اجرت میں دے دینا، اور یہ انگوٹھی اور قرآن شریف لے کر بغداد جانا اور بغداد جا کر امیر المؤمنین ہارون رشید کے ہاتھ میں دینا اور کہنا کہ یہ تمہارے بیٹے کے پاس تمہاری امانت تھی جو اس نے آپ کو واپس کر دی،

اور میرے والد صاحب کو کہنا کہ دیکھو اس دنیا کی چمک دمک میں اور دنیا کی سلطنت سے تمہیں دھوکہ نہ لگ جائے اور اسی غفلت کی حالت میں تمہاری موت واقع نہ ہو جائے۔

وفات

ابو عامر بصری کہتے ہیں کہ جب اس نے یہ باتیں بتائیں تو مجھے پتہ چلا کہ یہ تو ہارون رشید کا بیٹا ہے، امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین کا جگر گوشہ ہے، خیر تھوڑی دیر میں اس کا انتقال ہو گیا۔

آخری نصیحت

انتقال سے پہلے اشعار کی صورت میں اس نے ایک یہ نصیحت بھی مجھے کی جو ہر مسلمان کے کام کی ہے اور وہ یہ تھی کہ:۔

يَا صَاحِبِیْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ فَلَعُمْرُ یَنْفَدُ وَالنَّعِیْمُ یَزُوْلُ
فَاِذَا حَمَلْتَ اِلَی الْقُبُوْرِ جِنَازَةً فَاعْلَمْ بِاَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

ترجمہ

اے میرے دوست تم دنیا کے عیش و آرام اور راحت سے دھوکہ مت کھاؤ، عمر ختم ہو رہی ہے اور نعمتیں ختم ہو جانے والی ہیں، جب تو قبرستان کوئی جنازہ لے کر جائے تو یقین کر کہ تیرا بھی جنازہ اس طرح قبرستان جائے گا۔

اور اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

تجہیز و تکفین

فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی وصیتوں کے مطابق اس کو غسل دیا، کفنایا، نماز پڑھی اور دفنا دیا، دفنانے کے بعد میں نے اس کی وصیت کے مطابق اس کی زنبیل اور تہبند قبر کھودنے والے کو دیدی اور اپنے کاموں سے فارغ ہوکر انگوٹھی اور قرآن شریف لے کر بغداد پہنچا۔

ابو عامر بصریؒ امیر المؤمنین کی خدمت میں

بیان کرتے ہیں کہ ابھی میں ارادہ ہی کر رہا تھا کہ کسی طرح شاہی محل میں جاؤں اور امیر المؤمنین سے ملوں، اتنے میں دیکھا کہ ایک بہت بڑا لشکر آ رہا ہے جس میں تقریباً ایک ہزار سوار ہوں گے، اس طرح تقریباً دس دستے میرے سامنے سے گزرے جن میں سے ہر دستہ میں ایک ہزار سوار تھے۔ آخری دستہ میں امیر المؤمنین کی سواری تھی جس میں ہارون رشید بیٹھے ہوئے تھے۔ جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے کہا کہ میں حضور کی قرابت کا آپ کو واسطہ دیتا ہوں آپ ٹھہر جایئے اور میری بات سن لیجئے، جب امیر المؤمنین نے میری آواز سنی تو انہوں نے اپنی سواری کو ٹھہرایا اور میں جلدی سے ان کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ یہ انگوٹھی اور قرآن شریف آپ کے صاحبزادے کی امانت ہے، اس نے آپ کی خدمت میں پہنچانے کے لئے کہا ہے اور جو اس کا پیغام تھا وہ بھی میں نے ان کو دیدیا۔

ہارون رشید کی حالت

ہارون رشید اپنے بیٹے کی وفات کی خبر سنتے ہی غمگین ہوئے اور انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ یہ امانت رکھو اور ابو عامر کو بھی ساتھ رکھو اور جب میں محل میں واپس پہنچ جاؤں تو انہیں مجھ سے ملوانا۔ اس کے بعد امیر المؤمنین واپس پہنچے اور پہنچ کر انہوں نے پردے ڈلوائے اور خلوت مہیا کی اور خادم سے کہا کہ ابو عامر کو میرے پاس بھیج دو۔

ابو عامر کہتے ہیں کہ جب میں تنہائی میں جانے لگا تو خادم نے کہا کہ اس وقت امیر المؤمنین بہت غمگین اور افسردہ ہیں اگر تم کو دس باتیں کرنی ہوں تو پانچ ہی کرنا تاکہ ان کا غم زیادہ نہ ہو، خیر میں جب اندر گیا تو دیکھا واقعی ہارون رشید اپنے بیٹے کے غم میں بہت رنجیدہ تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم میرے بیٹے کو جانتے تھے؟ میں نے کہا، ہاں۔ پوچھا وہ کیا کام کرتا تھا؟ میں نے کہا کہ وہ گارے مٹی کا کام کرتا تھا، کہا کیا تم نے بھی اس سے کوئی کام کروایا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، اس پر ہارون الرشید نے کہا کہ تم کو شرم نہیں آئی، تم نے میرے بیٹے سے گارے مٹی کا کام لیا۔ تم امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین کا کچھ تو احترام کرتے؟ میں نے کہا میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، مجھے اس وقت معلوم نہیں تھا کہ وہ آپ کا جگر گوشہ ہے، مجھے تو اس کی نصیحت اور وصیت سے پتہ چلا کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ بہر حال! ہارون رشید اپنے بیٹے کی جدائی میں بہت دیر تک روتا رہا اور اس کی باتیں کر کے مجھے بھی رلاتا رہا۔

ہارون رشید اپنے بیٹے کی قبر پر

جب کافی دیر ہوگئی تو انہوں نے کہا کہ اب میرا ارادہ ہے کہ بصرہ جا کر اس کی قبر پر حاضری دوں، چند روز کے بعد ہارون رشید اس کی قبر پر پہنچے اور قبر پر پہنچ کر بیٹے کی قبر دیکھتے ہی بے ہوش ہوگئے، ہوش میں آنے کے بعد دیر تک زار و قطار روتے رہے اور دردناک اشعار پڑھ کر خود بھی روتے رہے اور دوسروں کو بھی رلاتے رہے، اس کے بعد وہ چلے گئے اور میں رات کو اپنے گھر واپس آکر سو گیا، خواب میں ہارون رشید کے بیٹے کو دیکھا کہ نور کا ایک قُبّہ (نورانی گنبد) ہے، اس کے اوپر نور کا ایک ابر ہے وہ ابر پھٹا اور اس میں سے ہارون رشید کا یہ بیٹا نکلا اور بہت ہی ہنستا، مسکراتا ہوا سامنے آیا، اور کہا: تمہارا بہت بہت شکریہ اے ابو عامر! تم نے میری وصیت بہت اچھے انداز سے پوری کی، میں نے کہا صاحبزادے! تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ تو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہیں، ذرا بھی مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔

آخرت میں نجات

میرے پروردگار نے مجھ سے فرمایا کہ جو بھی دنیا کی نجاستوں اور خباثتوں سے اور دنیائے دَنی سے اس طرح نکل آئے گا جیسے تو نکل کر آیا ہے تو میں اس کو بھی اسی طرح اپنی نعمتوں سے نوازوں گا جس طرح تجھے سرفراز کیا ہے اور اس کو ایسے ہی نجات دوں گا جیسے تجھ کو نجات دی ہے۔

اس واقعہ سے نصیحت

دیکھئے! دنیا میں تو وہ شہزادہ ہونے کے باوجود سادہ زندگی گزار گیا

لیکن آخرت کا شہزادہ بن گیا اور آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو گیا، تو دنیا سے دل ہٹانے اور اللہ تعالیٰ سے لو لگانے اور آخرت کا دھیان لگانے سے یہ فائدہ ہوتا ہے، یہی اس واقعہ میں ہمارے لئے سبق ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سبق لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

دنیا سے عبرت
اور
فکرِ آخرت

- نصیحتوں سے اصل مقصد
- ایک اہم نصیحت
- فکرِ آخرت کا طریقہ
- انقلاباتِ عالم سے سبق لینے کا ثمرہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم تسليما كثيراً،

اما بعد!

گذشتہ منگل کو ایک نصیحت کا بیان باقی رہ گیا تھا، وہ نصیحت بعد میں یاد آئی اس لئے اب اس کو بیان کیا جاتا ہے۔

نصیحتوں کا مقصد

ان نصیحتوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان کو یاد رکھیں اور ان پر عمل کریں، کیونکہ یہ باتیں دین کی باتیں ہیں، چاہے پہلی شریعتوں میں بیان کی گئیں ہوں یا ہماری شریعت میں بیان کی گئیں ہوں، سب باتیں دین کی ہیں اور عمل کرنے کے لئے ہیں اور ان کو سننے سنانے کا مقصد بھی عمل کرنا ہی ہے، اگر ہم نے ان کو اپنے عمل میں لے لیا تو ہم لوگوں نے اچھا سنا اور صحیح سنا اور اگر عمل نہ کیا تو سوچئے کہ ایسے سننے سے کیا فائدہ؟

یہ نصیحت جو اللہ پاک نے آج ہم تک پہنچائی ہے یہ ہزاروں سال پرانی ہے اور عمل ہی کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی ہے کہ ہزاروں

سال پرانی یہ نصیحتیں اپنے کرم اور اپنے فضل سے ہم تک پہنچائی ہیں جن میں سے چھ بیان ہو چکی ہیں، ایک باقی ہے۔

ایک اہم نصیحت

وہ اہم نصیحت یہ ہے کہ ''جب تو دن رات دنیا کے اندر انقلابات کو دیکھتا ہے پھر کیسے مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے یعنی اس دنیا کے اندر بلکہ آدمی اگر غور کرے تو بآسانی محسوس کرے گا کہ اپنی ذات کے اندر بھی اور اپنی ذات کے باہر بھی ہر دم تغیر و تبدل ہو رہا ہے، ہر وقت اس میں تبدیلی واقع ہو رہی ہے، ہر جگہ انقلابات، حادثات ہیں، سانحات ہیں، واقعات ہیں، آج کچھ کل کچھ، ہر جگہ ہر علاقہ میں ہر وقت یہی ہو رہا ہے، آج دن ہے تو کل رات ہے، آج رات ہے تو کل دن ہے۔ یہ بھی دنیا کا ایک انقلاب ہے اور روزانہ ہمارے سامنے ہے اور پھر ہم اس سے سبق نہیں لیتے ،گرمی ہے ،سردی ہے، موسم خزاں ہے، موسم بہار ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

رنگ رلیوں پہ زمانہ کے نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار --- آئی ہے

دنیا کی خوبصورتی ،دنیا کی دل فریبی ،چمک دمک ،بناوٹ حسن و جمال بناؤ سنگھار یہ سب چند روزہ بہاریں ہیں۔اس کے اندر فنا چھپی ہوئی ہے، باہر سے تم کو یہ باغ بڑا لہلہاتا ہوا نظر آرہا ہے، موسم خزاں میں دیکھنا کہ اس میں الو بول رہے ہونگے۔

جو چمن سے گذرے تو اے صبا یہ کہنا بلبلِ زار سے
کہ خزاں کے دن بھی ہیں نہ لگانا دل کو بہار سے

یعنی بلبل جو ہرے بھرے باغ میں چہچہا رہی ہے، کود رہی ہے، کبھی اس درخت پہ جا کر جھوم رہی ہے اور پھل کھا رہی ہے اور کبھی اس درخت پر جا کر جھوم رہی ہے اور کود رہی ہے، ایسا دل اس کے اندر لگا ہوا ہے کہ جیسے یہ بہار سدا رہے گی یعنی اگر تو نے اس بہار سے دل لگا لیا تو کل اس میں خزاں آ جائے گی اس وقت کے ہرے بھرے درخت کے پتے جھڑ جائیں گے، پھول سوکھ جائیں گے، زمین کے اوپر سبزہ کا نام ونشان نہ ہوگا، ہریالی غائب ہو جائے گی، پیلا پن چھا جائے گا اس وقت تو یہاں کیسے رہے گی تو پھر روئے گی، ہائے یہ کیا ہوا تو اسی لئے ہم پہلے سے کہہ رہے ہیں کہ اس بہار سے دل مت لگانا۔

کائنات کی ہر چیز فانی ہے

یہ باغ تو ایک مثال ہے دنیا والوں کا یہی حال ہے، کسی نے بچوں پر دل لگا رکھا ہے، کسی نے بہن بھائی میں دل لگایا ہوا ہے اور کسی نے یار دوستوں میں دل لگا رکھا ہے کسی نے مال و دولت میں دل پھنسایا ہوا ہے، کسی نے ڈالروں میں دل اٹکایا ہوا ہے اور کسی نے مکان و دکان میں دل پھنسایا ہوا ہے، کسی نے گاڑی و سائیکل میں دل اٹکایا ہوا ہے، اسی طرح ان چیزوں میں دل کو پھنسایا ہوا ہے پھر جب یہ چیزیں ہاتھ سے نکل جائیں گی تو ہائے ہائے کرے گا، تو بھئی! تو نے ان میں دل کیوں اٹکایا تھا؟ یہ سب چیزیں تو جانے والی ہیں اور جا رہی ہیں روزانہ ہر چیز آ رہی ہے اور جا رہی ہے، ختم ہو رہی ہے، نہ ان میں دل اٹکاتا، نہ یہ دن رونے کا دیکھنا پڑتا، اس لئے شاعر یہ کہہ رہا ہے کہ ان میں دل مت پھنسانا، ان انقلاباتِ خزاں و بہار سے سبق

لے کہ تیرے اندر بھی رات دن یہی ہو رہا ہے پھر جب تو دنیا سے جائے گا تو پھر تیرا کیا حال ہوگا؟ ایک اور شعر یاد آیا جو بڑا پیارا ہے۔

یہ چمن ویراں بھی ہوگا یہ خبر بلبل کو دو
تا کہ اپنی زندگی سوچ کر قربان کرے

نصیحت کا خلاصہ

اس نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ نہ تمہاری جوانی رہنے والی ہے، نہ بچپنا رہنے والا ہے نہ بڑھاپا رہنے والا ہے، نہ عزت رہنے والی ہے، نہ دولت رہنے والی ہے، نہ بچے رہنے والے ہیں، نہ بیوی رہنے والی ہے، نہ ماں باپ رہنے والے، نہ بہن بھائی رہنے والے ہیں، نہ دوست واحباب رہنے والے ہیں اور نہ محلے والے رہنے والے ہیں، نہ پڑوسی رہنے والے ہیں، نہ تم رہنے والے ہو اور نہ ہم، یہ سب چیزیں آنے جانے والی ہیں اور ہر چیز آرہی ہے اور جارہی ہے، بچپن سے اب تک کتنی چیزیں کھا کر ختم کر دیں اور پہن کر پرانی کر دی ہیں اور کتنی جگہوں پر آپ گئے اور رہے اور چھوڑ کر آگئے ہر روز یہی ہو رہا ہے اور ایسے ہی ہوتے ہوتے ایک دن اس دنیا کو چھوڑ کر ہم بھی چلے جائیں گے تو اسی کو شاعر کہہ رہا ہے کہ یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے اور نصیحت میں بھی یہ بات کہی جارہی ہے کہ ''جب تو رات دن یہ انقلابات دیکھتا ہے، رات دن یہ واقعات و سانحات اپنے سامنے ہوتے دیکھتا ہے تو پھر کیوں بے فکر ہو کر بیٹھا ہے۔ تجھے بڑا متفکر رہنا چاہئے کہ نہ جانے ذرا سی دیر کے بعد کیا ہو جائے، جب ''نہ جانے کیا ہو جائے'' کا خطرہ ہے، تو جو کچھ فی الحال کر سکتا ہے کر لے، جو صحت حاصل ہے جو فرصت حاصل ہے، جو

تندرستی اور وقت حاصل ہے، زندگی کے جو لمحات تجھ کو حاصل ہیں ان کو آخرت کے لئے استعمال کر لے، تھوڑی دیر کے بعد پتہ نہیں کیا ہو جائے، آدمی کے مرتے دیر نہیں لگتی، کل کس نے دیکھی؟ لہٰذا کل پر مت ٹال، گناہوں سے توبہ کرنی ہے تو فوراً کر لے، بچنا ہے تو بچ لے، ابھی گناہ سے بچ جا، یہ مت سوچ کہ بھئی ابھی تو میں ذرا اور گناہ کر لوں پھر میں آخر میں توبہ کر لوں گا، تو آخر کس نے دیکھا، ایسی غلطی مت کر، نماز پڑھنی ہے تو وقت میں پڑھ کر فارغ ہو جا، اس انتظار میں مت رہ کہ میں کل پڑھ لونگا، پرسوں پڑھ لوں گا۔

ہر روز گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
کہ گردوں نے تیری عمر سے ایک گھڑی اور گھٹا دی

جب گھنٹہ بجتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ چار بج گئے، ارے! تیری زندگی کے چار گھنٹے گھٹ گئے، ہم خوش ہوتے ہیں کہ ہماری عمر پچاس سال ہو گئی یعنی پچاس سال کے ہو گئے، بڑے ابا بن گئے، نانا ابا بن گئے، بے وقوف! پچاس سال گھٹ گئے تیری عمر کے، اگر سات سال کا ہو گیا ہے تو سات سال عمر سے کم ہو گئے اور یہ سات سال پہ بچھ رہا ہے اور ذرا نا سمجھی کا عالم بھی دیکھو کہ جو پچاس سال کے ہو گئے تو بھئی عمر تو اتنی ہو گئی ارے دیکھو دانت کہاں گئے تیرے، بینائی کہاں گئی تیری، کالا رنگ بالوں کا کہاں چلا گیا، گالوں کی سرخی کہاں چلی گئی، ہاتھوں کا گوشت کہاں گیا، پیروں میں جو طاقت تھی بھاگنے کی، چڑھنے کی وہ کہاں گئی؟ اچھلنے کودنے کی طاقت کا کیا ہوا اور سوچ یہ رہا ہے کہ میں ساٹھ سال کا، نوے سال کا، اسی سال کا ہو گیا، یہ نہیں سوچ رہا کہ سب کچھ چلا گیا اور اکثر حصہ چلا گیا تھوڑا سا رہ گیا ہے اور جو رہ گیا ہے وہ بھی

برابر جارہا ہے، سو رہا ہے تو، جاگ رہا ہے تو، جارہا ہے تو وہ برابر نکل رہا ہے اور یہ بڑی عمر ہونے میں مست ہے، یہ سب ناسمجھی کی بات ہے۔

فکرِ آخرت کا طریقہ

جب کسی کا سرمایہ خدانخواستہ گھٹ رہا ہو اور تیزی سے کم ہوتا نظر آرہا ہو، گھر بھی بک رہا ہو، دکان بھی فروخت ہورہی ہو تو راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے اور اس فکر میں پڑتا ہے کہ کیا کروں؟ کیا نہ کروں، کیسے کروں؟ کچھ ایسی کیفیت ہماری آخرت کے لئے ہونی چاہئے کہ جب ساری چیزیں موت کے گھاٹ اتر رہی ہیں اور ہر چیز فنا ہورہی ہے، ہمیں چاہئے تھا فکرمندی کے ساتھ آخرت کی طرف متوجہ ہوتے کہ لاؤ بھئی! یہ نیکی بھی کرلوں، یہ بھی کرلوں، یہ کام نہ رہ جائے، کہیں وہ نہ رہ جائے، لہٰذا آج جو فرصت، فراغت اور زندگی کی عظیم نعمت اللہ پاک نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس کو غنیمت جانیں اور جو کرنا ہے آج ہی کرلیں، اسے کل پر مت چھوڑیں، چنانچہ حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سُقْمِكَ وغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغُلِكَ وَحَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ ۔

(مشکوٰۃ: ج٢ - ص٤٤١)

ترجمہ

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو

(١) جوانی کو جانو بڑھاپے سے پہلے

(۲) تندرستی کو بیماری سے پہلے
(۳) مالداری کو فقر سے پہلے
(۴) فراغت کو مشغولیت سے پہلے
(۵) زندگی کو موت سے پہلے

بہرحال دنیا کے سارے انقلابات ہمیں اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ تم چلنے کی راہ پر نکلے ہوئے ہو اور تم کسی بھی وقت آخرت کے اسٹیشن پر اترنے والے ہو، یہ اسٹیشن عنقریب آنے والا ہے، جو کچھ اپنا سامان آخرت کے لئے باندھنا ہے جلدی باندھ لو مگر اس کو ہم پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہر آدمی کے ذہن میں لمبے لمبے منصوبے بنے ہوئے ہیں کہ اب میں اتنے پیسے کما لوں گا اور پھر یوں کروں گا اور وہ کروں گا، یہ مکان خریدوں گا اور پھر اس کو اس طریقے سے بنواؤں گا، ایسی ایک گاڑی خریدوں گا اور پھر یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ موت ایک قدم پر ہے اور سوچ سو قدم پر ہے، ایک سال کے بعد اس کا انتقال ہونے والا ہے اور شب براءت میں اس کا مردوں میں نام لکھا جا چکا ہے اور وہ ابھی دس سال کا منصوبہ بنانے بیٹھا ہوا ہے اور اکثر لوگوں کا یہ حال ہے الا ماشاء اللہ اور یہ دنیا کے انقلابات سے غافل ہونے کی علامت ہے اور اس سے سبق نہ لینے کی علامت ہے۔

بہرحال! یہ ایک اہم نصیحت ہے ہمارے لئے کہ اس دنیا کے اندر ہم لمبے چوڑے منصوبوں سے پرہیز کریں، فی الحال اللہ پاک نے جو صحت دے رکھی ہے، عافیت دے رکھی ہے، مال دے رکھا ہے، قدرت دے رکھی ہے،

قوت دے رکھی ہے اور نیک صحبت دے رکھی ہے، نماز کی توفیق دے رکھی ہے، تلاوت کی سعادت بخشی ہوئی ہے، اپنا نام لینے کی توفیق دی ہوئی ہے اس کا دل و جان سے خوب ہی شکر ادا کریں اور شکر ادا کرنے میں ساری طاقت لگا دیں اور پھر شکر ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اور توفیق مانگے کہ یا اللہ! میری یہ زندگی تو بہت محدود ہے، ہوش اب آیا اور ایسے وقت آیا کہ اب میری زندگی کچھ باقی نہ رہی اور نہ معلوم کتنی باقی ہے، یا اللہ! آپ کے انعامات کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں بچپن سے لے کر اب تک دن رات آپ کی ہی رضا میں کوشاں رہتا اور آپ کی اطاعت کے لئے محنت اور کوشش کرتا رہتا اور آپ کی طلب میں اور آپ کی یاد میں اور آپ کی محبت میں، میں اپنے تمام لمحات فدا کر دیتا مگر افسوس! میں نہ کر سکا اب میری تھوڑی سی زندگی باقی ہے، یا اللہ! آپ تو اس پر بھی قادر ہیں کہ اس وقت سے لے کر اب تک جو کچھ کر سکتا اس کا اجر و ثواب آپ اس وقت بھی عطا کر سکتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو ایک منٹ میں بھی عطا کر سکتے ہیں، پروردگار! آپ اپنی رحمت و مہربانی پر نظر کرتے ہوئے اب میرے وقت کی اس کمی کو نہ دیکھئے، اپنی رحمت کو دیکھتے ہوئے میرے دامن کو بھر دیجئے۔ پروردگار! میں اب آپ کی طرف متوجہ ہوں، میری داڑھی سفید ہوگئی ہے، سر کے بال سفید ہو گئے ہیں اور میری طاقت جواب دے چکی ہے، ہموم و غموم کے پہاڑ میرے سر پر رکھے ہوئے ہیں، نہ مجھے اپنا ہوش ہے نہ گھر والوں کی فکر ہے، یا اللہ! میں اب ہوش میں آیا ہوں اب میں کیا کروں، کیا نہ کروں، بس آپ میری دستگیری فرمایئے اور

میری مدد فرمائیے اور میرے دل کو اپنی محبت سے بھر دیجئے اور میری زبان کو اپنی یاد سے تا دمِ آخر تازہ اور تر رکھئے اور میرے وجود کو اپنے دین کا تابع کر دیجئے''

اور دعا کے ساتھ ساتھ بھرپور کوشش بھی کریں، دعا کے بعد اصل چیز کوشش ہے، جو کوشش کرتا ہے کامیاب ہوتا ہے عربی کا منقولہ ہے ''مَنْ جدَّ وَجَدَ'' جو کوشش کرتا ہے وہ کوشش کا نتیجہ پاتا ہے، کوشش کرے اور اس کے ساتھ ساتھ دعا بھی کرے، یہ بھی کوشش ہی کا ایک حصہ ہے، دعا کرنے کے ساتھ ساتھ کسی اللہ والے سے رابطہ کر کے رہنمائی حاصل کرے، جو شخص یہ کر لے گا تو یوں سمجھو کہ اس نے دنیا کے عبرت کدہ میں عبرت حاصل کر لی اور زمانہ کے انقلابات سے اس نے صحیح سبق سیکھ لیا اور جو یہ سبق سیکھ لے گا تو اس کو انشاء اللہ یہ دولت نصیب ہوگی ۔

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو
ہو آزاد فوراً غمِ دوجہاں سے
تیرا ذرۂ غم اگر ہاتھ میں ہے

(از حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ)

انقلاباتِ عالم سے سبق لینے کا ثمرہ

اب بیشک دنیا کے اندر ہزاروں زلزلے آئیں، ہزاروں طوفان،

ہزاروں واقعات، حادثات و سانحات پیش آئیں آپ کا عمل اس طرح ہو کہ ''جدھر مولا ادھر شاہ دولہ'' تو انشاء اللہ اس کے نتیجہ میں آپ کے دل کا یہ حال ہوگا جیسا کہ مجذوب صاحب فرماتے ہیں:

یاد میں تیری سب کو بھلادوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پہ سب گھربار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم سے ترے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تادمِ آخر وردِ زباں اے میرے الہٰ!
لا الہ الا اللہ ـــــــــــــــــــ لا الہ الا اللہ

خلاصہ یہ کہ جو شخص ان انقلاباتِ عالم سے سبق لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس کو دونوں جہاں کی فلاح نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

حُبِّ دنیا

اور

اس کا علاج

- قرآن کریم
- بخاری شریف
- مثنوی شریف

حضرت اقدس مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی جامعہ دار العلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد!

میرے قابل احترام بزرگو! آج میں آپ کی خدمت میں حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کی ایک حکایت کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جو انہوں نے مثنوی شریف میں بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کومخلوق کی اصلاح کے لئے ان کے زمانہ میں چن لیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مثنوی شریف الہام فرمائی اور ان کے دل پر اس کو القاء فرمایا۔

مثنوی الہامی کتاب ہے

مثنوی شریف ایک الہامی کتاب ہے جو بڑی نافع اور مفید ہے، یہ فارسی زبان میں ہے، اس لئے فارسی جاننے والے اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن الحمدللہ ہمارے اکابر نے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے اردو میں اس کی شرح بھی فرمائی ہے۔

مثنوی کی ۲۲ ؍جلدوں میں شرح

چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف کی ایک شرح

تحریر فرمائی ہے جو تقریباً ۲۲ ؍ چھوٹی جلدوں میں ہے، یہ مثنوی شریف کی بہترین شرح ہے اور ہمارے زمانے میں حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم مثنوی شریف کے بڑے ماہر ہیں، مثنوی کے بے شمار اشعار حضرت کو زبانی یاد ہیں جن کی تشریح کرنے میں وہ اپنی مثال آپ ہیں، حضرت نے مثنوی شریف کا خلاصہ بھی تحریر کیا ہے، جس کا نام ''معارفِ مثنوی'' ہے، یہ بڑی پیاری کتاب ہے اس میں حضرت حکیم صاحب نے مثنوی میں جو حکایات، واقعات اور مثالیں ہیں ان کا خلاصہ نقل کر کے ان کی مناسب اور عمدہ انداز میں تشریح فرمائی ہے، ہمارے زمانہ میں اگر کوئی مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو اس کے لئے آسان کتاب ''معارفِ مثنوی'' ہے۔

تین کتابیں بڑی پیاری ہیں

بہر حال مثنوی سے فائدہ اٹھانا چاہئے اس لئے کہ یہ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں کے یہاں اصلاح و تربیت اور اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت پیدا کرنے والی خاص کتاب ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرماتے تھے کہ تین کتابیں بڑی عمدہ اور بڑی پیاری اور پسندیدہ ہیں۔

(۱) قرآن پاک

(۲) بخاری شریف

(۳) مثنوی شریف

ہمارے اکابر میں درسِ مثنوی کا معمول

ہمارے اکابر میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس کا درس

دیا کرتے تھے، پھر حضرت تھانویؒ نے اس کی باقاعدہ شرح لکھی، آپ کے خلفاء میں حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ بڑے عشق و محبت کے ساتھ اس کا درس دیا کرتے تھے۔ انہی سے حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم بطورِ خاص فیضیاب ہوئے اور انہوں نے مثنوی شریف کی مختصر شرح اور خلاصہ ''معارف مثنوی'' کے نام سے لکھی ہے جو عام ملتی ہے، یہ کتاب ہم سب کو پڑھنی چاہئے تاکہ اصل مثنوی شریف (جس سے ہمارے اکابر فیض یاب ہوتے رہے ہیں) سے اگر ہم اس درجہ میں فائدہ نہ اٹھا سکیں تو کم از کم نمونے کے طور پر ہم اس سے تعارف حاصل کرلیں اور اس میں مولانا رومیؒ نے جو اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کی باتیں دلنشین انداز میں بیان فرمائی ہیں اس سے کچھ ہم بھی نفع حاصل کرلیں تاکہ دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو۔

مثنوی میں ذکر کردہ حکایات وتمثیلات کا اصل مقصد

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا مثنوی شریف میں طریقہ یہ ہے کہ وہ اکثر حکایات بیان فرماتے ہیں، واقعات، قصے اور مثالیں بیان فرماتے ہیں اور اس کے ذیل میں نصیحتیں فرماتے ہیں، معرفت الٰہی اور محبت الٰہی پیدا کرنے کا یہ ایک طریقہ ہے اس طریقے سے مقصودِ اصلی وہ نصیحتیں ہیں جو حضرت کسی واقعے کے بعد وہ ارشاد فرماتے ہیں یا کبھی درمیان میں ہی ذکر کر دیتے ہیں، واقعہ اصل مقصود نہیں ہوتا۔ قصہ اور واقعہ تو دراصل ان نصیحتوں کو سمجھانے کے لئے ہے اس لئے مثنوی شریف میں ذکر کردہ تمام واقعات کا حقیقت میں ہونا کوئی ضروری نہیں بعض واقعات سچ بھی ہو سکتے ہیں اور ہیں بھی اور بعض واقعات اس میں فرضی بھی ہو سکتے ہیں جو ''اصل

نصیحت'' کو سمجھانے کے طور پر بیان کئے گئے ہیں، اس لئے اس تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ یہ واقعات اصلی ہیں یا نہیں؟ ہمیں اپنی نظر اور نگاہ ان نصیحتوں پر مرکوز کرنی چاہئے اور پوری توجہ اس سبق اور درس پر دینی چاہئے جو نصیحت کی صورت میں حضرت مولانا اس واقعہ سے دینا چاہتے ہیں۔

حکایات کا مقصد

دنیا کس طرح انسان کو دھوکہ دیتی ہے اور کس طرح اس کو آخرت سے غافل کر کے اپنا گرویدہ اور اپنے اوپر قربان کر لیتی ہے اس کی حقیقت واضح کرنے اور سمجھانے کے لئے مثنوی شریف میں حضرت مولانا رومیؒ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جو بھی انشاء اللہ آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں۔

رشتہ کی فکر

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا اور اس کا ایک اکلوتا بیٹا تھا، جب وہ بڑا ہوا اور شادی کے قابل ہو گیا تو بادشاہ اور اس کی بیوی کے درمیان مشورہ ہوا کہ اب شہزادہ بڑا ہو گیا ہے اور شادی کے قابل ہو گیا ہے لہٰذا اب اس کی شادی کرنی چاہئے اور اس کے لئے کہیں رشتہ دیکھنا چاہئے اور مشورہ میں یہ بات بھی طے ہوئی کہ رشتہ کہاں دیکھنا چاہئے؟ بیوی کا خیال تھا کہ یہ شہزادہ ہے، بادشاہ کا بیٹا ہے لہٰذا کسی شہزادی سے اس کا رشتہ ہونا چاہئے، کسی اعلیٰ اور مالدار خاندان میں اس کی شادی ہونی چاہئے جو ہمارے جوڑ کا ہو، بادشاہ کی رائے اس کے برعکس تھی، بادشاہ کا خیال یہ تھا کہ شہزادہ کا رشتہ کسی نیک اور دیندار گھرانے میں ہونا چاہئے، کسی نیک اور صالح لڑکی کا رشتہ اس کے لئے تلاش کرنا چاہئے، خواہ وہ مالدار ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ غریب

ہی کیوں نہ ہو ہمیں صرف دینداری دیکھنی چاہئے نہ یہ کہ دنیا داری اور مالداری دیکھ کر رشتہ کریں۔ مگر بادشاہ سلامت کی بیوی اس رائے سے متفق نہیں تھی، کافی عرصہ دونوں میں مشورہ چلتا رہا، بات چیت ہوتی رہی، بالآخر بادشاہ بیوی سے اپنی بات منوانے میں کامیاب ہوگیا، بیوی نے کہا کہ ٹھیک ہے پھر آپ کسی دیندار گھرانے میں اس کا رشتہ دیکھ لیں اور اس کا نکاح کردیں۔

رشتہ کرنے میں دینداری کو پیشِ نظر رکھیں

ہمارے دین اور شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ شادی بیاہ اور رشتہ کرنے میں جب کسی لڑکے یا لڑکی کا انتخاب کریں تو اس میں دینداری کو ترجیح دیں، حضور ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

تُنكَحُ المرأةُ لاربعٍ لمالِها ولنسبها ولِجمالها ولِدِينِها فاظفَرْ بِذاتِ الدِّينِ تَرِبتْ يَداكَ۔ (مشکوٰۃ: ص ٦٦)

ترجمہ

عورت سے نکاح (عموماً) چار وجہوں سے ہوتا ہے۔

(۱) اس کے مال کی وجہ سے۔

(۲) اس کے حسب ونسب کی وجہ سے۔

(۳) اس کے حسن وجمال کی وجہ سے۔

(۴) اس کے دین کی وجہ سے۔

(اے ابو ہریرہ!) تو دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیاب ہو جا، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

اس لئے دینداری کو ترجیح دینی چاہئے، دینداری کے ساتھ اگر مالداری بھی آجائے، خوبصورتی اور حسب ونسب بھی جمع ہو جائے تو "سبحان اللہ" یہ بہت ہی اچھی بات ہے، لیکن اگر دینداری کو بالکل نظر انداز کر دیا اور صرف اور صرف مالداری، حسن و جمال، خاندانی شرافت، بزرگی اور برتری کی بنیاد پر رشتہ کیا تو یہ اچھا نہیں اور ایسے رشتوں میں دینی اور دنیاوی بڑے بڑے نقصانات ہوتے ہیں اور جو رشتہ دین کی بنیاد پر ہوتا ہے تو ایسا رشتہ بڑا ہی مبارک، قابلِ قدر، قابلِ رشک اور دین اور دنیا کی فلاح کا باعث ہوتا ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ہر حال میں دینداری کو ترجیح دینے کی ترغیب دی ہے۔

بہر حال! بادشاہِ سلامت اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گیا اور اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو دنیاداری دیکھ رہی ہے، مالداری دیکھ رہی ہے، شہزادے کے واسطے شہزادی دیکھ رہی ہے، یاد رکھ! یہ دنیا دیکھنے کی چیز نہیں ہے، اختیار کرنے کی چیز نہیں ہے، قابلِ ترجیح نہیں ہے، قابلِ ترجیح تو آخرت ہے اور دینداری اصل چیز ہے، اس لئے کہ جس کے اندر دین ہوگا، آخرت کی فکر ہوگی وہ بہت زیادہ عافیت، سلامتی اور راحت میں ہوگا اور جس کے پاس دین نہ ہوگا، صرف دنیا ہی دنیا ہوگی اور دنیا طلبی اس کے اندر پائی جائے گی، دنیا کی شہرت اور وجاہت کا وہ طالب ہوگا تو یاد رکھو! وہاں نہ سکون ہوگا نہ چین ہوگا نہ آرام ہوگا نہ راحت ہوگی، اور شادی بیاہ تو آرام و راحت کے لئے ہوتی ہیں۔

آخرت کا غم باعثِ نجات

اس موقع پر حضرت حکیم صاحب دامت برکاتہم نے دو شعر لکھے ہیں

جو بڑے اچھے ہیں۔

ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے
تیرا ذرۂ غم اگر ہاتھ آئے

یعنی یا اللہ! اگر آپ کا غم اور آپ کی رضا کی فکر اور آخرت سنوارنے اور سدھارنے کی فکر پیدا ہو جائے تو ہزاروں غموں سے نجات مل جائے،

ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے
تیرا ذرۂ غم اگر ہاتھ آئے

اللہ تعالیٰ کا غم نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی یاد نصیب ہو جائے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر انسان کو لاحق ہو جائے تو دنیا کا غم بھی ختم ہو جائے اور آخرت کا غم بھی ختم ہو جائے، اور دوسرا شعر یہ ہے۔

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک تیرا غم ہے تیرے ناساز کو

کہ دنیا والوں کو تو ہزاروں غم ہیں۔ پیسے کا غم، عزت کا غم، زمین اور مکان کا غم اس کے علاوہ اور سینکڑوں غم ہیں جبکہ اللہ والوں کو ایک ہی غم ہے کہ اللہ پاک راضی ہو جائیں اور وہ خوش ہو جائیں۔

غمِ آخرت عصاءِ موسیٰ کی طرح ہے

ہمارے حضرتؒ بھی اس بات کو ایک بڑی پیاری مثال سے سمجھایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا غم اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کا قصہ یہ ہے کہ جب فرعون نے اپنے زمانے کے جادوگروں سے مقابلہ کروایا تو ایک

مقررہ دن کے اندر پورے ملک سے بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو جمع کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان سے مقابلہ کروایا، انہوں نے میدان کے اندر جادو کے زور سے لاکھوں سانپ بنا دیئے، اپنے ساتھ وہ بہت سی رسیاں، لکڑیاں اور لاٹھیاں لائے تھے وہ سب انہوں نے میدان میں ڈال دیں اور لوگوں کی نظروں پر جادو کر دیا، نظر بندی کی وجہ سے وہ تمام رسیاں، لکڑیاں اور لاٹھیاں لوگوں کو سانپ معلوم ہونے لگے جس سے سب کے سب ڈر گئے، انہیں خوف آنے لگا کہ اتنے سارے سانپ کہاں سے جمع ہو گئے؟ حالانکہ حقیقت میں ان میں سانپ ایک بھی نہیں تھا، یہ سب نظر کا پھیر تھا اور جادو کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس سے نظر بندی ہو جاتی ہے جیسا کہ ان جادوگروں نے دیکھنے والوں کی نظروں پر ایسا تصور جما دیا تھا کہ وہ لکڑیاں اور رسیاں انہیں سانپ نظر آنے لگے جبکہ حقیقت میں وہ رسیاں رسیاں ہی تھیں اور لاٹھیاں لاٹھیاں ہی تھیں، لیکن اس سے ایسا خوف پھیلا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے جی میں تھوڑا سا خوف محسوس ہوا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی

ترجمہ

پھر پانے لگا اپنے جی میں ڈر موسیٰ، ہم نے کہا تو مت ڈر مقرر تو ہی رہے گا غالب۔ (ترجمہ از شیخ الہند)

غور کرو اور دیکھو! اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا کتنا بڑا فائدہ ہے، پھر اس پر بھی غور کرو کہ موسیٰ علیہ السلام اکیلے تن تنہا کھڑے ہیں ان کے سامنے فرعون اور اس کے درباری، اس کے ماننے والے اور جادوگر ہیں جو

ایک نہیں ، ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور جادو کے زور سے ہزاروں سانپ بنا رہے ہیں ، ادھر موسیٰ علیہ السلام اپنی تنہا جان لئے ہوئے کھڑے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے ساتھ ہے ، جب انہوں نے اپنا جادو دکھادیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنا معجزہ ظاہر کرنے کی باری آئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی لاٹھی میدان میں ڈالی تو وہ سچ مچ ایک بہت بڑا اژدھا بن گیا اور اس نے بڑا سا منہ کھولا اور انتہائی تیز رفتاری سے جتنے ان کے سانپ بچھو میدان میں بھاگ دوڑ رہے تھے سب کو کھانا شروع کردیا اور آن کی آن میں سب کو کھا کر ختم کردیا اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس سانپ کو اٹھایا تو وہ دوبارہ لاٹھی بن گیا اور ساری رسیاں ، لاٹھیاں اور لکڑیاں غائب ہوگئیں ، جادوگر سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہے یہ معجزہ ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جادو تو آنکھوں پر خیال جمانے کا نام ہے ، حقیقت میں کوئی لاٹھی ، لکڑی یا رسی سانپ نہیں بنتی اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی ایسا سانپ بنی کہ ہماری ساری لکڑیوں اور رسیوں کو بھی ختم کردیا ، یہ صرف معجزہ ہی ہوسکتا ہے اس لئے انہوں نے فوراً اقرار کرلیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے سچے اور برحق نبی ہیں اور بے اختیار سجدے میں گر گئے اور بیک زبان کہا:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ

ترجمہ

ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر ہارون علیہ السلام
اور موسیٰ علیہ السلام کے رب پر۔ (الشعراء : ٤٨)

چونکہ وہ معجزہ دیکھ چکے تھے اس لئے فوراً اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

مثال سے اہم سبق

ہمارے حضرت فرماتے تھے جیسے اس مثال کے اندر ایک طرف جادوگروں کے ہزاروں سانپ بچھو ہیں اور دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک عصا ہے جب وہ سانپ بنتا ہے تو سب کو ختم کر دیتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا خوف اور اللہ تعالیٰ کی محبت، اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی فکر یہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی طرح ہے، جب یہ کسی کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو دنیا کے اور آخرت کے غم ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا یہ حال ہوتا ہے:

ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے
تیرا ذرۂ غم اگر ہاتھ آئے

اولاد ہونے کی فکر

بہرحال! بادشاہ سلامت اپنی بیوی کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ رشتہ ناطہ کرنے میں دینداری دیکھنے کی چیز ہے، دنیاداری اور مالداری زیادہ دیکھنے کی چیز نہیں ہے، اس کے بعد شہزادے کی شادی کسی دیندار گھرانے میں ہوگئی۔

اور شادی سے پہلے ماں باپ کے لئے یہ غم ہوتا ہے کہ کسی طرح شادی ہو جائے اور ان کے بچوں کے نکاح اپنے اپنے وقت پر صحیح جگہ ہو جائیں لیکن جب شادی ہو جاتی ہے تو پھر دوسرا غم یہ ہوتا ہے کہ بچہ کب

ہوگا؟ شادی ہوتے ہی جو پہلا غم لاحق ہوتا ہے خاص طور پر سسرال والوں کو وہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیوں نہیں ہوا؟ کب ہوگا؟ یہ ایک مستقل غم ہے۔

ارے بھائی! اللہ کا شکر ادا کرو تمہارے بچے اور بچی کا رشتہ ہوگیا، شادی ہوگئی اب شادی کی خوشی تو کم سے کم کرو، لیکن مہینے دو مہینے بھی نہیں گزر پاتے لوگ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ بچہ کب ہوگا؟ کچھ ہوا یا نہیں؟

اولاد نہ ہونے کی وجہ اور اللہ کی طرف رجوع

بہرحال! اس واقعہ میں بھی یہی ہوا کہ جب سال چھ مہینے گزر گئے تو اب سوالات کا سلسلہ شروع ہوا کہ بھئی! کیا بات ہے؟ کوئی شہزادہ شہزادی نہیں ہوئی۔ تو یہاں دیکھئے! ابھی تو شادی ہوئی ہے اور ابھی یہ فکر لاحق ہوگئی کہ اس کی اولاد کیوں نہیں ہوئی کیا بات ہے؟ تو جناب! اس بارے میں تحقیقات شروع ہوگئیں کہ قصہ کیا ہے؟ بات کیا ہے؟ سال گزر گیا بچہ نہیں ہوا، کب ہوگا، کیسے ہوگا؟ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ اس شہزادہ پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور جادو کرنے کی وجہ سے یہ آج تک اپنی بیوی کے پاس نہیں جا سکا اور اور جادو بھی کسی خرانٹ بڑھیا نے کیا ہے جو انتہائی بدشکل اور بدصورت ہے، جادو کے زور سے اس نے اس کو اپنا غلام بنا رکھا ہے، اب یہ اپنی بیوی کو تو دیکھتا نہیں اور اس کے پاس جاتا نہیں، جاتا ہے تو اس بڑھیا کے پاس جاتا ہے اور اس پر قربان اور فدا ہے، جب یہ پتہ چلا تو بادشاہ کے پاؤں تلے زمین نکل گئی وہ بڑا افسردہ اور غمگین ہوا اور بڑا پریشان ہوا، بیوی نے بھی کہا کہ میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ تم کہیں اس کے جوڑ کا رشتہ دیکھو، بے جوڑ رشتہ

دیکھنے کا یہی انجام ہوتا ہے تو اس کو بیوی کی بات تیر کی طرح لگی، حالانکہ بادشاہ نے اپنے طور پر جو کچھ بھی فیصلہ کیا تھا وہ صحیح فیصلہ تھا لہٰذا اب ہر طرف سے اس کو طعنے سننے پڑے اور وہ خود بھی بڑا پریشان ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہو گیا بالآخر اس نے اپنے دوست واحباب، مصاحبین اور مشیروں سے اس بارے میں مشورہ کیا اور مشورہ کے علاوہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوا۔

یہ اس واقعہ کے اندر اصل نصیحت ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے کہ دنیا میں پریشانی تو امیر کو بھی آتی اور غریب کو بھی، بادشاہ کو بھی آتی ہے اور وزیر کو بھی، فقیر کو بھی آتی ہے اور دولتمند کو بھی، کوئی انسان اس دنیا میں پریشانی سے خالی نہیں ملے گا بڑے سے بڑا مالدار بھی آج ایسا پریشان ہے کہ آپ اس کی پریشانی سن کر اپنی پریشانی بھول جائیں گے اور غریب آدمی بھی آج تکالیف اور پریشانیوں میں گھرا ہوا ہے، دنیا ان سب کے مجموعے کا نام ہے، لہٰذا دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے اعتبار سے کسی کو راحت نہیں ہو سکتی، وہ تو اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو ہی اس دنیا میں پاکیزہ اور پر عافیت زندگی عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی نصیب فرمائیں (آمین) تو اس کا بہترین علاج یہی ہے کہ جب کوئی پریشانی پیش آئے تو فوراً آدمی اللہ کی طرف رجوع ہو، تکلیف چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی آدمی اس بات کی عادت ڈال لے کہ پہلے وہ اپنے آقا کی طرف رجوع کرے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے، عافیت اور صحت مانگے، روزی مانگے، سلامتی مانگے اور پھر مانگتا ہی رہے، اول بھی مانگے آخر بھی مانگے، درمیان میں بھی مانگے، وہ فوراً قبول ہو یا نہ ہو، کچھ ملے یا نہ ملے بس مانگتا ہی رہے۔ فارسی کے دو شعر یاد آئے، بڑے پیارے ہیں۔ فرماتے ہیں:

مفلسا نیم آمدہ درکوئے تو
شیأً للّٰہ از جمالِ روئے تو

ہم مفلس اور فقیر آپ کے دربار میں حاضر ہوئے ہیں، اپنے چہرے کے جمال کا کچھ صدقہ ہمیں بھی دیدیجئے۔

دست بکشا جانبِ زنبیل ما
آفریں بردست و برباز وئے تو

ہم فقیروں کی، مسکینوں کی زنبیل کی طرف اپنا دستِ کرم بڑھا دیجئے۔

آپ کے ہاتھ اور بازو پر صد آفرین ہو اور مبارک ہو کہ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ہماری جھولی میں کچھ ڈال دیا۔

ہر مشکل کا حل

ہر مشکل کا حل یہی ہے کہ بندہ اللہ کی طرف رجوع کرے، ہر حاجت کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع ہو اور ہر بیماری کا علاج یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع ہو، یہ ایسا گر ہے جو کبھی خطا نہیں جاتا جس کو یہ گر مل گیا گویا اس کو دنیا اور آخرت کی کامیابی مل گئی۔

بادشاہ سلامت کو دیکھئے کہ رات کو وہ آخرِ شب میں اٹھا اور دو رکعت نفل پڑھی اور پھر اس نے اپنا سر سجدہ میں رکھ دیا اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر زار و قطار رونے لگا کہ یا اللہ! میں اس وقت دنیا میں اکیلا ہوں، کوئی میرا حمایتی نہیں ہے، کوئی میرا ساتھ دینے والا نہیں ہے، سب مجھے برا بھلا کہہ رہے ہیں اور میں خود بھی اپنے بچے کی وجہ سے افسردہ اور غمگین ہوں، یا اللہ! یہ کیا

ماجرا ہے، کیا معاملہ ہے؟ اس مشکل کا حل سوائے آپ کے کسی کے پاس نہیں ہے اور میرا آپ کے سوا کوئی در نہیں جہاں میں جا کر کسی اور کو پکار لوں، لہٰذا آپ اس سلسلہ میں میری مدد فرمایئے اور دیر تک بادشاہ روتا رہا، دعا کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی دعا قبول ہوئی اور جونہی وہ دعا کر کے فارغ ہوا غیب سے ایک مرد ظاہر ہوا اور بادشاہ سے کہا کہ آپ ابھی میرے ساتھ چلئے، میں آپ کے بچے کا مسئلہ حل کرتا ہوں اور پھر بادشاہ کو ایک پرانے قبرستان میں لے گیا اور ایک پرانی قبر کھودی اور اس میں سے ایک بال نکالا جس میں جادو کے زور سے سو گرہیں لگی ہوئی تھیں، اس مرد غیب نے اس بال کو ہاتھ میں لیا اور مُعوذتَین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھ پڑھ کر دم کرتا گیا اور بال کی ایک ایک گرہ کھولتا گیا، جب اس نے آخری گرہ کھولی تو شہزادہ اس خرانٹ بڑھیا کے جادو کی قید سے آزاد ہو گیا اور بالکل صحیح سلامت، تندرست اور توانا ہو گیا جیسے کہ شادی سے پہلے تھا اور بادشاہ کا یہ مسئلہ منجانب اللہ بڑی آسانی سے حل ہو گیا اور شہزادہ جیسے ہی ہوش میں آیا اور اس نے اپنے حالات کا جائزہ لیا تو وہ اپنے کیے پر انتہائی نادم اور شرمندہ ہوا کہ میرے ماں باپ نے میرے لئے اچھی اور دیندار لڑکی تلاش کی اور اچھی جگہ میرا رشتہ اور نکاح کیا جبکہ میں نے آج تک ادھر کا رخ ہی نہ کیا، رخ بھی کیا تو کس طرف؟ اور اس کو بڑھیا کی شکل سے نفرت اور قئی آنے لگی اور اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوا اور جب اس نے اپنی بیوی کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا، اس کو بڑا افسوس ہوا کہ میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی اور اب تک اس کا کوئی حق ادا نہ کیا۔

دنیا و آخرت کی مثال

یہ واقعہ مولانا رومیؒ نے مثنوی میں بیان فرمایا ہے، اب وہ اس سے نصیحت فرماتے ہیں۔

فرماتے ہیں: اے لوگو! تم سب مسلمان مردوں اور عورتوں کی مثال شہزادے کی ہے اور دنیا کی مثال بڑھیا کی ہے اور آخرت کی مثال شہزادی کی ہے، آخرت مثل شہزادی کے ہے، دنیا مثل خرانٹ بڑھیا کے ہے اور تم سب مثل شہزادہ کے ہو کہ تم سب کو اللہ پاک نے آخرت کے لئے بنایا ہے، ایمان اس کی علامت اور دلیل ہے، تم سب کو اللہ پاک نے آخرت اور جنت میں داخل کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے، ایمان دے کر اللہ پاک نے تم کو اپنا بنالیا ہے اور تمہارے اپنا ہونے کا اعلان کر دیا ہے اور جنت کا تمہیں مستحق بنایا ہے، لیکن اس دنیا نے تم پر جادو کر دیا جس کی وجہ سے تمہیں آخرت نظر نہیں آتی اور آخرت کی طرف تم متوجہ نہیں ہوتے اور دنیا کی اس خرانٹ بڑھیا پر تم فدا اور قربان ہو رہے ہو یعنی دنیا کے تم پر جادو کر دینے کی وجہ سے تم دنیا کے عاشق اور دنیا پر فدا اور قربان ہو، دنیا ہی تمہارا اوڑھنا بچھونا بن گئی ہے، حالانکہ یہ ساری دنیا اور دنیا کا سارا روپیہ پیسہ، مال و دولت عہدے اور مناصب اور دنیا کی چھوٹی بڑی ساری چیزیں مل کر بھی مچھر کے پَر کے برابر نہیں ہیں، ان کی حقیقت ایسی ہی ہے جیسے وہ خرانٹ بڑھیا جو کسی قابل نہیں، ہر لحاظ سے قابل نفرت اور قابل ترک ہے، اس سے دور رہنے میں سراسر عافیت ہے مگر اس کے باوجود تم اس فانی دنیا پر فدا اور قربان ہو رہے ہو، اس پر فریفتہ ہو رہے ہو اور آخرت سے غافل اور آخرت سے بیگانہ ہو، یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ یہ

اس لئے ہے کہ اس دنیا نے تم پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے تم آخرت سے غافل ہو گئے ہو اور دنیا تمہاری زندگی کا مقصد بن گئی ہے، دن رات تمہیں اگر کوئی سوچ ہے، فکر ہے، دن رات تمہیں اگر کوئی غم ہے تو اسی دنیا کا ہے اور نہیں ہے کوئی غم تو وہ آخرت کا ہے، اصلاح کی فکر نہیں، تربیت کی فکر نہیں، تزکیے کی فکر نہیں ہے، گناہوں کے چھوڑنے کی فکر نہیں ہے، اللہ کو راضی کرنے کی فکر نہیں ہے، اگر کسی کو کچھ فکر ہے تو وہ بھی رسمی ہے۔ الا ماشاء اللہ

مقصود و مطلوب یہ ہے کہ دل سے تم اس دنیا کو لات مارو، دل میں اس کی محبت مت لاؤ۔ یعنی دنیا کی محبت کو غالب نہ ہونے دو، مغلوب رکھو!

دنیا کی محبت اور اس کی علامت

دل میں دنیا کی محبت کی علامت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور دل سے دنیا کی محبت نکلنے یا مغلوب ہونے کی علامت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہے خواہ وہ کسی بھی شعبۂ زندگی سے وابستہ ہے، سمجھ لو دنیا اس کے دل سے باہر ہے، وہ دنیا کا عاشق نہیں ہے، آخرت کا عاشق ہے اور ''اللہ بچائے'' جو شخص نافرمانی میں لگا ہوا ہے آنکھیں بھی گناہ کر رہی ہیں، دل بھی گناہ کر رہا ہے، کھانے میں بھی حرام، پینے میں بھی حرام، پہننے میں بھی حرام ہے، اور حلال و حرام میں کسی چیز کی وہ پرواہ نہیں کر رہا ہے، جھوٹ کی اس کو کوئی پرواہ نہیں، غیبت سے اس کو کوئی ڈر نہیں، الزام تراشی کی اس کو کوئی پرواہ نہیں، نماز قضاء ہو جائے تو اس کی اس کو کوئی پرواہ نہیں، جماعت چھوٹ جائے تو اس کا اس پر کوئی اثر نہیں، بد اعمالیوں کے اندر وہ ڈوبا ہوا ہے تو یاد رکھو! وہ دنیا دار ہے، وہ عاشقِ دنیا ہے، وہ آخرت کا عاشق

نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار نہیں۔ فارسی کے ایک شعر میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے۔ ؎

چیست دنیا؟ از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی دنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہونا ہے نہ کہ غلام، چاندی اور اولاد و بیوی۔

دنیا بذات خود بری نہیں

دنیا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ سے غافل ہونے کا نام ہے، سونا چاندی، روپیہ پیسہ کا نام دنیا نہیں ہے، روپیہ پیسہ، مال و دولت اگر حلال اور جائز طریقے سے حاصل ہو اور جائز جگہ میں خرچ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن اگر یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ذریعہ ہوں، ناجائز طریقے سے حاصل ہوں، حرام جگہ استعمال ہوں اور ناجائز طریقے سے استعمال ہوں تو سن لو اور سمجھ لو! یہ وہ دنیا ہے جو شریعت کی نظر میں قابلِ مذمت ہے جس نے اس پر جادو کیا ہوا ہے اور آخرت سے اسے غافل کیا ہوا ہے اور اپنا عاشق بنایا ہوا ہے، اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

حب دنیا کا علاج

دنیا کا علاج کیا ہے؟ جو جادو دنیا نے ہمارے اوپر کر رکھا ہے اس کا توڑ کیا ہے؟ بزرگانِ دین نے اس کا توڑ بھی بتایا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کے لئے درج ذیل چند کام کرنے چاہئیں۔

(۱) پہلا کام یہ ہے کہ آدمی موت کا مراقبہ کرے جو حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَکْثِرُوْا ذِکْرَهَا زِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ

ترجمہ

لذتوں کو توڑ دینے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کرو

(حلیۃ الاولیاء، ج۹ص ۲۵۲)

موت کے تذکرہ اور مراقبۂ موت میں اللہ پاک نے ایسی خاصیت رکھی ہے کہ جب آدمی کچھ عرصہ اس کی پابندی کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کے دل سے دنیا کی محبت نکلتی ہے اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

(۲) اپنے شیخ کی رہنمائی میں ذکر اللہ کثرت سے کرے، اس میں بھی اللہ پاک نے ایسی خاصیت رکھی ہے کہ اس سے آہستہ آہستہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور دنیا کی محبت نکلتی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ آدمی جس چیز کا ذکر زیادہ کرے گا اس کی محبت دل میں زیادہ ہوگی، ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت فی الحال اتنی نہیں ہے جتنی ہونی چاہئے اسی وجہ سے ذکرِ الٰہی ہماری زبانوں پر اتنا نہیں ہوتا جتنا مطلوب ہے، جب ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کریں گے جس میں کسی نہ کسی شیخ کی رہنمائی کی بہرحال ضرورت پڑے گی تو اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت ان کی طلب اور ان کی تڑپ دل میں پیدا ہوگی، اب جو ذہن اور دماغ دنیا کی طرف لگا ہوا ہے، خواب

میں بھی دنیا نظر آتی ہے، اوڑھنا بچھونا بھی دنیا ہے، رات دن اسی کی فکر سوار ہے تو آہستہ آہستہ یہ فکر آخرت کی فکر میں تبدیل ہو جائے گی، پھر اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں آئے گی، اللہ تعالیٰ کا خیال آئے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان ہو جائے گا اور انہیں کی رحمتیں یاد آئیں گی، ان کی پکڑ کا خوف دل میں آئے گا خواب بھی انہیں کے نظر آئیں گے، بیداری بھی انہی کی اطاعت میں گزرے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۳) تیسرا کام یہ کرے کہ کسی اللہ والے کی خدمت میں خلوص کے ساتھ جائے، اور اخلاص سے اس کے ساتھ اپنا تعلق قائم کرے، یہ بات آج کل بہت ہی کم ہے۔

اللہ والوں کے پاس جانے کا اصل مقصد

اللہ والوں سے تعلق رکھنے والے تو بہت ہیں لیکن اخلاص سے تعلق رکھنے والے ہزاروں میں کوئی کوئی ہوتا ہے، اسی لئے اللہ والوں کی خدمت میں جانے والوں کو فائدہ نہیں ہوتا کہ جانے والے وہاں بھی بہت سے دنیاوی مقاصد لے کر جاتے ہیں، ننانوے فیصد (99%) لوگوں کے دنیاوی مقاصد ہوتے ہیں تو بھئی! اگر وہاں دنیا لینے جاؤ گے تو وہاں تو دنیا ہے نہیں، آخرت وہاں مل سکتی تھی، اس کے طالب تم نہیں، اس لئے تم چاہے دس سال گزار دو یا پچاس سال، تم جہاں ہو وہیں کے وہیں رہو گے، لہٰذا وہاں جانا ہے تو صرف ایک کام کے لئے جاؤ کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت نصیب ہو جائے اور یہ دنیا کا جادو کٹے اور آخرت کی فکر بڑھے، اس کے سوا اور کوئی مقصد نہ

ہو۔ اگر اچھا مقصد لے کر گئے تو پھر دور سے اللہ والوں کو دیکھ لینا بھی بہت ہے، پاس بیٹھنا، ان کی بات سننا تو نافع اور مفید ہے ہی صرف دور سے دیکھنا بھی نافع ہے۔ اسی سے باطنی نفع پہنچ جائے گا بہر حال اہل اللہ کی خدمت و صحبت کا فائدہ یہ ہے کہ آپ کے دل سے دنیا کی محبت نکل کر آخرت کی فکر پیدا ہو جائے گی، حرام حلال کی فکر ہوگی، نیکی بدی کی فکر ہوگی، آخرت بنانے کی فکر ہوگی، اللہ اللہ کرنے کو جی چاہے گا، گناہوں سے بچنے کی فکر ہوگی۔

خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کا عجیب واقعہ

مجھے ایک چھوٹا سا قصہ یاد آرہا ہے، آپ کو وہ سنا دوں، پھر دعا کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت تھانویؒ کی خانقاہ میں ایک مرتبہ ان کے خاص خاص خلفاء جمع تھے، ان میں سے غالباً حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے دوسروں کے سامنے اپنا حال بیان کیا کہ جب میں یہاں خانقاہ میں آتا ہوں تو میرا حال یہ ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے مجھ سے آگے ہیں، میں سب سے پیچھے ہوں، دوسرے نے کہا کہ میرا بھی یہی حال ہے، دوسرے نے تیسرے کو بتایا سب نے یہی کہا کہ ہمارا حال بھی یہی ہے کہ جب ہم خانقاہ اشرفیہ میں آتے ہیں اور حضرت کی خدمت میں رہتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہو رہا۔ میں سب سے پیچھے ہوں، میں لاشی محض ہوں اور جو دوسرے ہیں، خوب آگے بڑھ رہے ہیں، خوب ترقی کر رہے ہیں، مقاماتِ قربِ الٰہی طے کر رہے ہیں اور جب چار پانچ کا یہی حال سامنے آیا تو انہوں نے کہا کہ ایسا کرو حضرت سے وقت لو اور وقت لے کر حضرت کے

سامنے اپنا یہ حال بیان کرو کیوں کہ ہم انہیں کی خدمت میں آئے ہوئے ہیں۔ وہی اس مسئلہ کو حل فرمائیں گے، اب یہ حضرات وقت لے کر حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت! ہمیں اپنا کچھ حال سنانا ہے، حضرت نے فرمایا سناؤ! انہوں نے کہا ہمارا یہ حال ہے کہ جب بھی ہم خانقاہ میں آتے ہیں تو ایسا لگتا ہے ہم سب سے پیچھے ہیں، باقی سب ہم سے آگے ہیں، تو حضرت نے فرمایا کہ میرا بھی یہی حال ہے، یہ سن کر سب چپ ہوگئے۔ اب حضرت کے سامنے کیا بولتے؟ اس لئے خاموش بیٹھے رہے، پھر تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آگئے اور آکر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ارے بھئی! اصل بات یہ ہے کہ ہمارے شیخ تواضع میں ڈوبے ہوئے ہیں اور وہ اپنے دل میں خود کو بالکل مٹائے ہوئے ہیں ان کے دل کا یہ عکس جمیل ان کی خانقاہ میں ہر آنے والے کے دل پر پڑتا ہے، تو ان کے پاس بیٹھنے اور ان کی خدمت میں آنے کا یہ اثر ہے، چونکہ وہ اپنے آپ کو مٹائے ہوئے ہیں اس لئے جو لوگ ان کے پاس ان کی خانقاہ میں آتے ہیں وہ بھی مٹے جارہے ہیں، مجذوب صاحب نے ان کے بارے میں کہا ہے۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس دل میں خدا جانے کیا آگ بھری ہوگی

؎

پھر ذرا مُطرِبْ اسی انداز سے
جی اٹھے مردے تیری آواز سے

اللہ والوں کی صحبت بے اثر نہیں ہوتی

دیکھو! اللہ والوں کی صحبت میں جانے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اگر ان میں

تواضع ہوگی تو جو لوگ اخلاص سے ان کے پاس ہوں گے ان کے دل میں بھی تواضع ہوگی، پیر کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بھری ہوگی تو مریدین کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت آئے گی، شیخ کی صحبت کا اثر اس کے مریدین کے دلوں میں ضرور ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے تین باتوں کی پابندی کرلیں۔

تین باتوں کی پابندی

(۱) موت کا مراقبہ

(۲) اللہ والے کی رہنمائی میں ذکر اللہ کی کثرت

(۳) کسی اللہ والے سے پرخلوص تعلق

جو شخص ان تین باتوں کی پابندی کرے گا تو اس پر جو دنیا کا جادو چل چکا ہے وہ کٹ جائے گا اور دنیا کا جادو کٹنے کے بعد اس پر آخرت کی خوبی، کمال، اہمیت اور فکر آشکارا ہو جائے گی اور دنیا سے نفرت انشاء اللہ نصیب ہوگی، دنیا سے اس کا رخ پھر جائے گا اور آخرت کی طرف ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو فکرِ آخرت نصیب فرمائیں۔ اور اپنی محبت سے سرشار فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم

محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

☆☆☆☆☆

احادیثِ طیبہ کا پیغام

- احادیث مبارکہ کا ہم سے مطالبہ
- بزرگانِ دین کے چند واقعات
- سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھدان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ و نشھدان سیدنا و نبینا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ الہ و اصحابہ و بارک وسلم تسلیما کثیراً کثیرا۔

امّا بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطان الرحیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "[الاحزاب۔۲۱]۔(صدق اللہ العظیم)

میرے قابلِ احترام اساتذۂ کرام، معلّمات[۱]، طلباء، طالبات اور دیگر حاضرین!

اس وقت میں آپ کی خدمت میں ایک ایسی بات عرض کرنا چاہتا ہوں جو قرآنِ کریم کا خلاصہ ہے اور احادیثِ طیبہ کا ایک اہم پیغام ہے، لیکن اس کو بیان کرنے سے پہلے میں یہ بات واضح کردوں کہ قرآن وحدیث کے

۱ اس موقع پر طالبات و معلمات بھی علیحدہ پردہ کی جگہ میں موجود تھیں۔

حوالے سے جو بھی بات بیان کی جاتی ہے وہ عام طور سے پڑھے لکھے مسلمان کو پہلے سے معلوم ہوتی ہے، لہٰذا اس بات کو سن کر خدانخواستہ کوئی یہ نہ سوچے کہ بھئی یہ بات تو ہمیں پہلے سے ہی معلوم ہے اور اس بات کو تو ہم نے پہلے بھی متعدد بار سنا ہوا ہے لہٰذا یہ کوئی اہم بات نہیں ہے یاد رکھیے! یہ خیال شیطانی خیال ہے اور اس کو ذہن سے نکال دینا چاہئے، اس لئے کہ ہمارا تو سارا دین حضور ﷺ سے منقول ہے، یہ وہ دین ہے جو چودہ سو سال سے بیان ہو رہا ہے اور ہوتا ہی رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور یہی وہ دین ہے جسے ہم پڑھتے اور پڑھاتے ہیں اور اسی کو بیان کیا جاتا ہے اور اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔

لہٰذا جو بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ بھی نئی نہیں ہے لیکن میں نے اس لئے اس کو اختیار کیا ہے کہ وہ احادیثِ طیبہ اور اس سال کے اسباق کے ختم اور خاص طور پر بخاری شریف کے ختم کے زیادہ مناسب ہے، اللہ کرے ہم اس بات کو دل وجان سے سنیں اور اپنے دلوں میں اتار کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

احادیثِ طیبہ کا پیغام اور مطالبہ

تمام احادیثِ طیبہ کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ تم نے مشکوٰۃ شریف سے لے کر بخاری شریف تک سرکارِ دوعالم جنابِ رسول ﷺ کے بے شمار ارشادات مستند طور پر پڑھ لئے تو اب یہ بتاؤ کہ تمہاری زندگی میں حضور ﷺ کے ان ارشادات کی کوئی جھلک بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ تم نے حضور کی

زندگی پڑھ لی، حضور کے نماز پڑھنے کا طریقہ پڑھ لیا، کھانا کھانے کے آداب پڑھ لئے، آپ کے لباس و پوشاک کے طریقے پڑھ لئے، آپ کے شمائل پڑھ لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر شعبہ ھائے زندگی پڑھ لئے، اب ذرا یہ دیکھیں کہ ان میں سے کچھ حصہ ہماری زندگی میں بھی آیا یا نہیں؟ یعنی حضور ﷺ کی ساری زندگی پڑھنے کے بعد آپ کے طریقوں اور سنتوں پر ہمیں کس قدر عمل کیا اور کس قدر عمل کی توفیق ہوئی؟ ان احادیث طیبہ کا ہم سے یہ مطالبہ اور سوال ہے کہ اگر ابھی تک ہم نے کچھ نہیں کیا تو اب آئندہ کے لئے تیار ہو جائیں کہ انشاء اللہ اب بقیہ زندگی سرکارِ دو عالم ﷺ کی سنتوں کے سانچے میں ڈھالیں گے اور جیسا ہم نے پڑھا ہے اس کے مطابق اپنے آپ کو سنوارنے اور سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری کوشش کریں گے۔

یہی وہ پیغام ہے جو تمام احادیث طیبہ، بخاری شریف، صحاح ستہ اور قرآن شریف سے ہمیں ملا ہے اور ہمارے تمام اسلاف کی زندگی بھی اسی سے بھری ہوئی ہے۔

مسلمان کی زندگی کا مقصد

اس دنیا میں آنے کے بعد مسلمان کی زندگی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کو سنت کے مطابق بنانے کی کوشش میں لگ جائے۔ جس کی زندگی میں جتنا سنت کا نور آئے گا وہ اتنا ہی کامیاب و کامران ہوگا اور جس کی زندگی میں جتنا سنت کا نور نہ ہوگا اور سنت کے مطابق اسکی زندگی نہ ہوگی وہ اتنا ہی ناکام و نامراد ہوگا۔ ہمارے تمام دینی مدارس کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے اور ہماری تمام خانقاہوں میں کئے جانے والے تربیتی اقدامات کا لُبّ

لباب بھی یہی ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت اپنی زندگی سنت کے مطابق گزارنے کی کوشش کرے اس کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، ملنا جلنا حتیٰ کہ تمام چیزیں سنت کے مطابق ہوں، ہمارے تمام اکابر اسی کی تعلیم دیتے رہے ہیں، اور ہمیشہ سے دیتے آئے ہیں۔

سلسلۂ امدادیہ اشرفیہ کی خصوصیت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں سلسلۂ امدادیہ اشرفیہ سے وابستہ فرمایا ہے اس سلسلہ میں اتباعِ سنت کی تعلیم پر بہت زور دیا جاتا ہے اور اتباعِ سنت کی بہت تاکید وترغیب ہے۔

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس سلسلے میں یہ خصوصیت رکھی ہے جو شخص اخلاص اور ہمتِ مردانہ کے ساتھ اس میں قدم رکھتا ہے اس کو بہت جلد اللہ تعالیٰ کا قربِ خاص اور تعلقِ خاص نصیب ہو جاتا ہے اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ اس سلسلے میں اتباعِ سنت کی سب سے زیادہ تعلیم دی جاتی ہے، پہلے قدم پر بھی اتباعِ سنت کی تعلیم ہے اور آخری قدم پر بھی اتباعِ سنت کی تعلیم ہے، لہٰذا جب سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کا اور ہر قسم کی مصیبتوں اور نفس وشیطان کے وسوسوں اور دھوکوں سے محفوظ رہنے کا سہل اور سب سے زیادہ آسان راستہ موجود ہے تو کیوں نہ اس کو اختیار کیا جائے، اسی اہتمام کی وجہ سے اس مبارک سلسلے میں جو شخص اخلاص اور ہمت کے ساتھ داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بہت جلد اسے اپنا محبوب بنا لیتے ہیں۔

اتباعِ سنت کی اہمیت اور احادیث اور اس پر عمل ہونے کی شدید

ضرورت پر دو واقعات یاد آئے ہیں اور دونوں واقعات حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کے ہیں۔

پہلا واقعہ

پہلا واقعہ سناتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب میں تمام علومِ ظاہری سے فارغ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ خانقاہوں میں جو اعمال و اخلاق سکھائے جاتے ہیں ان کے حصول کے لئے بھی ان کے پاس جانا چاہئے حضرت فرماتے ہیں کہ الحمدللہ میں ان خانقاہوں میں گیا اور ان سے عرض کیا کہ آپ کے ہاں جو کچھ سکھایا جاتا ہے اور جو تربیت دی جاتی ہے میں وہ سیکھنے کے لئے حاضر ہوا ہوں تو اُنہوں نے فرمایا کہ تم ہمارے یہاں رہو تو تمہیں یہاں کی باتیں سمجھ میں آجائیں گی اور جو کچھ ہمیں معلوم ہے وہ ہم تمہیں سکھا دیں گے اور انشاء اللہ اس پر عمل بھی کرادیں گے۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ میں وہاں ٹھہر گیا اور جب تک انہوں نے مجھے اپنے ہاں رکھنا چاہا میں طلبِ صادق کے ساتھ ان کے یہاں رہا اور انہوں نے جو مجاہدے، ریاضتیں اور وظائف مجھ سے کروانے میں نے خوب دلجمعی سے کئے اور جس طرح انہوں نے کہا میں اُسی طریقے سے ان کی خدمت میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے پاس جو علوم تھے اور تعلق مع اللہ کا جو سبق پڑھانا تھا وہ ہم نے آپ کو سکھا دیا۔ فرماتے ہیں اس طرح میں چاروں سلسلوں کی خانقاہوں میں گیا اور جس طرح انہوں نے میری تربیت کرنا چاہی میں نے اپنی تربیت کرائی،

اس طرح میں مدارس سے فارغ ہونے کے بعد خانقاہوں سے بھی فارغ ہو گیا۔

اس کے بعد میں اپنے باطن میں اللہ کی محبت اور عشق کے غیر معمولی حال محسوس کرنے لگا اور تعلق مع اللہ کی منزلیں تیز رفتاری سے طے کرنے لگا اور اللہ نے اپنا خاص تعلق مجھے عطا فرمایا اور وہ منزل عطا فرمائی کہ اس مقام پر پہنچنے کے بعد اگر میں اپنے باطن کی کوئی بات علماءِ ظاہر کے سامنے بیان کروں تو وہ مجھ پر کفر کا فتویٰ لگائیں اور خانقاہوں کے اندر بیٹھنے والے صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کے سامنے اپنے دل کا کوئی دُکھڑا سناؤں تو وہ مجھ پر زندیق ہونے کا فتویٰ لگائیں لیکن اللہ کے فضل وکرم سے میں اس مقام پر فائز ہوں اور اس بات کو بخوبی جانتا ہوں کہ میں جو کچھ علماءِ ظاہر کے سامنے کہوں گا اس کی کیا حقیقت ہے اور جو صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کے سامنے کہنا چاہتا ہوں اس کی کیا حقیقت؟ ہے لیکن میں اپنی زبان نہیں کھول سکتا اس لئے کہ وہ اس مقام پر نہیں ہیں اور اس مقام پر پہنچنے کے بعد ہی وہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

اتباعِ سنت کی اہمیت

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس عظیم اور بلند مقام پر پہنچنے کے بعد بھی میں نے جس بات کو اپنے نزدیک سب سے زیادہ نفع دینے والی اور سب سے زیادہ حق تعالیٰ کے قریب کرنے والی پایا اور یہ سمجھا کہ اس سے زیادہ بہتر کوئی بات نہیں ہو سکتی وہ یہ ہے کہ "کسی مرد یا عورت کو سرکارِ دو عالم جناب نبی کریم ﷺ کی کسی سنت پر عمل کی توفیق

ہو جائے" اللہ اکبر!

اب آپ اندازہ لگائیں کہ وہ اتنی محنتیں اور مشقتیں اٹھانے کے بعد اور اتنے اونچے مقام پر پہنچنے کے بعد بھی اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ اتباع سنت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ اس لئے ہمیں اتباع سنت کا نہایت اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا واقعہ

دوسرا واقعہ بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ہی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کے مجاز ہیں اور حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ ہندوستان کے مشہور و معروف بزرگ ہیں۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ جو حضرت خواجہ صاحبؒ کے مرید تھے، حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت میں خواجہ صاحبؒ کا مرید ہوں جب تک حضرت حیات تھے اس وقت تک میں ان کی خدمت میں جاتا رہتا تھا، ایک مرتبہ میں باطنی قبض میں مبتلا ہو گیا تھا اور میری حالت اتنی غیر ہو گئی تھی کہ میں اپنی جان سے بھی بیزار ہو گیا تھا تو میں نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے اپنا یہ حال بیان کیا اور توجہ کی درخواست کی تو حضرت نے میری طرف توجہ فرمائی اور الحمدللہ میرا باطنی قبض بسط میں تبدیل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کا شوق و ذوق اور اُنس کی نعمت سے سرفراز فرمایا مگر اب حضرت خواجہ صاحبؒ انتقال فرما چکے ہیں اور انہوں نے اپنے تمام مریدین آپ کے حوالے کئے ہیں لہٰذا اسی حوالے سے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ بھی

میری طرف توجہ فرمائیے اور اپنے دِل سے میرے دل میں کچھ اتار دیجئے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ سن کر فرمایا کہ بھائی میرے پاس تو سوائے اتباع سنت کے اور کچھ بھی نہیں ہے، کہتے ہیں جیسے ہی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زبان سے اتباع سنت کے الفاظ نکلے تو وہ بزرگ یہ الفاظ سن کر بے خود ہوگئے اور یہ الفاظ سن کر جھومنے لگے اور ان کے ساتھ ساتھ سرہند کی زمین بھی جھومنے لگی، جب حضرت الف ثانی رحمہ اللہ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو خادم سے فرمایا کہ طاقچے میں میری مسواک رکھی ہوئی ہے وہ لے کر آؤ، خادم وہ مسواک لے کر آیا تو حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے جونہی اُس مسواک کو زمین سے لگایا فوراً زمین نے جھومنا اور حرکت کرنا بند کر دیا اور ساتھ ہی ان بزرگ کا جھومنا بھی موقوف ہوگیا اور ان کی جو کیفیت تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔

اصل چیز اتباعِ سنت ہے

اس کے بعد حضرت نے جو بات ارشاد فرمائی وہ یاد رکھنے کے قابل ہے فرمایا کہ جناب! آپ کے جھومنے سے سرہند کی زمین جھومنے لگی اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام اور فضل فرمایا ہوا ہے کہ اگر ابھی میں ہاتھ اٹھا کر دعا کروں کہ اے پروردگارِ عالم! آپ سرہند کی زمین میں جتنے مردے دفن ہیں سب کو زندہ کر دیجئے تو سارے مردے اپنی قبروں سے کھڑے ہو جائیں گے لیکن یاد رکھو کہ میری دعا سے سرہند کے مردوں کا زندہ ہو جانا اور تمہاری وجہ سے سرہند کی زمین کا حرکت کرنا، ان دونوں کی حیثیت اتنی بھی نہیں کہ کوئی مسلمان وضو میں ایک مرتبہ سنت کے مطابق مسواک کرے یعنی جو مسلمان

ایک مرتبہ وضو کے اندر سنت کے مطابق مسواک کرے تو میرے نزدیک اس کا درجہ میری اس دعا سے جس سے سرہند کے مردے زندہ ہو جائیں اور اس کرامت سے جس سے سرہند کی زمین حرکت کرنے لگے، بڑھ کر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں کرامت کہلاتی ہیں اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کرامت کسی بزرگ کے مقرب ہونے کی علامت تو ہو سکتی ہے مگر اس کرامت کے ظاہر ہونے سے بندے کا کوئی درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں بڑھتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کرامت یہ بندے کا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی نیک بندے کی نیکی بتانے کے لئے اس کی تائید میں اپنی قدرت سے اسے ظاہر فرماتے ہیں تو یہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہوا، بندہ کا نہیں اور بارگاہِ خداوندی میں تقرب اپنے نیک اعمال سے ہوا کرتا ہے لہٰذا سنت کے مطابق مسواک کرنا یہ کرنیوالے کا عمل ہے جو مسنون ہے اور ہر مسنون عمل محبوب ہوتا ہے اور جو محبوب ہو وہ باعثِ قربِ الٰہی ہے۔

بہر حال! ان تمام احادیثِ طیبہ کا ہمارے لئے یہ پیغام ہے کہ ہم آج ہی سے یہ تہیہ کریں کہ بقیہ ساری زندگی سنت کے مطابق ہی گزارنے کی کوشش کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ

سنت کے مطابق زندگی گزارنے کا طریقہ اگر معلوم ہو تو پھر سنت کے مطابق زندگی گزارنا آسان ہو جاتا ہے۔ تو اس طریقے کے لئے چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آدمی شریعت پر عمل کرنے کی

نیت، ہمت اور عزم مصمم کر لے، جیسا کہ بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" سے ثابت ہے اور نیت کا مطلب پختہ ارادہ ہے قلبی نیت کے بغیر صرف لفظی نیت کافی نہیں، ایسی پکی نیت جس کے بعد عمل کا آغاز ہو۔

(۲) دوسرے سنتوں کا عمل کرنے کی نیت سے صحیح صحیح مطالعہ کرنا یعنی ایک ایک سنت کا مطالعہ کرتے جائیں اور اپنے عمل میں لاتے جائیں اس کیلئے عربی میں تو بے شمار احادیث کی کتب موجود ہیں اور ہمارے اکابر نے (اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے) اردو میں بھی بہت بڑا ذخیرہ احادیث منتقل فرمادیا ہے۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور کتاب "عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ" ہے جو درحقیقت اتباعِ سنت کا نورانی قاعدہ ہے اور ایک رسالہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کا ہے جس کا نام "پیارے رسول کی پیاری سنتیں" ہے، اس کے اندر بھی ۲۴ گھنٹے کی بہت اہم اہم سنتیں موجود ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ان کتابوں کو اپنے سرہانے رکھ لیں اور سفر و حضر میں ان کے مطالعے کے بعد ان کو اپنے عمل میں لاتے جائیں۔ اگر مسنون و مستحب اعمال کا تفصیلاً مطالعہ کرنا

ہو تو اس کے لئے حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم'' کا مطالعہ کریں جو بہت ہی نافع اور مفید کتاب ہے۔

(۳) تیسری چیز جو ان دونوں سے اہم اور بڑھ کر ہے وہ یہ کہ کسی متبعِ سنت، متبع شریعت اللہ والے بزرگ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیں، یہ دراصل بنیادی چیز ہے کیونکہ نیت کو خالص کرنے کیلئے اور سنتوں کا مطالعہ کرنے کیلئے اور پھر مطالعہ کے بعد اپنے آپ کو ان پر عمل پیرا کرنے کے لئے دل کے اندر ایک کشش کی ضرورت ہوتی ہے جسے عشق و محبت کہتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ اور جناب نبی کریم ﷺ کی سچی محبت اور سچا عشق ہمارے اندر نہیں ہوگا تو بعض مرتبہ خالص نیت اور مطالعہ بھی کارآمد نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کتابیں پڑھنے سے نہیں آتی بلکہ اصل محبت تو کسی اہلِ محبت سے تعلق قائم کرکے اس سے آدابِ محبت سیکھنے اور اس کی صحبت و خدمت کرنے سے آتی ہے۔

اس لئے جس کو جس کسی اللہ والے متبعِ سنت بزرگ سے مناسبت اور محبت ہو اور جس کو جس سے زیادہ فائدہ ہوتا ہو تو ان کی صحبت کو اختیار

کرے اور اپنا ایک ایک حال اور کیفیت ان کو بتا بتا کر ان سے تعلیم اور مشورہ لیتا رہے اور اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے اپنی ساری زندگی گزار دے، تو جب کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھے گا اور طلبِ صادق لے کر ان کے پاس آتا جاتا رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں اتباعِ سنت کا سچا جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ تو جناب! یہ تیسرا درجہ ایسا ہے کہ اس سے پہلی بات بھی زندہ اور کارآمد و نافع ہو جائے گی اور دوسری بات بھی ان شاء اللہ کارآمد اور نافع ہو جائے گی اور اللہ والوں کی خدمت و صحبت ہی کی برکت سے انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول جناب نبی کریم ﷺ کی محبت پیدا ہو جائے گی اور ان احادیث طیبہ سے جو پیغام یعنی اتباعِ سنت کا ہمیں ملا ہے ان شاء اللہ اس پر عمل کرنے کی منزل قریب آ جائے گی اور اس پر عمل کی توفیق ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اتباعِ سنت کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

☆☆☆☆☆

صدقۂ جاریہ
کی
فضیلت واہمیت

- علم دین
- نہر بنوانا
- کنواں کھدوانا
- درخت لگانا
- مسجد بنانا
- قرآن پاک
- نیک اولاد

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد ان لاالہ الااللّٰہ وحدہ لاشریک لہ۔

امّا بَعْدُ فاعوذباللّٰہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (البقرۃ: ۲۶۱)

میرے قابلِ احترام بزرگو!

اس آیت کریمہ میں جو ابھی میں نے تلاوت کی ہے اللہ رب العزت نے اپنے راستے میں مال خرچ کرنے اور صدقہ دینے کی فضیلت بیان فرمائی ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ میں ابھی آپ کے سامنے عرض کروں گا۔

راہِ خدا میں مال خرچ کرنا

اس سے پہلے آپ یہ سمجھ لیں کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے اور

اس فانی دنیا سے ہمیں باقی کو لینا ہے یعنی اس دنیا میں رہ کر اپنی ہمیشہ ہمیشہ کی آخرت کی زندگی کو بنانا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے کاموں اور اس کی رضا کے کاموں میں لگنے اور ان کی فکر کرنے سے بنے گی، اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور خوش کرنے والے کاموں میں جہاں نماز، روزہ، حج وعمرہ، نوافل اور اذکار وغیرہ ہیں وہاں صدقہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور خوش کرنے کا ایک بہترین عمل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف اس کی رضا کی خاطر اخلاص کے ساتھ اس کے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ نہ کچھ خیر کے کاموں میں لگاتے رہنا چاہئے۔

صدقہ کی دو قسمیں

صدقہ کی دو قسمیں ہیں، ایک عام صدقہ، کہ صدقہ کرنے کے بعد صدقہ کرنے والے کو اس کا ثواب مل جاتا ہے لیکن اس کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ جاری نہیں رہتا، مثلاً کوئی فقیر بھوکا تھا اس کو کھانا کھلانا صدقہ ہے اگر اس کو کھانا کھلایا اور اس نے کھانا کھایا اور اس کا پیٹ بھر گیا تو کھانا کھلانے والے کو اس کا ثواب مل گیا لیکن اس کا پیٹ بھرنے کے بعد کھانا کھلانے والے کو ہمیشہ اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ اسی طرح کوئی بیمار ہے اس کو علاج ومعالجہ کیلئے پیسے دیدیئے، اس نے علاج کرالیا اور وہ ٹھیک ہوگیا تو پیسے دینے والے کو اس کا ثواب مل گیا، لیکن اس کا ثواب ہمیشہ جاری نہیں رہے گا، تو ایک صدقہ یہ ہوا، یہ بھی عبادت ہے، اس کا بڑا ثواب ہے، اس میں بھی حسب استطاعت حصہ لیتے رہنا چاہئے۔

صدقہ کرنے کا آسان طریقہ

اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کیلئے مخصوص کر لے، چاہے ایک فیصد ہو یعنی سو روپے پر ایک روپیہ، ایک ہزار روپے پر دس روپے اور دس ہزار پر سو روپے، اور اس قدر صدقہ وہ باقاعدگی سے ماہوار یا ہفتہ وار ادا کرتا رہے اور اتنا معمولی صدقہ ہر شخص بآسانی دے سکتا ہے لہٰذا نفلی صدقہ دینے کا کچھ نہ کچھ دائمی معمول بنانا چاہئے۔

صدقہ کرنے والے اور نہ کرنے والے کیلئے فرشتہ کی دعا

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَامِنْ یَوْمٍ یُصْبِحُ الْعِبَادُ فِیْهِ اِلَّامَلَکَانِ یَنْزِلَانِ فَیَقُوْلُ اَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُنْفِقاً خَلَفاً وَیَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ مُمْسِکاً تَلَفاً ۔(رواہ البخاری)

ترجمہ

ہر صبح جب دن چڑھتا ہے تو دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں، ان میں سے ایک فرشتہ یہ دعا کرتا ہے ''اے اللہ! جو آپ کے راستے میں خرچ کرے اس کا بدل عطا فرما'' اور دوسرا فرشتہ کہتا ہے ''اے اللہ! جو آپ کے راستے میں خرچ نہ کرے اسکے مال کو ہلاک فرما''۔ (بخاری)

اس سے اندازہ لگایئے کہ اللہ کی راہ میں صدقہ دینے سے مال بڑھتا ہے اور نہ دینے سے مال گھٹتا ہے، دیکھئے! صدقہ دینے کا دنیا میں کتنا بڑا فائدہ ہے اور نہ دینے کا کتنا بڑا نقصان ہے اور صدقہ دینے میں آخرت میں بھی فائدہ ہے اور نہ دینے میں نقصان ہے۔

ایک کھجور صدقہ کرنے کا اُحد پہاڑ کے برابر ثواب

آخرت میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ کم از کم اس کا دس گنا ثواب ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک روپیہ صدقہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ کم از کم اس کو اس کا دس گنا ثواب آخرت میں عطا فرمائیں گے، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس کا ثواب اس سے بھی بڑھا چڑھا کر عطا فرما سکتے ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ اِلَّا الطَّيِّبَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّيْ اَحَدُكُمْ فُلُوَّهٗ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ۔

وفی روایۃ مثل احد کذا فی البیھقی (مشکوٰۃ: ص ١٦٧ ج۔١)

ترجمہ

جو شخص (اپنی) حلال کمائی سے کھجور کے برابر صدقہ کرتا ہے اور (جان لو کہ) اللہ پاک صرف مالِ حلال ہی قبول کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول کرتے ہیں اور پھر اس (صدقہ) کو صدقہ دینے والے

کیلئے اس طرح پالتے ہیں جیسا کہ کوئی شخص بچھڑا پالتا ہے
یہاں تک کہ وہ (صدقہ یا اس کا ثواب) پہاڑ کی مانند
ہوجاتا ہے۔ ''السنن الکبری'' کی ایک روایت میں ہے
''یہاں تک کہ وہ صدقہ احد پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے''۔

کہاں ایک کھجور کا ٹکڑا اور کہاں احد پہاڑ (احد پہاڑ مدینہ کے پہاڑوں میں سب سے بڑا پہاڑ ہے)۔

اس سے اندازہ لگالیجئے! کہ اللہ کی رضا کیلئے ایک کھجور کا ٹکڑا صدقہ کرنے کا اجر وثواب کتنا زیادہ ہے۔

امتِ محمدیہ کے لئے خصوصی انعام

ایک روایت میں بہت عجیب وغریب انداز سے اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کے اندر یہ آیتِ کریمہ بھی ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔

اس سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ پچھلی امتوں میں یہ ہوتا تھا کہ اگر ان کا کوئی شخص ایک نیکی کرتا تھا تو ایک ہی نیکی کا ثواب لکھا جاتا تھا ایک نیکی پر دس گنا ثواب ملنے کا دستور نہیں تھا اور اگر کوئی گناہ کرتا تو ایک گناہ بھی لکھا جاتا تھا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے صدقے اور آپ کے طفیل اللہ پاک نے حضور ﷺ کی امت پر یہ احسان فرمایا کہ حضور ﷺ کا امتی کوئی نیک عمل یا کوئی نیک کام کرے چاہے وہ صدقہ ہو، نفلی صدقہ ہو یا صدقہ جاریہ ہو یا اور کوئی نیکی ہو، تلاوت، سخاوت، صلح رحمی، ہمدردی اور خیر خواہی وغیرہ ہو تو اس کا کم از کم دس

گناہ ثواب لکھا جائے گا اور ایک گناہ کرنے پر صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اور یہ بھی اس وقت لکھا جائے گا جب واقعۃً وہ گناہ کرلے، کرنے سے پہلے نہیں لکھا جائے گا، تو گناہ ایک لکھا جائے گا اور نیکی دس گنا لکھی جائے گی، اس میں ایک بہت ہی خاص اللہ تعالیٰ کی رحمت پوشیدہ ہے، وہ یہ کہ آخرت میں جب سب لوگ پہنچیں گے تو آخرت میں اعمال کی گنتی نہیں ہوگی بلکہ وزن ہوگا، چنانچہ دوسری امتوں کی طرح حضور ﷺ کی امت کا بھی حساب ہوگا، تو ان کا جب حساب ہوگا تو گناہ ایک ایک لکھا ہوگا، اور نیکیاں دس دس گنا لکھی ہوں گی اور جب ان کی نیکیاں تولی جائیں گی تو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کی نیکیاں زیادہ ہی نکلیں گی، تو اس میں اللہ پاک نے ایک خاص رحمت پوشیدہ کر کے حضور ﷺ کی امت کی بخشش کا زیادہ سے زیادہ سامان کردیا ہے جو پچھلی امتوں کو حاصل نہیں تھا۔

صدقہ کے اجر میں بتدریج اضافہ

جب سرکارِ دوعالم محمد رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی:

"مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا"

(الانعام :آیت : ۱۶۰)

ترجمہ

جو شخص ایک نیکی بجالائے گا تو اس کو دس گنا اجر ملے گا۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت خاص انعام ہوا جو اس سے پہلے کبھی کسی اور امت پر نہیں ہوا تو حضور پاک علیہ السلام نے یہ محسوس فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہے اور کسی امت پر اللہ پاک نے اپنا

یہ کرم نہیں فرمایا جو میری امت پر فرمایا ہے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے، لہٰذا آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ یا اللہ! آپ نے اپنے کرم اور اپنے فضل سے میری امت کی نیکی کو دس گنا بڑھا دیا ہے، یا اللہ! اس سے بھی زیادہ آپ بڑھانے پر قادر ہیں، یا اللہ! میری امت کے اجر وثواب میں اگر اور اضافہ فرمادیں تو بہتر ہے، آپ کے خزانہ رحمت میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور میری امت کا بھلا ہو جائے گا، آپ ثواب اور بڑھا دیجئے، تو دوسری آیت نازل ہوئی یہ وہی آیت ہے جو میں نے تلاوت کی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ
حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ
وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔

(البقرہ: ۲۶۱)

ترجمہ

جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کئے ہوئے مالوں کی حالت (عند اللہ) ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے سات بالیں اگیں (اور) ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں۔ اور افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں۔

(بیان القرآن)

حضور ﷺ کی اس درخواست پر اللہ پاک نے دس گنا کو بڑھا کر

سات سو گنا کر دیا، تو نیکی ایک، ثواب سات سو گنا۔ نماز ایک، ثواب سات سو گنا اللہ پاک نے حضور ﷺ کی درخواست قبول فرمائی اور آپ کی امت کے ثواب کو دس گنا بڑھا کر سات سو گنا کر دیا، جو بھی نیکی کریں گے اگر ان کے اندر ایسا اخلاص ہوگا جس کی وجہ سے وہ سات سو گنا کا مستحق بن جائے تو سات سو گنا اس کو ثواب ہوگا، نیکی ایک اور ثواب سات سو گناہ۔

جب سات سو گنا اللہ پاک نے بڑھا دیا تو آپ ﷺ نے اپنی امت کے حق میں اللہ تعالیٰ سے مزید درخواست کی کہ اس سے بھی زیادہ میری امت کے ثواب کو بڑھا دیا جائے، چنانچہ تیسری آیت نازل ہوئی:

"مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً فَیُضَاعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافاً کَثِیْرَةً"۔ (البقرۃ: ۲۴۵)

ترجمہ

جو لوگ ہمارے راستے میں دیں گے ہم ان کو بڑھا چڑھا کر دیں گے۔

اس میں سات سو گنا کی قید اللہ پاک نے ختم فرمادی کہ سات سو گنا کی قید نہیں ہم اس کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر اجر دیں گے۔

لیکن بہت بڑھانے کے بعد پھر بھی اس کے اندر حساب اور شمار والی بات باقی رہی۔ تو پھر آپ ﷺ نے درخواست کی کہ یا اللہ! اگر آپ چاہیں تو میری امت کے ثواب کو اس سے بھی زیادہ بڑھا سکتے ہیں تو اللہ پاک نے چوتھی آیت نازل فرمائی جس میں یہ ارشاد فرمایا:

"اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ"

(الزمر: ۱۰)

ترجمہ

محض صبر کرنے والوں کو بدلہ دیا جائے گا ان کے اجر کا بے حساب۔

یعنی جو ہمارے راستے میں صبر سے کام لیں گے تو ان صبر کرنیوالوں کو ان کے اعمال کا بدلہ بغیر حساب کے دیا جائے گا، ان کے اجر وثواب کا کوئی حساب وشمار نہ ہوگا، بے حساب اجر وثواب ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھو! ان کے کرم کا معاملہ دیکھو اور ہمارا کام بنتا دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حضور ﷺ کے صدقہ اور آپ کے طفیل ہمارا کتنا بڑا کام بن گیا کہ اگر ہم اللہ کے واسطے، اللہ کی رضا کے واسطے اس کے راستے میں اگر کچھ مال خرچ کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بے حساب بھی اجر وثواب مل سکتا ہے۔

قبولیت صدقہ کی شرائط

لیکن اس کے لئے دو کام کرنے ہونگے۔

(۱) ایک مال حلال ہو

(۲) دوسرے نیت خالص ہو۔

اس میں دکھاوے کی نیت نہ ہو، نمائش کی، تعریف چاہنے کی، لوگوں کے اچھا کہنے کی، واہ واہ کرنے کی، نام روشن ہونے کی نیت نہ ہو بلکہ اس کا شائبہ بھی نہ ہو، صرف اور صرف دل کے اندر یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں اور اس کے بدلہ وہ میری آخرت بنادیں اس کے سوا کچھ نیت نہ ہو۔

تو انشاء اللہ آخرت میں بھی بے حساب اجر ملے گا اور دنیا میں بھی اس کے مال میں خوب خیر و برکت ہوگی ۔ جو چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے نیز فرشتے کی دعا جو اوپر گزری ہے روزانہ وہ بھی اس کو لگے گی ، اسی طرح اللہ کے واسطے جو اللہ کے راستے میں حلال مال دیتا رہے گا فرشتے کی دعا اس کو لگتی رہے گی اور فرشتے کی دعا قبول ہوتی ہے بہر حال مال کے صدقہ کا عظیم فائدہ ہوا۔ اس کے علاوہ جو تکالیف ، بلائیں اور پریشانیاں ہیں وہ بھی اس مالی صدقہ کی برکت سے دور ہوتی رہتی ہیں تاہم یہ پہلا صدقہ ہے جو نفلی صدقہ کہلاتا ہے اور یہ نفلی صدقہ بھی بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی عبادت ہے اس کا بھی اہتمام کرتے رہنا چاہئے ، اس کی بھی ضرورت ہے ۔

صدقہ جاریہ

دوسرا ایک اور صدقہ ہے جو صدقہ جاریہ کہلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کوئی تا دیر قائم رہنے والی خیر اور دیر تک فائدہ پہنچانے والی چیز دوسروں کیلئے مقرر کردی جائے تو اس کو صدقۂ جاریہ کہتے ہیں ، جب اس کو قائم کرلیا جائے تو قائم کرنیوالے کے لئے اس کا ثواب جاری ہو جاتا ہے ، چنانچہ اس بنانیوالے کی زندگی میں بھی اس کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتا رہتا ہے اور جب وہ دنیا سے چلا جاتا ہے ، اس کا انتقال ہو جاتا ہے اور قبر میں پہنچ جاتا ہے تو قبر میں بھی اس کا ثواب اس کو پہنچتا رہتا ہے ۔ کیونکہ عام طور پر صدقہ جاریہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہوتا ہے اور ہمیشہ اس کو اس کا ثواب ملتا رہتا ہے ۔ کرنیوالا تو دنیا سے چلا گیا لیکن کام ایسا کر گیا کہ اب اس کے مرنے کے بعد بھی وہ جاری ہے تو اس کو ثواب برابر ملتا رہے گا ، ایسے صدقہ کو صدقۂ

جاریہ کہتے ہیں۔

صدقۂ جاریہ کا فائدہ

یہ صدقہ بہت زیادہ قیمتی اور بہت ہی زیادہ اہم ہے اس کو ہم سب بھی کر سکتے ہیں اور ہمارے لئے اس میں حصہ لینا بے حد آسان ہے، اس میں دو باتیں یاد رکھنی ضروری ہیں، ایک تو اخلاص ہو، دوسرا اگر وہ مال ہے تو وہ حلال ہو ان دونوں باتوں کے بعد صدقۂ جاریہ میں شرکت آسان اور فائدہ اتنا زبردست کہ دنیا میں بھی اس کے ثواب سے مالا مال ہو اور جب خود عمل کرنے سے عاجز ہو جائے مرنے کی وجہ سے تو دنیا سے جانے کے بعد بھی اس کو برابر ثواب ملتا رہے، اس سے بڑھ کر کیا فائدہ ہوگا؟

صدقۂ جاریہ کی سات صورتیں

حدیث شریف میں اس کی سات مثالیں بیان کی گئیں ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

سَبْعَةٌ يَجْرِىْ لِلْعَبْدِ أُجُوْرُهُنَّ وَهُوَ فِىْ قَبْرِهٖ بَعْدَ مَوْتِهٖ مَنْ عَلَّمَ عِلْمًا أَوْ كَرٰى نَهْرًا أَوْ حَفَرَ بِئْرًا أَوْغَرَسَ نَخْلًا أَوْ بَنٰى مَسْجِدًا أَوْ وَرَّثَ مُصْحَفًا أَوْتَرَكَ وَلَدًا يَسْتَغْفِرُلَهٗ بَعْدَ مَوْتِهٖ۔

(رواه البيهقى فى "شعب الايمان ص۲۴۸ ج۔۳ رقم الحديث ۳۴۴۹)

ترجمہ

سات آدمی ایسے ہیں جنہیں ان (کے صدقات واعمال) کا اجر موت کے بعد ان کی قبر میں دیا جاتا ہے (اور وہ یہ ہیں)

(۱) جو شخص علم سکھائے

(۲) یا نہر بنادے

(۳) یا کنواں کھود دے

(۴) یا درخت لگا دے

(۵) یا مسجد بنادے

(۶) یا قرآن پاک ترکہ میں چھوڑ دے

(۷) یا ایسا لڑکا چھوڑ جائے جو اس کی موت کے بعد اس کے لئے استغفار کرتا رہے۔

یہ سات آدمی ایسے ہیں کہ جب وہ دنیا سے چلے جائیں گے اور اپنی اپنی قبروں میں پہنچ جائیں گے تب بھی ان کے کئے ہوئے صدقۂ جاریہ کا ثواب برابر ان کے لئے جاری رہتا ہے۔

علم پڑھنا اور پڑھانا

اس حدیث شریف میں سب سے پہلی مثال یہ بیان فرمائی کہ:

مَنْ عَلَّمَ عِلْماً

جو شخص علم سکھائے۔

یعنی ایک صدقۂ جاریہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی دنیا کی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے کسی کو دین کا علم سکھا دیا ہو۔

دین کا علم سکھانے میں نورانی قاعدہ سے لے کر بخاری شریف پڑھانا، قاضی اور مفتی بنانا، حافظ وقاری بنانا اور قرآن شریف پڑھانا سب آگئے بلکہ جتنے بھی علوم شرعیہ ہیں سب کا پڑھنا پڑھانا اس میں آگئے، قرآنِ کریم کے مکتب سے لے کر بڑی سے بڑی جامعات بھی آگئیں۔ بہرحال مدارسِ دینیہ علم دین پڑھنے اور پڑھانے کے مرکز ہیں۔ ان میں جو علم دین پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے یہ سب صدقۂ جاریہ ہے، مدارس جو علم دین کا مرکز ہیں وہ خود بھی صدقہ جاریہ ہیں۔

اشاعتِ دین کا مقام

علم دین ایک بہت بڑی عبادت ہے، چنانچہ جتنی بھی نفلی عبادتیں ہیں ان میں سب سے زیادہ ثواب اس کا ہے یہاں تک کہ جہاد سے بھی، یہاں تک کہ تبلیغ سے بھی، تبلیغ اور جہاد سے بھی زیادہ فضیلت علم دین کی ہے، اس لئے تمام نفلی عبادات میں سب سے زیادہ باعثِ اجر وثواب جو عمل ہے وہ دین کا علم سیکھنا اور سکھانا ہے۔ اس لئے بلاشبہ یہ اہم صدقۂ جاریہ ہے۔

ختم نہ ہونے والا صدقۂ جاریہ

کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کو نورانی قاعدہ پڑھا دیا، کسی کو قرآن شریف باتجوید پڑھا دیا، کسی کو علومِ شرعیہ پڑھا کر قرآن شریف کے معنیٰ اور مطلب سے آگاہ کر دیا، کسی کو مزید علومِ شرعیہ پڑھا کر باقاعدہ عالم اور عالمہ بنا دیا، اس نے آگے بڑھ کر کسی اور کو مفتی بنا دیا، اس کے بعد پڑھانیوالا دنیا سے چلا گیا، اب جتنا اس نے زندگی میں دین پڑھایا تھا اس

کے بعد اس کے شاگرد پڑھا رہے ہیں اور اس کو برابر ثواب مل رہا ہے، اگر اس کے شاگردوں نے، طلبہ نے، طالبات نے، بنین نے، بنات نے، اپنے اساتذہ سے سیکھ کر، اپنی معلّمات سے سیکھ کر دوسروں کو سکھادیا اور دوسروں کو پڑھادیا اور دوسروں تک پہنچایا، جس کو پہنچا پھر انہوں نے آگے پڑھانا شروع کردیا تو بس یہ ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہوگا جو انشاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا، سب سے پہلے جس نے پڑھایا تھا اس کو اپنے پڑھانے کا ثواب اپنی قبر میں ملے گا اور جب مزید واسطہ در واسطہ یہ سلسلہ چلے گا تو اس کا ثواب الگ ہوگا، اب اس سے اندازہ لگایئے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے زمانہ سے لے کر ہم تک تقریباً چودہ سو سال ہوگئے ہیں اور پندرہویں صدی چل رہی ہے تو حضور ﷺ سے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سیکھا، صحابہؓ سے تابعینؒ نے سیکھا، تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے سیکھا اور آج تک ایک دوسرے سے علمِ دین سیکھتے سکھاتے چلے آرہے ہیں اور آج چودہ سو (۱۴۰۰) سال کے بعد اس پندرہویں صدی میں یہ تمام علوم شرعیہ ہم تک پہنچ گئے ہیں اور ہمارے مدرسوں میں ان کو پڑھایا پڑھایا جارہا ہے جتنے ہم سے پہلے گزرے ہیں بعد والے ان کے لئے صدقۂ جاریہ ہیں، ان کی علمی محنتیں، تعلیمی اور تصنیفی کاوشیں سب صدقۂ جاریہ ہیں، اب جو بھی بندے اور بندیاں ان کی تصنیفوں اور علوم کو پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوئے ہیں ان سب کا ان کو برابر ثواب ملتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

تعلیم و تعلّم سونے کی زنجیر ہے

علم پڑھنے پڑھانے کی مثال سونے کی زنجیر کی سی ہے، اب اس سونے کی زنجیر میں جو بھی جڑ جائے گا تو وہ بھی اس چین میں چل پڑے گا۔

اس کا ایک سرا سرکار دو عالم ﷺ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا آخرت سے جڑا ہوا ہے جو بھی اس سے ہمکنار ہو جائے گا اور اس زنجیر سے جڑ جائے گا بس وہ بھی سونا بن جائے گا، لہٰذا اگر ایک استاذ نے اپنی زندگی میں ایک ہزار طلبہ اور طالبات کو دین کا علم سکھایا، اس کے مرنے کے بعد ایک ہزار طلبہ اور طالبات جو ساری زندگی اس علم کو پڑھیں گے، پڑھائیں گے، سیکھیں گے، سکھائیں گے، عمل کریں گے، عمل کرائیں گے، تبلیغ کریں گے، اشاعت کریں گے، جتنے بھی وہ نیک کام کریں گے اس علم کو حاصل کرنیکی وجہ سے ان تمام اعمال صالحہ کا ثواب استاذ کو ہوگا۔

دینی مدارس آخرت بنانے کی فیکٹریاں ہیں

اس لئے یہ مدرسے، جامعات اور مکاتب قرآنیہ اس لحاظ سے آخرت میں اجر وثواب کمانے کا بہت ہی بڑا ذریعہ ہیں اور یوں کہنا چاہئے کہ یہ آخرت کے کارخانے ہیں، یہ فیکٹریاں ہیں، جس نے یہاں کوئی مشین لگادی مثلاً ایک مشین تو استاذ ہے، طلبہ وطالبات ہیں اور دوسرے یہ عمارت خواہ وہ دنیا میں رہے یا نہ رہے اس کی یہ مشین چلتی رہے گی اس سے جتنے لوگ پڑھتے رہیں گے، پڑھاتے رہیں گے اس کا ثواب ملتا رہے گا اور اس کو اجر وثواب کے پارسل ملتے رہیں گے بہر حال یہ علم بھی صدقۂ جاریہ ہے اور اس میں پڑھنا اور پڑھانا بھی صدقۂ جاریہ ہے، لیکن ہر آدمی پڑھا نہیں سکتا کیونکہ علم دین پڑھانے کا کام ہی ایسا ہے کہ آدمی جب کم از کم قرآن شریف پڑھا ہوا ہو تو وہ آگے پڑھا سکتا ہے، اس کے بغیر پڑھانا مشکل ہے، اس لئے علم دین عالم ہی پڑھا سکتا ہے، عام آدمی کیسے پڑھا سکتا ہے؟ نہیں پڑھا سکتا۔

عوام کے لئے صدقۂ جاریہ کی مختلف صورتیں

ایسے لوگ جو خود پڑھا نہیں سکتے ان کے لئے بھی راستہ ہے، وہ راستہ یہ ہے کہ وہ نورانی قاعدے، قرآن مجید، تفسیر کی کتابیں، حدیث کی کتابیں، فقہ کی کتابیں اور شریعت کی کتابیں فراہم کریں اور مدارس میں وقف کریں، ان کے لئے یہ مستقل صدقۂ جاریہ ہے، اب اس کی کتابوں سے طلبہ پڑھ رہے ہیں، اساتذہ پڑھا رہے ہیں اور جب تک وہ کتابیں رہیں گی اوران سے پڑھنا پڑھانا جاری رہے گا اوران سے پڑھ پڑھ کر عالم بنیں گے، حافظ بنیں گے، قاری بنیں گے تو کتاب دینے والے کو سب کا ثواب ملے گا، کتاب چھپوانا تو ہمارے اختیار میں ہے، اگر نہیں چھپوا سکتے تو قیمۃً خرید کر مدرسہ میں وقف کردیں، گو کہ جس طرح ہم خود عالم نہیں بن سکے مگر ان کتابوں سے عالم بننے کا ثواب تو حاصل کر سکتے ہیں۔

چہل حدیث کی خاص فضیلت

حدیث میں ہے:

سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا حَدُّ الْعِلْمِ اِذَا بَلَغَهٗ الرَّجُلُ كَانَ فَقِيْهاً؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "مَنْ حَفِظَ عَلٰى اُمَّتِىْ اَرْبَعِيْنَ حَدِيْثاً فِىْ اَمْرِ دِيْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيْهاً وَكُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَافِعاً وَشَهِيْدًا۔

(مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳٦ ج۔ ۱)

ترجمہ

رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ علم کی وہ حد کیا ہے جب آدمی وہاں تک پہنچ جائے تو وہ فقیہ ہو جائے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص میری امت پر (شفقت کرتے ہوئے) دین کے معاملہ میں چالیس حدیثیں یاد کرے اللہ پاک اس کو (قیامت کے دن) فقیہ بنا کر اٹھائیں گے اور میں اس کے لئے روز قیامت شفاعت کروں گا اور اس کے لئے گواہی دوں گا۔

لہٰذا اگر عالم بننے کی فضیلت حاصل کرنی ہے تو چالیس حدیثیں یاد کرلیں۔ چالیس حدیثیں جو شخص یاد کرلے گا قیامت میں وہ عالموں کی صف میں ہوگا۔ اگر زبانی یاد کرنا مشکل ہو تو پھر چھپوا کر تقسیم کردیں۔ بہرحال جس نے چالیس حدیثیں حضور ﷺ کی امت کے فائدے کی حضور ﷺ کی امت تک پہنچادیں وہ بھی عالموں کی صف میں کھڑا ہوگا، عالم کہاں اور کہاں چالیس حدیثیں؟ اور چالیس حدیثیں کتابوں کی شکل میں بھی چھپی ہوئی ہیں انہیں خرید کر تقسیم کردیں اور ایسی چھوٹی چھوٹی چہل احادیث بھی ہیں کہ ایک ہی صفحہ میں چالیس حدیثیں ہیں اور ایسی چالیس احادیث چالیس دن میں آدمی زبانی یاد کرسکتا ہے، بہرحال علم ایک عظیم صدقہ جاریہ ہے۔

مدارس کی قدر کریں

اس لئے مدرسوں کی جہاں پر قرآن شریف کی تعلیم ہوتی ہو، دینی

علوم کی تعلیم ہوتی ہو قدر کرنی چاہئے اور قدر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ یہ بھی ہماری آخرت بنانے کا ذریعہ ہیں، ہماری جتنی حیثیت ہو اور جتنی اس میں حصہ لینے کی طاقت ہو حلال مال سے، خلوص کے ساتھ اس میں حصہ لینا چاہئے، نہ کسی کو بتائیں نہ کسی کے سامنے تذکرہ کریں اور اگر کوئی تذکرہ کرے تو اس کو بھی پسند نہ کریں، دل میں سوچیں کہ میں نے یہ دنیا کو دکھانے کیلئے نہیں دیا ہے بہرحال اس حدیث شریف میں جتنے بھی صدقے ذکر کئے گئے ہیں ان میں علم دین کا صدقہ سب سے بڑھ کر ہے اس سے بڑھ کر کوئی اور صدقۂ جاریہ نہیں۔

نہر بنوانا بھی صدقۂ جاریہ ہے

دوسری مثال حدیث شریف میں یہ فرمائی گئی کہ:

اَوْ کَرٰی نَھْرًا

یا اس نے نہر بنادی

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے

پانی انسان کی بنیادی ضرورت ہے، جہاں پانی نہیں ہوتا وہاں لوگ کتنی تکلیف سے زندگی گزارتے ہیں اور کتنے میلوں سے پانی لے کر آتے ہیں اور جس علاقہ سے نہر گزرتی ہو وہاں راحت کی کوئی انتہا نہیں کہ ہر وقت پانی موجود ہے، ٹھنڈا میٹھا پانی موجود ہے جس کے لانے میں کوئی تکلیف نہیں، کپڑے دھونے میں کوئی تکلیف نہیں، برتن دھونے میں کوئی تکلیف نہیں، گھر کے اندر پانی استعمال کرنے میں کوئی تکلیف نہیں۔ بہرحال یہ بھی صدقۂ

جاریہ ہے۔

نہرِ زبیدہ

اس پر مجھے ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ کی نہر کا قصہ یاد آیا۔ جو میں سنانا چاہتا ہوں، یہ بہت سبق آموز واقعہ ہے۔ نہر زبیدہ بنوانے سے پہلے زبیدہ نے ایک خواب دیکھا جو ظاہراً اچھا نہ تھا۔ جبکہ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ بڑی عابدہ، زاہدہ، بڑی نیک اور اللہ والی خاتون تھی اس نے دیکھا کہ میں ایک چوراہے پر ہوں اور جو شخص آرہا ہے مجھ سے بدکاری کر کے جارہا ہے، ایک عابدہ، زاہدہ خاتون کو ایسا خواب نظر آنا اس کے لئے بہت ہی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس نے جب یہ خواب دیکھا تو پریشان ہوئی اور اپنی خادمہ کو کہا کہ تم یہ خواب اپنی طرف منسوب کر کے علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر تعبیر پوچھو کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ میرا نام نہ بتانا، اپنا اس نے نام بتانے سے اس لئے منع کیا کہ اس نے سوچا بظاہر اس قسم کے خواب کی تعبیر بہت ہی خراب ہوگی جو میرے لئے رسوائی کا باعث ہوگی۔ لہٰذا اس کے کہنے کے مطابق خادمہ نے علامہ ابن سیرینؒ سے جا کر کہا کہ حضرت! میں نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے اس کی کیا تعبیر ہے؟ علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے جب خواب سنا تو کہا ''یہ تیرا خواب نہیں ہے'' یہ تیرا خواب نہیں ہوسکتا، ایسا خواب تو ہر کس و ناکس نہیں دیکھ سکتا، یہ تو کسی خوش نصیب شخص کا خواب ہے، یہ تو بہت اہم خواب ہے، سچ سچ بتا کس کا خواب ہے؟ خادمہ نے کہا حضرت! جس کا یہ خواب ہے اس نے نام بتانے سے منع کیا ہے، علامہ ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ جا کر اس سے اجازت لے کر آ، ورنہ میں خواب کی

تعبیر نہیں بتاؤں گا، خادمہ زبیدہ کے پاس واپس آئی اور کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ یہ تیرا خواب نہیں ہے، جس کا خواب ہے اس کا نام بتاؤ تب تعبیر بتاؤں گا، حضرت سمجھ گئے ہیں کہ یہ میرا خواب نہیں ہے کسی اور کا خواب ہے، زبیدہ نے خادمہ سے کہا اچھا جا کر میرا نام بتادو کہ زبیدہ نے یہ خواب دیکھا ہے، خادمہ نے جا کر عرض کیا حضرت! زبیدہ نے یہ خواب دیکھا ہے، علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اسی لئے میں نے کہا تھا کہ یہ تیرا خواب نہیں ہے، ایسا خواب ہر کس و ناکس دیکھ ہی نہیں سکتا یہ تو کسی خوش قسمت ہی کا خواب ہوسکتا ہے، پھر علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے تعبیر دی کہ اللہ تعالیٰ ملکہ کے ہاتھ سے ایسا صدقۂ جاریہ قائم فرمائیں گے جس سے رہتی دنیا تک لوگوں کو فائدہ پہنچے گا۔ اب ظاہراً خواب کیسا؟ اور اس کی تعبیر کیسی اعلیٰ؟ اس نے زبیدہ سے جا کر ذکر کیا، زبیدہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ کا شکر ہے کہ تعبیر ایسی اچھی ملی، حالانکہ خواب تو بظاہر بڑا خراب تھا۔

پھر چند سالوں کے بعد ہارون الرشید نے حج کا ارادہ کیا ملکہ زبیدہ بھی ساتھ گئیں، تقریباً یہ آج سے بارہ سو سال پہلے کی بات ہے، ہارون الرشید کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں پانی کی بے حد تنگی تھی، حاجیوں کو بہت تکلیف ہوتی تھی، جب ہارون الرشید وہاں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کی ہارون الرشید سے پانی کا انتظام کرنے کے لئے خود تو کہنے کی ہمت نہیں ہوئی البتہ انہوں نے ملکۂ زبیدہ سے درخواست کی کیونکہ وہ بہت نرم دل تھی کہ مکہ مکرمہ میں پانی کی بہت تکلیف ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو وہاں پانی بآسانی ملنے کا انتظام کردیں، ملکۂ زبیدہ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ یہ تو بہت اہم جگہ ہے،

یہاں دوسرے ملکوں سے بھی لوگ آتے ہیں، ان کو پانی کی بہت تکلیف ہوتی ہے، یہ تکلیف تو ان کی دور ہونی چاہئے ملکۂ زبیدہ نے ہارون الرشید سے اس کی اجازت چاہی جو اس کو مل گئی اس وقت اسلام دنیا میں اپنے شباب پر تھا اورافسوس کہ آج زوال پذیر ہے اور اس وقت کافر طاقتیں مسلمانوں کے زیر نگیں تھیں، مسلمان دنیا کے اندر غالب تھے اوران کا ڈنکا بجا ہوا تھا، اس وقت ہرفن کے بڑے بڑے ماہرین مسلمانوں کے اندر موجود تھے۔

ملکۂ زبیدہ نے پوری سلطنت کے اندر اعلان کرادیا کہ جہاں جہاں اس کے کوئی ماہر انجینئر ہیں وہ مکہ مکرمہ آجائیں، اعلان ہوتے ہی تمام بڑے بڑے شہروں سے ماہرین جمع ہوگئے اور ایک بہت بڑی جماعت ماہرین کی وہاں حاضر ہوگئی، ان سے ملکۂ زبیدہ نے کہا: مجھے مکہ مکرمہ کے کونے کونے اور گلی گلی میں پانی چاہئے، کیسے آئے گا؟ کہاں سے آئے گا؟ یہ کام تمہارا ہے سوچو! سب مل کر منصوبہ بناؤ! مجھے بہر حال یہاں پانی چاہئے۔

سارے کے سارے انجینئر سر جوڑ کر بیٹھ گئے، سب نے مشورہ کیا اور بیٹھ کر ایک نقشہ بنایا اور مکہ مکرمہ کے چاروں طرف نہرِ زبیدہ کا جال بچھادیا، کہیں بھی کوئی چشمہ کسی پہاڑی کے اندر تھا جس سے ایک قطرہ ٹپکتا تھا اس کو بھی لے لیا، جو نالی کی شکل میں بہتا تھا اس کو بھی لے لیا، اس طریقے سے جہاں جہاں جتنے بھی چشمے تھے سب کو نہر کی شکل میں لے لیا۔

نہرِ زبیدہ کی لمبائی چوڑائی

تقریباً چودہ میل لمبی یہ نہر بنائی جس میں جگہ جگہ ٹینک بنائے کہ پانی آتا رہے اور ٹینک میں جمع ہوتا رہے اور پانی کہیں ختم نہ ہو اور جگہ جگہ ڈھکن

والے پانی کے ذخیرے بنائے تاکہ کہیں بھی شہر کے باہر ہوں تو ڈھکن اٹھا کر ان ذخیروں سے پانی حاصل کیا جاسکے، اگر کھلا ہوا ذخیرہ ہے تو وہاں سے پانی لے لیں، بند حصہ ہے تو ڈھکن اٹھا کر پانی لے لیں، اس طرح انہوں نے مکہ مکرمہ کے اندر یہ نہر زبیدہ پہنچادی، اور مکہ مکرمہ میں پانی کی قلت دور ہوگئی اور عرصۂ دراز تک اہلِ مکہ اس کے پانی سے استفادہ کرتے رہے لیکن اب یہ بند ہوچکی ہے اس کے کچھ آثار مکہ مکرمہ میں اور مکہ مکرمہ کے باہر خصوصاً میدانِ عرفات میں باقی ہیں۔ تاہم ہارون الرشید کے زمانے میں کڑوڑوں دراہم اس کے تیار ہونے پر خرچ ہوئے جو آج کے حساب سے اربوں روپے بنتے ہیں، اس طرح دنیا بھر کے حاجی مکہ مکرمہ میں نہرِ زبیدہ سے عرصہ تک نفع اٹھاتے رہے۔

جب نہر زبیدہ تیار ہوگئی تو وہ انجینئر جو اس پورے منصوبے کا ذمہ دار تھا اس نے حساب وکتاب کی فائل تیار کر کے بغداد حاضری دی اور محل میں پہنچا اس وقت ملکۂ زبیدہ دریائے دجلہ کے کنارے تفریح کر رہی تھی، اس وقت اس نے اطلاع دی کہ مکہ مکرمہ کی نہرِ زبیدہ کی تیاری کا حساب لے کر انجینئر حاضر ہوا ہے زبیدہ نے اسی وقت انجینئر کو طلب کرلیا، انجینئر نے فائل پیش کی اور عرض کیا کہ ملکہ صاحبہ یہ نہر زبیدہ کے منصوبے کی تکمیل کے حساب وکتاب کا فائل ہے۔ آپ نے جو حکم دیا تھا وہ میں نے پورا کردیا، آپ اس کو دیکھ سکتی ہیں اور مکہ مکرمہ کی گلی گلی اور کوچے کوچے میں پانی کا انتظام کردیا گیا ہے، اب مکہ مکرمہ کے رہنے والوں اور حج وعمرہ کرنے کے لئے آنیوالوں کو انشاء اللہ کسی قسم کی پانی کی کوئی تکلیف نہ ہوگی، اب یہ حساب آپ کے

سامنے ہے، آپ حساب لے لیجئے اور مجھے اجازت دیجئے، زبیدہ نے اس کا فائل لیا اس پر دستخط کیے اور اس کو درمیان سے چاک کر کے دریائے دجلہ میں ڈال دیا اور کہا:

تَرَكْنَا الْحِسَابَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ

ترجمہ

ہم نے آخرت کے حساب کی وجہ سے اس کا حساب چھوڑ دیا اور کہا اگر ہماری طرف کچھ نکلتا ہے تو لے لو اور اگر ہمارا تمہاری طرف کچھ نکلتا ہے تو ہم نے معاف کیا۔

چودہ سو سال سے یہ نہر چل رہی ہے، اب اگر چہ شہر کے اندر اس کے آثار مٹ گئے ہیں، شہر کے باہر اس کے کافی نشانات موجود ہیں اور میدان عرفات میں خاص طور سے اس کے کافی آثار موجود ہیں، پندرہ سال پہلے تو میں نے خود اس کے نلکے مکہ مکرمہ میں دیکھے تھے، اس کا پانی لے کر پیا بھی تھا لیکن آٹھ دس سال کے بعد اب وہاں سعودی حکومت نے پانی کا اتنا زبردست انتظام کر دیا ہے کہ سمندر کو میٹھا کر دیا ہے، پہلے میرا خیال یہ تھا کہ اب یہ نہر ختم ہو گئی ہے جیسا کہ شروع میں عرض کیا لیکن ایک قابلِ اعتماد دوست نے بتایا کہ اب بھی نہرِ زبیدہ جاری ہے۔ لیکن اب حکومت نے اس کو زمزم کے کنویں میں ملا دیا ہے۔ واللہ اعلم

نہرِ زبیدہ عظیم صدقۂ جاریہ ہے

بارہ سو سال سے تقریباً عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھاتے آرہے

ہیں اس کا ثواب انشاء اللہ زبیدہ کو بھی ملے گا اور اگر یہ بات درست ہے کہ اب اس کو زمزم کے کنویں میں ملا دیا ہے تو زمزم چونکہ ساری دنیا میں جارہا ہے، اس لئے یہ اس کے ثواب میں مزید اضافہ کا باعث بنتا رہے گا۔ بہر حال یہ نہرِ زبیدہ جو ایک صدقۂ جاریہ ہے، جتنے لوگ اس کو پیئں گے، جتنے آدمی اس سے غسل کریں گے، کپڑے پاک کریں گے، مسجدیں صاف ہوں گی اس کا اجر وثواب اس کو بھی انشاء اللہ تعالیٰ ملتا رہے گا۔

کنواں بنوانا

حدیث شریف میں تیسری مثال یہ دی کہ:

اَوْ حَفَرَ بِئْرًا

یا کنواں کھودا

یعنی کسی نے کہیں کنواں بنوادیا، اب کنواں ایسا صدقۂ جاریہ ہے کہ ہم میں سے ہر آدمی اس میں حصہ لے سکتا ہے نہر بنوانا تو ہمارے لئے مشکل ہے اور بنتی ہوئی نہر میں حصہ لینا ذرا مشکل ہے، لیکن اتنا تو ہم کر سکتے ہیں کہیں مسجد ہو، مدرسہ ہو، محلّہ ہو، گاؤں ہو، دیہات ہو اور وہاں پانی کی تکلیف ہو، کنواں کھدوانے کی ضرورت ہو، ٹیوب ویل لگانے کی ضرورت ہو، بورنگ کی ضرورت ہو اس میں حصہ لے لیں اور ہر جگہ حصہ لے سکتے ہیں، اس کی شہر میں بھی ضرورت ہے، دیہات میں بھی ضرورت ہے، جنگلوں میں بھی ضرورت ہے، سب جگہ اس کی ضرورت ہوتی ہے بہر حال یہ بھی صدقۂ جاریہ ہے، اس میں ضرور حصہ لیں، اس کے ذریعے جانور پانی پیئں گے، انسان کھانا پکائیں گے، کپڑے دھوئیں گے، غرض جو کچھ بھی اپنی ضرورت پوری کریں

گے سب کا ثواب ملتا رہے گا، جب تک وہ پانی جاری رہے گا اس وقت تک انشاء اللہ صدقۂ جاریہ قائم اور اس کا ثواب ملتا رہے گا، اس لئے جہاں کہیں بھی ایسا موقع ہو وہاں ہمت کر کے کچھ پیسے شامل کر لینے چاہئیں تاکہ ہمارا حصہ بھی اس میں لگ جائے اور ہم رہیں یا نہ رہیں جتنے بھی نیک کام اس پانی سے انجام پائیں ان میں ہمارا حصہ ہو۔

درخت لگانا بھی صدقۂ جاریہ ہے

صدقہ جاریہ کی چوتھی مثال حدیث شریف میں یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ:

اَوْغَرَسَ نَخْلاً

یا اس نے کوئی درخت لگایا

یعنی کسی نے کوئی درخت لگایا تو یہ بھی صدقۂ جاریہ میں ہے، چاہے سایہ دار لگائے یا پھل دار درخت لگائے، بہرحال اس کے پتوں سے، اس درخت کی شاخوں سے، اس درخت کے پھلوں سے جو بھی مستفید ہوگا، چاہے انسان مستفید ہوں یا جانور، مرنے والے کو اور اس درخت لگانے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا، اس لئے جہاں کہیں درخت لگانے کی ضرورت ہو ضرور درخت لگانا چاہئے اور اس نیت سے درخت لگانا چاہئے تاکہ اس سے دوسروں کو راحت ملے، دوسروں کو سایہ ملے، دوسروں کو پھل ملے، دوسروں کو پتے ملیں، جانوروں کو بھی ملیں، سب کو فائدہ اور سب کو فیض پہنچے اور جس کو جس قسم کا فیض پہنچ جائے گا درخت لگانے والے کو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ملے گا، لہٰذا جب تک وہ درخت رہے گا لگانے والے کو اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

قرآن شریف میراث میں چھوڑنا

اس حدیث میں پانچویں مثال یہ دی ہے کہ

اَوْ وَرَّثَ مُصْحَفاً

ترجمہ

یا اس نے قرآن کریم ترکہ میں چھوڑا۔

یعنی اگر کوئی شخص قرآن شریف چھوڑ کر چلا گیا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث اس قرآن شریف کو پڑھتے رہے تو جب تک وہ قرآن شریف صحیح، سلامت رہے گا اور جب تک اس کے گھر والے اس کو پڑھتے رہیں گے برابر اس کو ثواب ملتا رہے گا، اس صدقہ میں یہ بھی داخل ہے کہ قرآن شریف کی اگر مسجد میں ضرورت ہو تو وہاں لاکر رکھنا، مدرسہ میں ضرورت ہو تو مدرسہ میں دینا۔

مسجد میں قرآنِ کریم رکھنے کا حکم

لیکن مسجد میں رکھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس مسجد میں ضرورت ہے یا نہیں ہے، آجکل مسجدوں میں لوگوں نے اتنے قرآن پاک رکھ دیئے ہیں کہ گل کر ختم ہو رہے ہیں، تعداد اتنی ہے کہ وہ پڑھنے والوں سے زیادہ ہے، اس لئے قرآن شریف رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ پڑھا جاسکے اور جب وہ اتنی تعداد میں پہلے سے موجود ہیں کہ کوئی پڑھے گا نہیں تو یہ اپنے صدقہ کو ضائع کرنا ہے، اس کو رکھے رکھے دیمک کھا جائے گی اور ہمارا نقصان ہوگا، اس لئے دیکھ بھال کر یہ کام کریں جہاں ضرورت ہو وہاں دیں۔

ایک اہم مشورہ

اس لئے احقر کا مشورہ ہے کہ اگر قرآن شریف کی ضرورت نہیں ہے، نورانی قاعدوں کی ضرورت ہے تو وہ دیدیں، دینی کتابوں کی ضرورت ہو تو وہ دیدیں، جس چیز کی ضرورت ہو وہ خرید کر وقف کردیں اللہ کی رضا کے لئے، مسجد میں ضرورت ہو مسجد میں، مدرسہ میں ضرورت ہو مدرسہ میں وقف کریں تاکہ وہ کتابیں پڑھی اور پڑھائی جائیں، اور آپ رہیں یا نہ رہیں آپ کو اس کا ثواب ملتا رہے، قرآنِ کریم جو کہ ساری کتابوں کا سردار ہے اس کا ذکر بطور مثال آ گیا ہے، باقی تمام دینی کتابیں اس کے تحت آگئیں کہ ان کا وقف بھی صدقۂ جاریہ ہے۔

مسجد بنانا

اَوْ بَنٰی مَسْجِدًا

یا کوئی مسجد بنادی

ایک وہ شخص ہے جس نے مسجد بنادی تو یہ مسجد بھی بڑا اونچا صدقۂ جاریہ ہے، بہت ہی اعلیٰ صدقۂ جاریہ ہے، جس نے یہ مسجد بنائی یا مسجد کی تعمیر میں تھوڑا سا بھی حصہ لے لیا اخلاص سے اور مالِ حلال سے تو حدیث میں آتا ہے کہ کسی نے قطا پرندے کے گھونسلے کے برابر مسجد کی تعمیر میں حصہ لے لیا جس کا اندازہ ایک اینٹ کے برابر ہے تو اللہ پاک قیامت کے دن اس کو جنت میں پورا ایک محل عطا فرمائیں گے اور اس میں جتنے نیک کام ہوں گے سب کا ثواب ان شاء اللہ تعالیٰ مسجد میں حصہ لینے والے کو ملتا رہے

گا، اور جب تک مسجد رہے گی انشاء اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس میں نمازیں بھی ہوں گی، ذکر بھی ہوگا، اور تسبیح بھی ہوگی، تلاوت بھی ہوگی، دعا بھی ہوگی، اعتکاف بھی ہوگا، تعلیم بھی ہوگی قرآنی نصیحتیں بھی ہوں گی، جتنے بھی نیک کام ہیں جو مسجد میں ہوتے رہتے ہیں، ان سب کا ثواب مسجد کی تعمیر میں حصہ لینے والے کو ملے گا، اس لئے یہ بھی بہت اعلیٰ درجہ کا صدقۂ جاریہ ہے۔ حسب استطاعت اس میں بھی حصہ لیتے رہنا چاہئے۔

نیک اولاد

آخر میں ساتویں مثال صدقۂ جاریہ کی یہ بیان فرمائی کہ:

اَوْ تَرَكَ وَلَداً يَسْتَغْفِرُلَهٗ بَعْدَ مَوْتِهٖ

یا ایسا لڑکا چھوڑا جو اس کی موت کے بعد اس کے لئے استغفار کرتا رہتا ہے۔

یعنی کسی نے اپنے پیچھے نیک اولاد چھوڑی، اگر وہ اولاد نیک عالم ہو تو بہت ہی اچھا ہے، لیکن اگر وہ عالم نہیں ہے لیکن نیک ہے، تو یہ بھی اس کے لئے صدقۂ جاریہ ہے مثلاً اپنی زندگی میں اولاد کو نیک راستے پر لگاتا رہا، اس کو دیندار بناتا رہا، نیک کاموں میں لگاتا رہا، دنیا سے اس حال میں گیا کہ اس کی اولاد نیک ہے، آوارہ، بدمعاش نہیں ہے، دین سے دور نہیں ہے، دیندار ہے، باعمل ہے، متقی اور پرہیزگار ہے تو یہ پرہیزگار اولاد بھی ماں باپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے جو اپنے والدین کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ ایصالِ ثواب بھی کرے گی اور مغفرت کی دعا بھی کرے گی، قربانی بھی کرے گی، صدقہ بھی دے گی، اور دوسرے کارہائے خیر بھی اپنے والدین کی طرف سے کرے گی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا واقعہ

یاد رکھئے! نیک اولاد کبھی اپنے ماں باپ کو نہیں بھولتی، جو نافرمان، فاسق وفاجر اولاد ہوتی ہے اور دین سے دور ہوتی ہے وہ بسا اوقات فراموش کرنے والی ہوتی ہے نیک اولاد کبھی اپنے ماں باپ کو فراموش کرنے والی نہیں ہوتی، مجھے اپنے حضرتؒ کا واقعہ یاد آیا، ہمارے حضرت (مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) نے فرمایا کہ جب میرے والد صاحب کے انتقال کا وقت قریب آیا (ہمارے حضرتؒ کے والد صاحب مولانا محمد یٰسین صاحبؒ ہیں جو دارالعلوم دیوبند میں فارسی کے استاذ تھے، بڑے عابد، زاہد اور حضرت گنگوہیؒ کے مریدین میں سے تھے، تو حضرت نے فرمایا کہ جب میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ کے انتقال کا وقت قریب آیا) تو انتقال سے کچھ پہلے میں حضرت والد صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضرت والد صاحب نے ایک بات ارشاد فرمائی کہ میاں محمد شفیع! بھول تو سب ہی جایا کرتے ہیں، ذرا جلدی مت بھولنا، حضرت فرماتے ہیں کہ والد صاحبؒ نے کچھ ایسے انداز سے یہ بات ارشاد فرمائی کہ میرے دل کے اندر نقش ہوگئی اور اس وقت جب حضرت کی عمر تقریباً اسی (۸۰) یا بیاسی (۸۲) سال کی ہو چکی تھی حضرت نے فرمایا کہ آج تک میرے دل میں یہ بات ایسی تازہ ہے جیسے ابھی ابھی میرے والد صاحب نے مجھ سے کہی ہے حالانکہ حضرت والد صاحب کا انتقال ہوئے بھی برسہا برس گزر چکے تھے لیکن چونکہ حضرت مفتی صاحبؒ ان کے نیک وصالح بیٹے تھے کیسی ان کی وصیت تھی؟ پھر کس طرح

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کو یاد رکھا کہ روزانہ اپنے والد صاحب کے واسطے ایصالِ ثواب فرماتے تھے۔

بہرحال نیک اولاد بھی صدقہ جاریہ ہے، تو بھئی! ہمیں بھی اپنی اپنی اولاد پر محنت کرنی چاہئے، اور اس کو نیک بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اولاد کی اصلاح پر خصوصی توجہ دیں

اولاد کی اصلاح پر خصوصی توجہ دینی چاہئے، دنیاوی علوم پڑھنا پڑھانا منع نہیں ہے لیکن دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ ان کو نیک لوگوں کی صحبت میں لانا اور بھیجنا ضروری ہے، ان کو تبلیغی جماعت سے جوڑیں، اگر وہ تبلیغی جماعت سے جڑیں گے تو ان میں دینداری آئے گی، آخرت کی فکر آئے گی، نیک وصالح بنیں گے، ماں باپ کی قدر پہچانیں گے، اس لئے خود بھی جڑیں اور انہیں بھی جوڑیں، علماء حق اور بزرگانِ دین سے جوڑیں تو بہرحال نیک اولاد بھی ماں باپ کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔

اس طرح حدیث شریف میں صدقۂ جاریہ کی سات مثالیں بیان کی گئی ہیں جو اہم اور بنیادی ہیں، لہٰذا زندگی میں جب اور جہاں صدقۂ جاریہ کا موقع ملے اس میں حصہ لینے سے دریغ نہ کریں، آج کا دیا انشاء اللہ تعالیٰ کل کام آئے گا۔

صدقۂ جاریہ کا آسان طریقہ

اب آخر میں صدقۂ جاریہ میں حصہ لینے کا جو آسان طریقہ ہے وہ عرض کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جہاں پیسے کی ضرورت ہو اپنے حلال پیسوں میں

سے کچھ پیسے اپنی حیثیت کے مطابق محض اللہ کی رضا کے لئے خاموشی سے دے دیں، اگر کوئی ایک روپیہ دے سکتا ہے تو ایک ہی روپیہ دیدے، کوئی آٹھ آنے لگا سکتا ہے آٹھ آنے لگا دے اگر کوئی ایک لاکھ لگا سکتا ہے تو ایک لاکھ روپیہ لگا دے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں اخلاص کی قدر ہے

اللہ پاک خلوص کو دیکھتے ہیں فلوس کو نہیں دیکھتے، یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اللہ پاک پیسوں کو نہیں دیکھتے، دل کے خلوص کو دیکھتے ہیں، ایک آدمی خلوص سے ایک لاکھ روپیہ دے رہا ہے، ایک آدمی خلوص سے ایک روپیہ دے رہا ہے اللہ تعالیٰ دونوں کو برابر ثواب دیں گے ان کے خلوص کی وجہ سے، اللہ پاک مقدار کو نہیں دیکھتے دل کو دیکھتے ہیں، دل میں جتنا خلوص ہوگا، جتنا اللہ کو راضی کرنے کی نیت ہوگی جس قدر نام ونمود اور دکھاوے سے وہ دور ہوگا اور پاک ہوگا اتنا ہی اس کا صدقہ عظیم ہوگا اور اجر وثواب کا باعث ہوگا۔

دیکھئے! یہ کتنا آسان راستہ ہے دینے کا کہ حلال مال دو اور خلوص کے ساتھ دو، خواہ کتنا ہی کم ہو۔

رقم خرچ کئے بغیر تعمیر مسجد میں حصہ لینا

اگر کسی کے پاس پیسے ہی نہیں ہیں دینے کے لئے تو اول تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پیسے نہیں ہیں، کیونکہ جب دنیا کے ہر کام کے لئے الحمد للہ ہمارے پاس پیسے موجود ہیں تو اللہ کے راستے میں دینے کے لئے بھی پیسے ہو

نے چاہئیں، لیکن فرض کرلو کسی کے پاس واقعۃً پیسے نہیں ہیں اور کوئی دینی مدرسہ تعمیر ہورہا ہے یا مسجد بن رہی ہے تو اس میں اس طرح بھی حصہ لے سکتا ہے کہ تعمیر کے لئے اینٹیں اٹھا اٹھا کر رکھ دیں، مسالہ پہنچادیں، ملبہ ڈال دیں یہ بن پیسے مبارک صدقۂ جاریہ میں شرکت کی ترکیب ہے کہ ایک پائی خرچ نہیں ہوئی، صرف جان خرچ ہوئی اور یہ جان لگانا بھی صدقۂ جاریہ میں حصہ لینا ہے، خود سرکارِ دو عالم ﷺ کا ایسا مبارک عمل ثابت ہے اور صحابۂ کرامؓ سے ثابت ہے کہ جب مسجد قباء کے لئے تعمیر ہوئی تو سرکارِ دو عالم ﷺ بنفس نفیس اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اس میں شریک ہوئے، سب نے پتھر لالا کر دیواریں تعمیر کیں اور مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی تو حضور ﷺ نے بھی پتھر ڈالے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی پتھر ڈالے اور سب نے مل کر مسجدِ نبوی کی تعمیر کی اور اس میں حصہ لیا، تو اس طرح بھی ایسے کارِ خیر میں ہر شخص حصہ لے سکتا، یہ کوئی مشکل بھی نہیں، دن کو اپنا دنیا کا کام کریں، شام کو کسی کے ساتھ مل کر راتوں رات اِدھر سے اُدھر بجری، سیمنٹ کی بوریاں منتقل کردیں، سویرے سہولت ہوجائے گی، مزدوری بچ جائے گی اور ہمارا حصہ لگ جائے گا۔

اگر خود مزدور بننا بھی مشکل ہے تو چوکیداری کریں، نگرانی کا کام کریں کہ سیمنٹ کہیں چوری نہ ہوجائے، سریا نہ اٹھ جائے، چوکیدار بن جانا بھی حصہ لینا ہے اگر چوکیدار بننا بھی مشکل ہے تو پھر کوئی خیر خواہی کا مشورہ دیدیں، کسی کے ذہن میں اگر کوئی اچھا سا مشورہ آرہا ہے جس کا مسجد یا مدرسہ کے لئے دینا مفید ہے تو اس نیت سے کہ چاہے انتظام کرنے والے میرے

مشورہ پر عمل کریں یا نہ کریں، میں اپنا کام کردوں اور مشورہ دیدوں، یہ بھی ایک طرح سے شرکت ہے۔ لیکن پھر سمجھ لیں کہ اپنا مشورہ منوانے کی نیت سے اور عمل کرانے کی نیت سے نہ دیں، اچھی بات پہنچانے کی نیت سے مشورہ دیں ورنہ اگر منوانے کی نیت سے مشورہ دیں گے تو جھگڑا ہوگا، فساد پھیلے گا، بس اللہ کی رضا کے لئے خیر خواہی کا جو مشورہ ذہن میں آرہا ہے وہ منتظمین کو پہنچادیں اور اپنے ذہن میں یہ رکھیں، یہ میرے مشورہ پر عمل کریں تب بھی راضی، عمل نہ کریں تو بھی راضی، یہ بھی صدقۂ جاریہ میں ایک قسم کا حصہ ہے۔

دعا کرنے والا بھی اجر میں برابر کا شریک ہوتا ہے

ایک طریقہ اس سے بھی آسان ہے۔ وہ یہ کہ صدقۂ جاریہ مکمل ہونے کی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کی تعمیر آسان فرمادیں اور اس کی تعمیر کو ہمیشہ قائم رکھیں، اس کی ہمیشہ حفاظت فرمائیں، اس میں ہمیشہ دین کی نشرواشاعت جاری رہے، دین اور قرآن کی تعلیم ہمیشہ جاری رہے، یہاں سے کلام اللہ اور دوسرے علومِ دینیہ کی اشاعت ہو، یہاں سے لوگوں کی، محلّہ والوں کی اصلاح اور تربیت ہو، یہاں سے قرآن پڑھنے والے حافظِ قرآن بن کر نکلیں، دین ہمارے گھروں میں آجائے، محلے والوں میں، بازاروں میں، شہروں میں دین آجائے اور یہ دین ساری دنیا میں پھیل جائے وغیرہ۔

یاد رکھیں! مؤمن کے دل سے نکلنے والی دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی دعا کی بدولت غیب سے اس کی تکمیل کا انشاء اللہ تعالیٰ انتظام فرمادیں گے، اگر پیسے کی ضرورت ہوگی تو پیسے آجائیں گے،

سریا وسمنٹ کی ضرورت ہوگی تو وہ آجائے گا، جس چیز کی ضرورت ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ وہ آسانی سے مہیا ہو جائے گی، اس لئے جب اخلاص کے ساتھ دعا ہوگی تو دعا ہی سے کام چلیں گے۔ درحقیقت کاموں کو کرنے والے اللہ پاک ہیں، بندہ کرنے والا نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا احسان ہے کہ ہم سے دعا کرالیں، یا مشورہ دلوادیں، یا جسمانی محنت ومزدوری کرادیں، یا ہم سے پیسے دلوادیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس پر بھی ہو جائے، اور جتنا بھی ہو جائے وہ سب اس کا کرم ہے۔ بہرحال ان صورتوں میں حصہ لینا اس کے لئے صدقۂ جاریہ ہوگا اور جب تک وہ صدقۂ جاریہ قائم رہے گا ان کو برابر ثواب ملتا رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد بھی قبر میں انشاء اللہ ثواب پہنچتا رہے گا، اس لئے بھئی! یہ مدرسہ بھی صدقۂ جاریہ ہے، مسجد بھی صدقۂ جاریہ ہے، علم بھی صدقۂ جاریہ ہے، قرآن شریف بھی صدقۂ جاریہ ہے، اب جس کو جہاں جس صدقۂ جاریہ میں حصہ لینے کا موقع مل جائے وہ اس میں حصہ لینے میں کوتاہی نہ کرے، جتنا بھی ہو سکے، جیسے بھی ہو سکے اس میں حصہ ڈال لیں تا کہ اس کا یہ حصہ آخرت کیلئے صدقۂ جاریہ بن جائے۔

غرض صدقہ کی مختلف صورتیں ہیں ان میں سے بعض کا ذکر درج ذیل حدیث میں ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا: فَإِنْ لَمْ يَجِدْ؟ قَالَ: فَيَعْمَلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ، قَالُوْا: فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ: فَيُعِيْنَ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ

قالُوا : فإنْ لَّمْ يَفْعَلْ ؟ قَالَ : فَلْيَأْمُرْ بالْخَيْرِ أوْقَالَ بالْمعْرُوفِ ، قَالَ: فَإنْ لَمْ يَفْعَلْ ؟ قَالَ : فَلْيُمْسِكْ عنِ الشَّرِّ فَإنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ ۔

(رواه البخاري "مطبوعة بيروت" : ۵،ص:(۲۲٤۱)

ترجمہ

آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا کہ ہرمسلمان پر صدقہ کرنا لازم اور ضروری ہے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ اگر وہ (صدقہ کرنے کیلئے کوئی چیز) نہ پائے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایاوہ اپنے ہاتھ سے مزدوری کرے اور خودکو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ اگر وہ یہ (بھی) نہ کرسکےتو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کسی پریشان حال شکستہ دل حاجتمند کی مدد (کرکے صدقہ کا ثواب حاصل) کرے، صحابۂ نے عرض کیااگر وہ یہ (بھی) نہ کرسکے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ خیر کاحکم کرے یافرمایانیکی کاحکم دے صحابہ نے عرض کیا کہ اگر وہ یہ (بھی) نہ کرسکے؟ تو آپ نے فرمایاوہ کسی کوتکلیف دینے سے بازرہے،اس کے لئے یہی صدقہ ہے۔

(رواہ البخاری)

بس اب دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے صدقات پرعمل کرنے کی توفیقِ کامل عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین

وآخر دعانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

ختم بخاری شریف

- وحی کی ضرورت
- ایمان کی اہمیت
- حُسنِ نیت کی افادیت
- عملِ صالح کی ضرورت

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا۔

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (سورہ الاحزاب پ ۲۲)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ (صحیح البخاری ج ۲) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

بابرکت مجلس

میرے قابلِ احترام بزرگو! محترم اساتذۂ کرام، معزز مہمان اور معزز حاضرین، محترم معلمات، عزیز طلبہ اور طالبات اللہ رب العزت کا ہم سب پر یہ فضل ہے کہ آج ہم سب بخاری شریف کی اس آخری حدیث کی تلاوت کرنے اور اس کے متعلق دین کی کچھ باتیں سننے اور سنانے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، جس کی ہم جتنی بھی قدر کریں کم ہے اس لئے کہ جس محفل میں اللہ جل شانہ کا ذکر ہو اور رحمت عالم جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا ذکر ہو تو ان کا ذکر بذات خود وہ باعث برکت، باعث خیر ہے، اور جس جگہ مسلمان جمع ہوں وہاں بھی دعا قبول ہوتی ہے اور اگر وہاں جمع ہو کر اللہ جل شانہ اور اس کے دین کا اور اس کے حبیب ﷺ کا تذکرہ کریں تو فرشتے اس محفل کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں اور اللہ جل شانہ کی طرف سے ان پر رحمت خاص کا نزول ہوتا ہے۔ پھر اس محفل میں تو کلام پاک کے بعد جو سب سے زیادہ مستند، معتبر اور صحیح ترا حادیث طیبہ کا مجموعہ ہے جو پوری دنیا کے اندر مشہور و معروف ہے جس کو بخاری شریف کہتے ہیں اس کی آخری حدیث کا بیان ہے اور بلاشبہ جس طرح قرآنِ کریم کسی محفل میں ختم کیا جائے تو اس محفل میں قرآنِ کریم کے ختم پر مانگی جانے والی دعاء قبول ہوتی ہے، اسی طرح بخاری شریف میں بھی اللہ پاک نے یہ برکت رکھی ہے کہ جس محفل میں یہ ختم ہو اس محفل میں مانگی جانے والی دعاء قبول ہوتی ہے، اسی لئے ہمارے اکابر کا یہ معمول چلا آرہا ہے کہ جب بخاری شریف کا ختم ہوتا ہے تو بخاری شریف کی آخری حدیث کے بارے میں پہلے کچھ بیان

ہوتا ہے اس کے بعد دعاء ہوتی ہے اور وہ دعاء اس لئے ہوتی ہے کہ اس مجلس میں بخاری شریف کا ختم ہوا ہے لہٰذا قوی امید ہوتی ہے کہ وہ دعاء قبول ہوگی۔

عمل کی نیت سے دین کی باتیں سننا

اس لحاظ سے یہ اجتماع قابلِ قدر اور قابلِ شکر ہے اس لئے ہمیں توجہ کے ساتھ یہاں دین کی باتوں کو سننا چاہئے اور اپنی توجہ دین کی طرف رکھنی چاہئے اور جو باتیں بتائی جائیں انکو ذہن نشین کر کے اپنے آپ کو ان پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کرنا چاہئے۔

جو حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اس کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ آخر میں عرض کروں گا اس سے پہلے یہ بات کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری شریف کو کس دقتِ نظر اور کس تفقہ کے ساتھ مرتب فرمایا ہے اس کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ ابتداء اور انتہاء دونوں کے متعلق کچھ باتیں سامنے آجائیں اور ہمیں اندازہ ہو کہ اللہ پاک نے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو کتنا اونچا مقام عطاء فرمایا ہے، ان کو فقہ میں کس قدر گہری نظر عطاء فرمائی ہے، انہوں نے کس قدر سمجھداری سے اس کتاب کو مرتب کیا، نیز کس اخلاص کے ساتھ اور کس قدر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہوئے اس کو مرتب فرمایا ہے؟ ان میں جو خاص خاص باتیں ہمارے لئے نافع اور مفید ہیں وہ ہمارے سامنے آجائیں جس سے ایک طرف امام بخاری کی باریک بینی کا اندازہ ہوگا دوسری طرف ہمارا ان کو جاننے کا فائدہ ہوگا اور اگر ہم ان کو اپنے عمل میں لے لیں تو ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ، اور ہماری کشتی پار لگ جائے گی۔

صحیح بخاری کی اجمالی ترتیب

حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے وحی کو ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد کتاب الایمان کو ذکر فرمایا پھر سب سے پہلے حدیث اِنّمَاالاَعْمالُ بِالنِّیات کو ذکر فرمایا، اس کے بعد باقی ابواب لائے ہیں اور آخر میں یہ حدیث ذکر فرمائی ہے جس کی تلاوت ابھی میں نے آپ کے سامنے خطبہ کے بعد کی ہے، یہ اس کا اجمال اور خلاصہ ہو گیا اب اسی کی میں ذرا تشریح کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ اس مختصر سے خلاصہ میں حضرت امام بخاریؒ نے علم وعمل کا کتنا بڑا دریا بہایا ہے۔ اللہ پاک ہمیں اس سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)۔

وحیِ الٰہی سرچشمۂ ہدایت ہے

غور فرمایئے! بخاری شریف کے شروع میں حضرت امام بخاریؒ نے "باب بدء الوحی" قائم فرما کر سب سے پہلے وحی کا تذکرہ فرمایا اس لیے کہ اس دنیا میں جو چیز اصل ہے اور جس پر ہدایت کا اور انسان کی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے، اور انسان کی صلاح وفلاح جس پر موقوف ہے، جس کے بغیر دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا عاقل، بڑے سے بڑا فلاسفر، اور بڑے سے بڑا سمجھدار نجات نہیں پا سکتا، ہدایت نہیں پا سکتا، وہ ہے اللہ تعالیٰ کی وحی، اس کو ذکر فرمایا آپ یہ سمجھیں! کہ یہ اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی دولت ہے جو سرچشمۂ ہدایت اور صلاح وفلاح کی بنیاد ہے اگر اس کائنات میں کوئی بنیادی چیز ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو انہوں نے اپنے

نبی جناب رسول ﷺ پر نازل فرمائی یہ وحی جو آخری نبی پر نازل ہوئی یہ وحی جب تک نہیں آئی تھی تو دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا، ہر جگہ گمراہی پھیل چکی تھی، آپ کے تشریف لانے سے پہلے جو آسمانی شریعتیں دنیا میں آئیں تھیں وہ مٹ چکی تھیں، ان میں تحریف ہو چکی تھی، وہ اپنی اصلی حالت میں موجود نہ تھیں اور ان پر عمل کر کے کوئی شخص آخرت میں نجات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

وحی کی قدر کریں

اگر یہ وحی اللہ جل شانہ کی جانب سے نازل نہ ہوتی تو قیامت تک کوئی ہدایت اور نجات کا راستہ نہ ملتا، جہنم سے بچنے کا کوئی راستہ نظر نہ آتا، انسان گمراہی کے اندر ڈوبتا ہی چلا جاتا، اللہ جل شانہ کا بہت بڑا فضل ہوا، کرم ہوا، کہ اس نے اپنے سب سے زیادہ محبوب جناب رسول اللہ ﷺ کو قیامت تک آنے والے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی وحی نازل فرمائی، اس لئے امام بخاریؒ نے سب سے پہلے وحی کو بیان فرما کر یہ بات ذہن نشین کرائی کہ دیکھو! دنیا میں سب سے اہم چیز وحی ہے اس کی دل و جان سے قدر کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اپنے کرم سے اپنے آخری نبی کی امت میں ہم کو پیدا فرمایا اور اپنی وحی کی نعمت عظمیٰ سے ہمیں سرفراز فرمایا اور وہ وحی قرآن کی شکل میں اپنی اصلی حالت میں بعینہ محفوظ اور موجود ہے اور جناب رسول ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں بھی جو اسی کلام پاک کی تفسیر اور تشریح ہے محفوظ اور موجود ہے جن میں سب سے مشہور اور معتبر مجموعہ ہمارے اور آپ کے لئے یہ بخاری شریف ہے۔

ہماری ناقدری

ہم دراصل ایسے لوگ ہیں کہ بس دن و رات دنیا میں منہمک اور مصروف ہیں، ہمارا اوڑھنا بچھونا دنیا ہے ہمارے دل ودماغ میں دنیا کی قدر وقیمت ہے، پیسے کی قدر وقیمت ہے، مال وجائیداد کی قدر وقیمت ہے، نہیں ہے تو اللہ بچائے۔ دین کی قدر نہیں ہے الا ماشاء اللہ تو رات ودن ہمارا اسی دنیا میں رہنا سہنا، اسی کا لینا، اسی کا دینا، اسی کا کمانا، اسی کا بیچنا، غرض ہمارے رات ودن اسی دنیا کی محنت پر صرف ہورہے ہیں، اس لئے ہمیں دین اور اس سے متعلق چیزوں کی صحیح قدر نہیں ہے جیسی ہونی چاہئے، صحابہ کرام کی جماعت حضور ﷺ کی امت میں سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع جماعت ہے، ان سے بہتر کوئی جماعت ہو ہی نہیں سکتی، ان کو دین کی ہر ہر بات کی جتنی قدر تھی اور کسی کو نہیں ہوسکتی۔

صحابۂ کرام ؓ کے نزدیک وحی کی قدر

صحابۂ کرام ؓ کے نزدیک وحی کی اتنی بڑی قدر تھی اس کا اندازہ آپ اس حدیث سے لگائیں کہ جب رحمت کائنات جناب رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی جگہ خلیفہ بنے تو ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عمر! آؤ ہم حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کی خدمت میں چلیں، ان سے ملاقات اور ان کی زیارت کریں جیسا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ ان کے پاس جایا کرتے تھے اب یہ دونوں حضرات حضرت ام ایمن رضی اللہ

عنہا کی خدمت میں پہنچے اور بیٹھے تو تھوڑی دیر میں حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا رونے لگیں تو ان دونوں حضرات نے غالباً یہ محسوس کیا کہ حضرت ام ایمن کو نبی اکرم ﷺ کی یاد آرہی ہے اور حضور ﷺ کی جدائی میں ان کو رونا آرہا ہے، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا دیکھئے! آپ ذرا صبر سے کام لیجئے۔ نبی اکرم جناب رسول اللہ ﷺ ہم سے جدا ہو کر اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں آپ کا اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں پہنچنا بنسبت ہمارے آپ کے حق بدرجہا بہتر ہے، لہٰذا آپ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں تو یہ ہمارے لئے باعثِ تسلی ہے، آپ ﷺ ہمارے پاس ہوتے تو بلاشبہ آپ کا وجودِ بابرکات ہمارے لئے نہایت ہی بڑی نعمت تھا آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جانا بھی آپ کے لئے بہت بڑی راحت کی چیز ہے، عافیت کی چیز ہے، باعثِ خیر ہے، تو اس لئے ذرا تسلی سے کام لینا چاہئے اور اس پر صبر کرنا چاہئے لیکن حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اس وجہ سے نہیں رو رہی تھیں، جب ان کو تسلی دی تو انہوں نے فرمایا کہ تم مجھے اس لئے تسلی دے رہے ہو کہ میں اس کو نہیں جانتی کہ حضور ﷺ کا وہاں پہنچنا آپ کے لئے بہتر ہے۔ یہ بات جیسے تمہیں معلوم ہے مجھے بھی معلوم ہے، میں بھی اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ کا اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے جانا یہاں رہنے سے بہتر ہے، اس لئے میں اس وجہ سے نہیں رو رہی ہوں بلکہ میں اس وجہ سے رو رہی ہوں کہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے سے اب وحی نازل ہونے کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اللہ اکبر، اب وحی کا

سلسلہ منقطع ہوگیا ہے، پہلے تو یہ تھا کہ کبھی کوئی آیت نازل ہورہی ہے، کبھی کوئی سورۃ نازل ہورہی ہے، کبھی کوئی رکوع نازل ہورہا ہے، کبھی کوئی حصہ نازل ہورہا ہے، کبھی کوئی حصہ نازل ہورہا ہے، جیسے جیسے ضرورت پڑتی جاتی تھی وحی آتی رہتی تھی، اس وحی کا نازل ہونا بہت بڑی نعمت تھی ہائے افسوس! کہ اب حضور ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد قیامت تک کے لئے وحی کا آنا بند ہو گیا، مجھے تو اس پر رونا آرہا ہے کہ رحمت کا ایک دروازہ تھا جو بند ہوگیا کیونکہ حضور ﷺ کی ذات خود رحمت تھی اور آپ ﷺ پر وحی کا آنا بھی رحمت تھا اب یہ دگنی رحمت ہم سے جدا ہوگئی ہے مجھے تو اس پر رونا آرہا ہے۔ جب انہوں نے یہ اہم بات کہی تو اس اہم بات کو سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی رونے لگے کیونکہ وہ بھی جانتے تھے کہ وحی کتنی بڑی دولت ہے اس کا نازل ہونا ہم مسلمانوں کے لئے کس قدر باعثِ خیر ہے لہٰذا حضرت صدیقِ اکبر، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا تینوں اس غم میں رونے لگے کہ ہائے یہ وحی کا سلسلہ بند ہوگیا اور ایک خیر کی چیز سے محروم ہوگئے؟ تو اس لئے بھائی دنیا میں سب سے بڑی دولت وحی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی باریک بینی

امام بخاریؒ کی باریک بینی دیکھئے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو وحی کے بیان سے شروع کیا کہ وحی کیسے آتی تھی تاکہ کتاب پڑھنے والوں کو معلوم ہوجائے کہ سب سے بڑی دولت وحی ہے اس کی قدر کرو اور اس کی قدر یہ

ہے کہ اب بیشک وحی کا آنا موقوف ہوگیا تاہم جو آچکی ہے وہ کیا کم نعمت ہے، نہیں! وہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ کریم ہے جس کی ایک شرح یہ بخاری شریف بھی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا خواب

قرآنِ کریم کے متعلق حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ایک خواب مجھے یاد آیا جو فضائل قرآن کے موقعہ پر ہمارے حضرت مفتی صاحبؒ اکثر سنایا کرتے تھے فرماتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی ننانوے مرتبہ زیارت ہوئی اور خواب میں زیارت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کسی شکل وصورت میں نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات نظر نہیں آتی کیونکہ وہ تو دنیا میں ممکن نہیں وہ تو آخرت میں ہوگی، خواب میں اگر کسی کو زیارت ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی تجلی کسی شکل میں متشکل ہوکر نظر آتی ہے، یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، جو حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں ننانوے مرتبہ حاصل ہوئی۔ جب ننانوے مرتبہ زیارت ہو چکی تو انہوں دل میں سوچا کہ اگر سوویں مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم فرمایا اور زیارت کرائی تو میں اللہ تعالیٰ سے ایک سوال کروں گا اور سوال یہ کروں گا کہ یا اللہ یہ بتایئے کہ کونسا عمل ایسا ہے جو بندے کو سب سے زیادہ آپ کے قریب کرنے والا ہے تاکہ میں بھی اس کو اختیار کروں اور مسلمانوں کو بھی بتاؤں وہ بھی اسے اختیار کریں اور سب اللہ تعالیٰ کے مقرب بنیں، کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوا، فضل ہوا کہ سویں مرتبہ بھی اللہ تعالیٰ کی خواب میں زیارت نصیب ہوگئی۔ جب اللہ جل شانہ، کی زیارت نصیب ہوگئی تو میں نے

عرض کیا پروردگار عالم! یہ بتایئے کہ کونسا عمل ایسا ہے جو بندے کو سب سے زیادہ آپ کے قریب کرنے والا ہے، یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ ایسے ہیں جو کہ آپ کے قریب کرتے ہیں لیکن مجھے ایسا عمل بتایئے جو بندے کو سب سے زیادہ آپ کے قریب کردے اور بہت زیادہ نزدیک کردے تو اللہ جل شانہ، نے فرمایا تلاوۃ القران یعنی قرآنِ کریم کی تلاوت اور میرے کلام کی تلاوت ایسا عمل ہے کہ فرائض واجبات کے بعد نوافل میں سب سے زیادہ میرے بندے کو میرے قریب کرنے والا ہے. اور حضرت امام تو امام ہیں پھر امام مجتہد اور فقیہ ہیں لہٰذا انہوں نے ایک اور فقیہانہ سوال کیا کہ بِفَهْمٍ اَوْ بِلَا فَهْمٍ ؟ یا اللہ! قرآن شریف سمجھ کر پڑھنا بندے کو آپ کے سب سے زیادہ قریب کرتا ہے یا بغیر سمجھے پڑھنا بھی بندے کو سب سے زیادہ آپ کے نزدیک کرتا ہے؟ اللہ جلّ شانہ نے فرمایا بِفَهْمٍ اَوْ بِلَا فَهْمٍ ؟ چاہے کوئی قرآن کو سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھے پڑھے دونوں صورتوں میں قرآنِ کریم کی تلاوت میرے بندے کو سب سے زیادہ میرے قریب کرنے والی ہے۔

صبح شام تلاوتِ قرآن کا اہتمام رکھیں

یہ اس لئے ہے کہ قرآنِ کریم وحی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس وقت جو ہمارے پاس کلام پاک کا مجموعہ موجود ہے یہ خود بہت بڑی نعمت ہے، بہت بڑی دولت ہے، اتنی بڑی نعمت ہے کہ خود اس کے معنی سمجھے بغیر بھی اس کی تلاوت بندے کو اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب کرنے والی ہے اس لئے ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ ہر روز تلاوتِ قرآن کا اہتمام کرے، جب تک صبح سویرے گھر کا ہر

فرد قرآن شریف کی تلاوت نہ کرے دنیا کے کاموں کو ہاتھ نہ لگائیں، ساری زندگی صبح وشام اس کی تلاوت کا ماحول رکھیں۔

وحی کی دو قسمیں

تو بھئی! وحی بہت بڑی دولت اور نعمت ہے اور یہ مجموعۂ احادیث بھی وحی ہے، اس لئے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کی تلاوت ہوتی ہے جیسے قرآن شریف اور دوسری وہ جس کی باقاعدہ قرآن کی طرح تلاوت نہیں ہوتی جیسے احادیث، اس لئے امام بخاریؒ نے سب سے پہلے وحی کو ذکر فرمایا تاکہ سب کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ جائے، طلباء اور طالبات کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت اللہ کی طرف سے بندوں کے اوپر وحی کا نزول ہے۔

آخرت کی کامیابی ایمان پر موقوف ہے

اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ وحی کے آنے کے بعد انسان کا کام ایمان لانا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے جو وحی آئی اس نے آکر اس دنیا میں سب سے پہلے لوگوں کو ایمان کی دعوت اور توحید کا درس دیا، اللہ تعالیٰ کے وحدہ لا شریك له کے اقرار پر جمنے رہنے کا درس دیا لہٰذا وحی کے ساتھ جو سب سے بڑی دولت آئی ہے وہ ایمان ہے اس لئے دنیا اور آخرت میں جو سب سے بڑی نعمت ہے وہ ایمان ہے یہ ایمان اتنی بڑی نعمت ہے، اتنی بڑی نعمت ہے کہ آخرت کی صلاح وفلاح اس پر موقوف ہے اس کے ساتھ ساتھ چاہے کتنا بڑا بھی کوئی فاسق وفاجر ہو۔ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ

ہے کہ اگر اس نے دنیا کے اندر سچی توبہ نہیں کی تو اس کو قبر کے اندر عذاب ہوسکتا ہے، دنیا میں بھی اس کو گناہوں کی سزا مل سکتی ہے، قبر میں بھی عذاب ہوسکتا ہے، اور اپنے گناہوں کی پاداش میں قیامت کے دن بھی قیامت کی ہولناکیوں سے دوچار ہوسکتا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے حسب گناہ جہنم میں بھی ڈالا جائے لیکن ایمان کی برکت سے بالآخر وہ جہنم سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کردیا جائے گا۔

سب سے آخری جنتی کا حال

اور جو شخص آخر میں اپنے ایمان کے ذریعہ دوزخ سے نکل کر جنت میں جائے گا تو احادیث میں اس کا عجیب وغریب تذکرہ آتا ہے کہ اللہ پاک اسے فرمائیں گے کہ بھائی تو جنت میں جا اور جتنی دنیا ہے اس کے برابر اور اس سے دس گنا جنت تیرے لئے ہے اور جب وہ جنت میں جائے گا تو ہر جگہ محلات بھرے ہوئے نظر آئیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اے پروردگار عالم! آپ تو فرما رہے تھے کہ دنیا سے دس گنا بڑی جنت تیرے لئے ہے اور یہاں تو کوئی جگہ خالی نظر ہی نہیں آرہی، سب محلات بھرے پڑے ہیں آپ میرے ساتھ مذاق فرما رہے ہیں؟ حالانکہ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ آپ تو رب العالمین ہیں آپ میرے ساتھ مذاق فرما رہے ہیں؟ یہاں تو جگہ ہی نہیں ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ تیرے لئے اتنی بڑی جگہ ہے، تو اللہ پاک فرمائیں گے کہ بھائی ہم کہاں مذاق فرما رہے ہیں تو آگے تو چل تیرے لئے بہت کچھ ہے، تو وہ شخص جو سب سے کم درجہ کا جنتی ہے اور سب سے آخر میں جنت میں جائے گا سچ مچ اس کو یہ دنیا اور اس کے برابر دس گنا زیادہ جنت ملے

گی اور اللہ پاک ایک اور کرم فرمائیں گے اس سے یہ فرمائیں گے کہ اچھا بھائی اب تو اپنی تمنائیں کر کیا کیا تجھے چاہئے جو تو کہے گا تجھے دیا جائے گا، اب وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے گا کہ یا اللہ! یہ بھی دیدیجئے، یہ بھی دیدیجئے، یہ بھی دیدیجئے، یہ بھی مجھے چاہئے، یہ محلات چاہئیں، یہ باغات چاہئیں، یہ مکانات چاہئیں، یہ چیزیں چاہئیں، یہ سواریاں چاہئیں، جو جو چیزیں اس کے دل میں آتی جائیں گی وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا چلا جائے گا، مانگتے مانگتے آخر وہ تھک جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اور مانگ لے بھائی کوئی چیز رہ نہ گئی ہو، پھر وہ ذہن پر زور دے گا پھر کچھ مانگے گا، پھر ٹھہر جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اور مانگ لے بھائی پھر وہ کچھ مانگے گا، پھر حدیث میں آتا ہے کہ آخر میں اللہ تعالیٰ یاد دلائیں گے کہ دیکھ! فلاں چیز تو تو نے مانگی نہیں وہ بھی تو تیری ضرورت کی چیز ہے تو کہے گا ہاں ہاں یا اللہ! یہ بھی دیدیجئے پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ فلاں چیز بھی تیری ضرورت کی ہے تو کہے گا یا اللہ! میں تو بھول ہی گیا تھا یہ بھی دیدیجئے، اب رب العالمین اس کو یاد دلاتے چلے جائیں گے اور وہ ہاں ہاں کرتا چلا جائے گا اللہ اکبر، (الترغیب والترھیب)۔

اس طرح سے اللہ تعالیٰ اسکو یاد دلاتے جائیں گے اور عنایت فرماتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جو کچھ تو نے مانگا اور جو کچھ ہم نے تجھے دیا اور اس سے دس گنا اور بھی تو لے لے سبحان اللہ!! کیا کریمی ہے؟

یہ ایمان کی بدولت سب سے آخر میں جنت میں جانے والے کا حال ہے اور جو شروع میں جانے والے ہوں گے، اور جو درمیان میں

جانے والے ہوں گے اور سیدھے جنت میں جانے والے ہوں گے ان کا حال ہوگا'' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمائے آمین''۔

ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے

ایک حدیث میں آتا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار لوگ ایسے ہوں گے جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار لوگ ہوں گے جو سب بغیر حساب کے سیدھے جنت میں جائیں گے۔ اللہ پاک اپنی رحمت سے ہم سب کو بھی انہی لوگوں میں شامل فرمائیں ایمان اتنی بڑی دولت ہے کہ آخرت میں بھی نجات بالآخر ایمان ہی کے ذریعہ ہوگی اور نجات کے بعد پھر ہمیشہ کے لئے جنت ہی کی نعمتیں ہیں اور وہ سب ایمان عملِ صالح کی بدولت ہیں۔

جنت کی سب سے بڑی نعمت

اور پھر جنت کی ان ابدی اور سرمدی نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے اور سب سے بڑی دولت ہے وہ اللہ جل شانہ کی رضا اور ان کی زیارت ہے وہ بھی ایمان داروں کو نصیب ہو گی، کافر اس سے محروم ہوں گے۔ تو بھائی! جنت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اللہ جل شانہ کی زیارت ہے یاد رکھئے۔

از روئے حدیث عام مسلمانوں کو تو ہفتہ میں ایک دن اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوا کرے گی جمعہ کے دن جس وقت نمازِ جمعہ ہوتی ہے، اس کا ایک اندازہ ان کو اللہ تعالیٰ عطا فرما دیں گے اس وقت میدانِ مزید میں ہر ہفتہ

جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوا کرے گی اور اللہ تعالیٰ ہر جنتی کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں گے اور اپنی ہم کلامی کے شرف سے اس کو مشرف فرمائیں گے اور یہ دولت عظمیٰ بھی ایمان کی بدولت ہے جن کے پاس ایمان نہیں ہوگا وہ اللہ پاک کی زیارت سے بھی محروم ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے بھی محروم ہوں گے، ان کے حصہ میں اللہ تعالیٰ کا غضب، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، اور ''اللہ بچائے'' ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنا ہوگا اس لئے جو ایمان ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کی دل کی گہرائی سے قدر کرنی چاہئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

صوفی محمد اسلم صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ

اس پر مجھے یہاں ایک بڑی پیاری بات یاد آئی، مدینہ منورہ میں ایک بزرگ تھے صوفی محمد اسلم صاحبؒ، اب ان کا انتقال ہو گیا ہے یہ بہت عرصہ سے وہاں مقیم تھے اور صاحب خدمت تھے۔ ان کی خدمت میں حضرت والد صاحب (حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحبؒ) بھی جایا کرتے تھے اور الحمد للہ ان کے ساتھ احقر کا بھی جانا ہوا، پھر اخیر میں حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ سکھر سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حضرت ڈاکٹر صاحب کا بھی یہ معمول تھا کہ ہر اتوار کو صوفی اسلم صاحبؒ کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور ہمارے جتنے بھی اکابر ہیں یہ سب ان کے پاس جایا کرتے تھے، بلکہ حضرت تھانویؒ کے آخری خلیفہ جو ہندوستان کے شہر ہردوئی میں رہتے ہیں یعنی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت

برکاتہم انہوں نے تو یہ وصیت فرمائی کہ جو شخص بھی مدینہ منورہ جائے ان کی زیارت ضرور کرے تو الحمد للہ کئی مرتبہ ان کی خدمت میں جانا ہوا اور کئی مرتبہ ان کی زیارت کی۔

ایک مرتبہ انہوں نے بڑی عجیب وغریب بات ایمان کے متعلق فرمائی، انہوں نے فرمایا کہ میں جب صحت مند تھا تو میں ایک بزرگ کے پاس گیا انہوں نے مجھے ایک بات کہی وہ بات مجھے بھی عجیب لگی تو اس لئے وہ میں تمہیں بھی سنا رہا ہوں تاکہ تم بھی اس کو یاد رکھنا، صوفی صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک معاہدہ کیا ہے، وہ یہ کہ یا اللہ! میری ایک امانت ہے اور آپ سے بڑھ کر کوئی امین نہیں اور آپ سے بڑھ کر کوئی وعدہ پورا کرنے والا نہیں ہے، امانت میری بڑی قیمتی ہے وہ میں آپ کے پاس رکھوانا چاہتا ہوں، پروردگار عالم! میری وہ امانت میرا ایمان ہے، میں اپنے ایمان کی امانت ایمان کی نعمت پروردگار عالم! آپ کے پاس رکھوانا چاہتا ہوں آپ سے بڑھ کر کوئی امانت دار نہیں ہوسکتا آپ سے بڑھ کر کوئی وعدہ پورا کرنے والا نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ط کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتے اس لئے میں امانت رکھوانا چاہتا ہوں اور آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتا ہوں کہ یا اللہ! جب میں دنیا سے جانے لگوں تو یہ امانت مجھے واپس دیدینا جب تک میں دنیا میں ہوں میرا ایمان آپ کے پاس امانت ہے اور جب میں دنیا کو چھوڑ کر آخرت میں قدم رکھنے لگوں تو اس وقت مجھے اس امانت کی بڑی ضرورت پڑے گی آپ مہربانی فرما کر حسب ضرورت یہ امانت مجھے واپس عطا فرما دیجئے گا، وہ بزرگ کہتے

ہیں کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ سے یہ وعدہ کرلیا ہے اور اپنی امانت اللہ پاک کے پاس امانت رکھوادی کہ میں تو اس کی حفاظت کرنہیں سکتا آپ ہی اس کی حفاظت فرمادیں، تو صوفی صاحب کہتے ہیں کہ یہ تو نقد کرنے کا کام ہے اس میں ادھار بھی نہیں کرنا چاہئے۔

ایمان اللہ کے پاس امانت رکھدیں

کیونکہ امانت بہت قیمتی ہے ڈاکو اس کے بڑے ہیں نفس و شیطان سب اس کے ڈاکو ہیں، سارے کافر اور مشرک اس کے ڈاکو ہیں لہذا امانت بڑی قیمتی ہے ڈاکو بہت زیادہ ہیں بدامنی کا دور دورہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی امین ہے نہیں اور ان سے بڑھکر کوئی وعدہ پورا کرنے والا نہیں ہے، اس لئے بلا تاخیر یہ وعدہ کرلینا چاہئے اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی فوراً ہی کرلیں! بھائی کیوں دیر لگائیں، گھر جا کر موقعہ ملے یا نہ ملے'' واللہ اعلم'' اس لئے یہاں کرلیں، بیٹھے بیٹھے، دل دل میں یہ معاہدہ کرلیں کہ یا اللہ! ہم اپنا ایمان آپ کی حفاظت میں دیتے ہیں آپ اپنے فضل وکرم سے ہمارا ایمان محفوظ فرمالیں اور جب ہم دنیا سے جانے لگیں تو آپ ہماری یہ امانت ہمارے سپرد فرمادیں (چنانچہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے اس ارشاد پر پورے مجمع نے فوراً ''ہم نے اپنا ایمان اللہ پاک کے پاس امانت رکھوادیا'' کہا، لہذا کیا ہی اچھا ہو کے قارئین حضرات بھی اس بات کو پڑھ کر فوراً اپنا ایمان مذکورہ طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے پاس امانت رکھوادیں۔ (از مرتب)

گناہوں کی دو قسمیں

اور ایمان اتنا قیمتی ہے یاد رکھئے کہ جتنے بھی انسان کے گناہ ہیں وہ دو قسم کے ہیں کچھ تو گناہ کبیرہ ایسے ہیں جن کا محض تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے، جیسے معاذ اللہ کسی نے شراب پی لی یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے یا معاذ اللہ کسی نے نماز قضا کردی یا روزہ نہیں رکھا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے، ایک تو یہ گناہ کبیرہ ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے بندے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرے گناہ کبیرہ وہ ہیں جن کا تعلق بندوں سے بھی ہے جیسے کسی کو ناحق ماردیا، ناحق کسی کے پیسے کھالئے، کسی سے رشوت لے لی، سود کھالیا، پیسے چھین لئے، یا کسی کو تھپڑ ماردیا اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور بندے کے ساتھ بھی زیادتی ہے تو اس کے اندر مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ جو پہلے قسم کے گناہ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے انکی معافی کا معاملہ بہت آسان ہے، صدق دل سے توبہ کرلے، اپنے کئے پر شرمندہ ہوجائے آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرلے انشاء اللہ تعالیٰ اسی آن بڑے سے بڑا گناہ معاف ہوجائے گا، کیونکہ ہمارے گناہوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آگے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اربوں کھربوں حصوں میں سے ایک ادنیٰ سا حصہ بھی ہمارے گناہوں کی بخشش کے لئے کافی وشافی ہے، اس کے سامنے ہمارے گناہوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے، بس ندامت ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عزم مصمم ہو اور دل وجان سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

حقوق العباد کا معاملہ دنیا میں آسان ہے

اور دوسری قسم کے جو گناہ ہیں جن میں بندوں کے ساتھ حق تلفی اور بندوں کے ساتھ زیادتی پائی جاتی ہے اس میں توبہ کے مکمل ہونے کے لئے چوتھی بات اور بھی ضروری ہے کہ جس بندے کو ستایا ہے جس بندے کو تکلیف دی ہے اس سے بھی معافی مانگے اور اس کا حق ادا کرے، چنانچہ حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَتْ لَه' مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْئٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَه' عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ' بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَه' حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔

(رواه البخاري بحواله مشكوة ج ٢۔ ص: ٤٣٥)

ترجمہ

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کا کوئی حق رکھتا ہو اور خواہ وہ حق (غیبت و برائی کرنے یا روحانی وجسمانی ایذاء رسانی وغیرہ کی صورت میں) آبروریزی کا ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو (جیسے کوئی مالی مطالبہ و معاملہ یا ناحق خون وغیرہ) تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو آج ہی کے دن (یعنی اس دنیا میں) معاف کرالے اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آئے (یعنی قیامت کا دن کہ جس دن اس کے

پاس) نہ کوئی درہم ہوگا اور نہ دینار (جس سے وہ اپنا دنیاوی حق ادا کر سکے) اگر اس نے دنیا میں اپنا حق معاف کرالیا تو بہتر ورنہ پھر) ظالم کے اعمال نامہ میں جو کچھ نیکیاں ہوں گی تو ان میں سے اس کے ظلم کے برابر نیکیاں لے لی جائیں گی اور اگر اس (ظالم) کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو پھر مظلوم کی بُرائیاں لے کر ظالم (کی گردن) پر لاددی جائیں گی ۔ (بخاری)

بہر حال ! اگر اس سے دنیا میں معافی مانگ لی اور اس کا حق ادا کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے بھی معافی مانگ لی تو توبہ مکمل ہوگئی .معاملہ یہیں آسان ہوگیا ، دنیا میں اس کی تلافی نہایت ہی آسان ہے اور آخرت میں نہایت مشکل ہے ۔ اللہ بچائے ۔آخرت میں نہایت مشکل اس لئے کہ کوئی آدمی دنیا سے اس حالت میں چلا گیا کہ اس نے بڑی نیکیاں کیں اور دوسری طرف اس نے ۔اللہ بچائے ۔لوگوں کو بڑا ستایا ، بڑا مارا پیٹا ، بڑی ایذائیں دیں ، تکلیفیں دیں اور ستایا اور اس حالت میں بغیر توبہ کیے ، بغیر بندے سے معافی مانگے چلا گیا تو پھر قیامت کے دن اس کے ساتھ معاملہ دوسرا ہوگا .کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور جتنے بھی اہلِ حقوق ہوں گے وہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئیں گے اور اپنا حق مانگیں گے ، اللہ پاک ان سب کو ان کا حق دلوائیں گے ۔ چنانچہ حدیث کے اندر اس مفلس کا تذکرہ ہے کہ وہ نیکیوں کے پہاڑ لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں نمازیں ، ہزاروں روزے ، بے شمار زکوٰۃ ، حج وعمرے تسبیحات ، ذکر ،

تلاوت، تبلیغ، جہاد، تعلیم، تربیت اور نہ جانے کتنی نیکیاں اس نے کر رکھی ہوں گی، نیکیوں کے پہاڑ لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچے گا، اور اسے خیال یہ ہوگا کہ میں جاتے ہی بخشا جاؤں گا، لیکن جوں ہی وہ نیکیاں لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا دوسری طرف اہلِ حقوق آ جائیں گے جن کو دنیا میں ستایا تھا، تکلیفیں دی تھیں، پریشان کیا تھا، ان کا حق مارا تھا، وہ سب آ جائیں گے اور کہیں گے کہ پروردگار! ہمارا حق دلوایئے تو اللہ تعالیٰ قاعدے کے مطابق جتنا اس نے جس کا حق مارا ہوگا اتنی نیکیاں اس کو دیتے جائیں گے۔

(مشکوٰۃ ص ۴۳۵ ج ۲۔ و مسلم)

ایک روپیہ کے بدلہ میں سات سو نمازیں دینی ہونگی

اور امام قرطبیؒ کا قول یہ ہے (اللہ بچائے بڑے ڈرنے کی بات ہے) کہ ایک چونی کے بدلے، اور اب اس کو ایک روپیہ سمجھ لو مہنگائی ہوگئی ہے. کہ ایک روپیہ کے بدلے میں سات سو مقبول نمازیں دینی پڑیں گی، اللہ بچائے، اگر سات سو مقبول نمازیں دینا پڑیں گی ایک روپیہ کے بدلہ میں تو بھائی! جس نے ہزاروں روپے کھا رکھے ہوں، زمینیں غصب کر رکھی ہوں، دکانوں پر قبضہ کر رکھا ہو، کرایہ بند کر کے مالک بن بیٹھا ہو، اس کا کیا حال ہوگا؟ اس لئے وہاں پر جس جس نے کسی کا حق مارا ہوگا اللہ پاک اس کے حق کے بدلہ میں اس کی نیکیاں اس کو دیں گے کیونکہ آخرت میں بدلہ تو نیکیوں کی صورت میں ہوگا، دنیا کے پیسے تو وہاں چلیں گے نہیں، وہاں پر تو نیکیاں چلیں گی، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری نیکیاں اہلِ حقوق کو دیدیں گے اور اس کی نیکیوں کے پہاڑ ختم ہو جائیں گے، اور اہلِ حقوق اب بھی باقی رہ

جائیں گے اور جو باقی ہوں گے وہ کہیں گے یا اللہ! ہمارا حق تو ابھی باقی ہے اس نے ہمیں مارا تھا پیٹا تھا، ہماری غیبتیں کی تھیں، بے جا ظلم کیا تھا، ہمیں بھی حق دلوایئے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس کی نیکیاں تو ختم ہوگئیں اب کہاں سے دلوائیں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا ایسا کرو کہ جتنا اس نے تمہارا حق مارا ہے اتنے ہی اپنے گناہ اس کی گردن پر ڈال دو (اللہ بچائے اللہ بچائے) وہ لوگ اپنے اپنے حق کے مطابق اپنے اپنے گناہ اس کی گردن پر ڈالیں گے اور پھر وہ ان گناہوں کو لے کر دوزخ میں چلا جائے گا، اور ایسے شخص کو حدیث میں حقیقی مفلس (یعنی نادار اور تنگ دست) فرمایا گیا ہے پوری حدیث اس طرح ہے:-

انَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَتَدْرُوْنَ مَاالْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّادِرْھَمَ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِصَلٰوۃٍ وَصِیَامٍ وَزَکٰوۃٍ وَیَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ ھٰذَا وَقَذَفَ ھٰذَا وَاَکَلَ مَالَ ھٰذَا وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا وَضَرَبَ ھٰذَا فَیُعْطٰی ھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ وَھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُہٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَاعَلَیْہِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْہِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ۔

(رواہ مسلم بحوالہ مشکوۃ ج:۲ ص ۴۳۵)

ترجمہ

آنحضرت ﷺ نے (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے) فرمایا: کیا جانتے ہو مفلس (نادار اور تنگ دست) کسے کہتے ہیں؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ مفلس ہم میں سے وہ شخص (کہلاتا) ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی ساز و سامان۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ (کے ڈھیر) لے کر حاضر ہو، اور وہ اس حال میں آئے گا کہ (دنیا میں) اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی اور کسی کا مال (ناحق) کھایا ہوگا اور (ناحق) کسی کا خون بہایا ہوگا اور (ناحق) کسی کو مارا ہوگا، لہٰذا اس کی نیکیاں لے کر ان سب کو دی جائیں گی، یہاں تک کہ اگر اس کے ان گناہوں کا فیصلہ ہونے سے پہلے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان (حقداروں اور مظلوموں) کے گناہ لے کر اس (کی گردن) پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (یہ میری امت میں اصل مفلس ہے)۔

بہر حال! یہ دوسرے قسم کے گناہوں کا معاملہ ہے لیکن علماء کرام نے فرمایا ہے کہ نیکیوں کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ دینے کا معاملہ فرمائیں گے، مگر اس کا

ایمان کسی کی حق تلفی کے بدلے نہیں دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان بچا کر رکھیں گے، تاکہ میرے بندے کی بخشش کا ایک راستہ تو رہے، جہنم میں جائے تو بے شک چلا جائے لیکن وہاں سے نکلنے کا ایک راستہ بذریعہ ایمان اس کا باقی رہے، اس لئے کیسی ہی اس نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہو، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایمان نہیں دیں گے، تو بھائی ایمان اتنی بڑی دولت ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ سب سے بڑی دولت وحی ہے اور وحی کے بعد سب سے بڑی دولت ایمان ہے، اس لئے ہمیں اس کی قدر کرنی چاہئے، اس لئے جتنے بزرگ آپ کو پکے اور سچے ملیں گے سب سے زیادہ وہ اپنے ایمان کے بارے میں متفکر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے بسلامت دنیا سے لے جانے کی دعاء کرتے ہوئے نظر آئیں گے کہ یا اللہ! یہ ایمان کسی طرح قبر تک صحیح سلامت چلا جائے اس لئے کہ اگر ایمان بسلامت چلا گیا تو اس کی وجہ سے رعایتیں ہی رعایتیں ہوں گی اور شفاعتیں ہی شفاعتیں ہوں گی، پھر قدم قدم پر مغفرت کے بہت سے انتظامات ہوں گے اور اس کی بخشش کا انتظام بھی ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس لئے امام بخاریؒ نے وحی کے بعد کتاب الایمان کو بیان فرمایا تاکہ پڑھنے والوں کو پتہ چلے کہ ایمان کتنی بڑی نعمت ہے۔

عقلمند کون ہے؟

اس پر مجھے ایک قصہ اور یاد آ گیا چلو وہ بھی سنا دوں جو حضرت بہلولؒ کا واقعہ ہے اور جو اللہ والے ہوتے ہیں بعض لوگ انکی سادگی کی وجہ سے کسی کو مجنوں کہہ دیتے ہیں۔ کوئی ان کو بھولا بھالا کہہ دیتا ہے، کوئی کچھ کہہ دیتا ہے مگر درحقیقت آخرت کے اعتبار سے وہ نہایت عقلمند ہوتے ہیں، وہ

دراصل دنیا کو بے حقیقت سمجھ کر دنیا سے توجہ ہٹانے والے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل کردے (آمین)۔ اس لئے کہ واقعی دنیا دھوکے کا سامان ہے، اور واقعی آخرت میں نیکیوں کا ذخیرہ نجات کا سامان ہے تو واقعی عقلمندی اسی کا نام ہے کہ دنیا کو بے حقیقت سمجھ کر اپنا دل اس سے ہٹا لے اور آخرت کی اہمیت کو سمجھ کر اپنا دل وہاں لگالے، سارے بزرگ یہی سکھاتے آئے ہیں۔ قرآن وحدیث کی ہمیں یہی تعلیم ہے تو حضرت بہلولؒ کو لوگ بہلولِ مجنوں کہتے تھے حالانکہ بہلول بڑے داناں تھے، لیکن دنیا والے ان کو بے وقوف سمجھتے تھے اور دنیا کا دستور یہ چل پڑا ہے کہ جو دنیا کمانا نہ جانے اور جو آخرت کمانا جانے اس کو لوگ بے وقوف سمجھتے ہیں، اور جو دنیا کمانا جانے اس کو عقلمند سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو دنیا چھوڑ کر آخرت کمانا جانے وہ عقلمند ہے دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی، تو اسی دنیاوی دستور کے مطابق لوگ حضرت کو بہلولِ مجنوں کہتے تھے۔

حضرت بہلول رحمہ اللہ کا واقعہ

اب ان کا قصہ سنو دیکھو کیسا عقلمندی کا قصہ ہے؟ یہ ہارون رشیدؒ کے زمانے میں تھے، ہارون رشیدؒ اور ان کی بیوی زبیدہ دونوں بزرگوں کے بڑے معتقد اور بڑے قدرداں تھے، ایک دن ہارون رشید اور ان کی بیوی زبیدہ کہیں سے آرہے تھے تو دیکھا کہ حضرت بہلولؒ راستہ سے ہٹ کر ریت کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے گھر بنا رکھے ہیں جیسا کہ بچے ریت میں پاؤں ڈال کر گھروندے بناتے ہیں ایسے ہی حضرت گھروندے بنا رہے تھے، کوئی بہت بڑا، کوئی اس سے چھوٹا اور کوئی اس سے بھی چھوٹا، کوئی

بہت ہی چھوٹا، اس طرح ریت کے چھوٹے چھوٹے گھر بنا رکھے ہیں، جب ہارون رشیدؒ نے دیکھا کہ حضرت یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو فوراً اپنے گھوڑے سے اترے اور خدمت میں حاضر ہوکر سلام کیا، طبیعت پوچھی، مزاج پوچھا، اور کہا کہ حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟ حضرت بہلولؒ نے فرمایا کہ جنت کے مکان بنائے ہیں یہ، کہا حضرت! کیا آپ بیچ رہے ہیں انہیں؟ فرمایا اور کس لئے بنائے ہیں، بیچنے کے لئے ہی تو بنائے ہیں، کہا اچھا، کتنے کتنے کے ہیں؟ حضرت نے اشارہ کیا یہ پانچ روپے کا، یہ چار روپے کا، یہ تین روپے کا، یہ دو روپے کا، یہ ایک روپے کا، یہ آٹھ آنہ کا وغیرہ، ہارون رشیدؒ سمجھے کہ یہ بزرگ ہیں ان کی ایک لٹک ہے بس، ایک مزاج ہے بزرگوں کا، اور آج مزاج میں آکر حضرت اس شان میں ہیں، وہ یہ نہ سمجھے کہ سچ مچ جنت کا بازار کھلا ہوا ہے، وہ کہنے لگے حضرت! ماشاء اللہ مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھنا مصافحہ کیا اور چلے گئے، پیچھے ان کی بیوی زبیدہ آرہی تھی اس نے دیکھا حضرت یہاں بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی نیچے اتری اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آداب بجالائی، سلام عرض کیا، خیریت پوچھی اور پوچھا کہ حضرت! یہ کیا بنا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تجھے کیا خبر یہ میں جنت کے مکان بنا رہا ہوں، زبیدہ نے کہا: کیا آپ جنت کے مکان بیچنے کے لئے بنا رہے ہیں؟ فرمایا اور کس لئے بازار کھولا ہے، الاٹ کرنے کے لئے بیٹھا ہوں، پوچھا حضرت! کتنے کتنے کے ہیں؟ حضرت نے وہی ریٹ اسکو بھی بتادیئے کہ یہ کوٹھی اتنے کی ہے اور یہ کوا ٹر اتنے کا ہے، اس نے کہا کہ حضرت! میں نے سارے خرید لئے اور خادم سے کہا کہ سب کے پیسے حضرت کو ادا کر دو،

فوراً حساب لگایا اور سب کے پیسے حضرت کی خدمت میں پیش کر دیئے، حضرت نے اپنے ایک ہاتھ میں پیسے لئے اور دوسرے ہاتھ سے اپنے سارے مکانات گرا کر برابر کر دیئے فرمایا مکان تیرے ہو گئے اور پیسے خیرات کر دیئے، اب جب ہارون رشید اور زبیدہ رات کو اپنے کمرے میں سوئے تو ہارون رشید نے خواب دیکھا۔

یہ محل کس کا ہے؟

ایک بہت ہی خوبصورت، بہت ہی عالیشان باغ ہے ایسا باغ کبھی زندگی میں دیکھا نہیں، اپنی سلطنت میں بھی کہیں نہیں دیکھا۔ حیران ہوا کہ کس کا باغ ہے؟ دل میں آیا کہ اندر تو چلو، جب اندر گیا تو اور حیران رہ گیا کہ اتنا بڑا بھرا، اتنا پھلوں اور پھولوں سے لدا ہوا، خوشبو سے مہکا ہوا، جدھر دیکھو بہار ہی بہار ہے، ذرا اور آگے بڑھا تو حیران رہ گیا کہ اس کے بیچوں بیچ خوبصورت محل بنا ہوا ہے اور محل بھی اتنا حسین و جمیل کہ آج تک کبھی وہم و گمان میں بھی ایسا محل نہیں دیکھا، حالانکہ خود محل میں رہتا تھا مگر وہ محل اس کے سامنے ہیچ اور لاشئی معلوم ہوا، اس نے پوچھا کہ اتنا خوبصورت باغ اور اتنا عالیشان محل کس کا ہے؟ بتانے والے نے کہا کہ تختی لگی ہوئی ہے، اوپر دیکھ لو، یہاں تو جس کا محل ہوتا ہے اس کے نام کی تختی اوپر لگ جاتی ہے، اوپر دیکھا تو لکھا تھا کہ یہ محل ملکۂ زبیدہ کا ہے، ہارون یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ زبیدہ نے یہ محل کب بنوایا؟ مجھے بھی نہیں بتایا، کن پیسوں سے بنوایا ہے، کہیں میرے خزانے میں سے تو اس نے پیسے استعمال نہیں کئے۔ پھر کہا کہ پیچھے بھی دیکھوں، جب پیچھے سے دیکھنے گئے تو ایک راستہ اور ملا اس پر چلا تو دوسرے باغ میں نکلا، دوسرا

باغ پہلے سے بھی بڑھیا اس سے اعلیٰ اس سے عمدہ اب پہلا باغ اس کے آگے چھوٹا لگنے لگا اور دوسرا اس سے بھی بڑا، جب اس کے بیچ میں گئے اس میں پہلے سے بھی زیادہ بڑا محل، اور پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت اور حسین محل تھا، اب وہ ہکا بکا رہ گیا کہ میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں، اور یہ کیا ماجرا ہے وہاں بھی اس نے پوچھا کہ یہ کس کا محل ہے؟ کہا گیا کہ ہمیں نہیں معلوم کتبہ دیکھ لو، وہ کتبہ دیکھا تو اس پر بھی زبیدہ کا نام کندہ تھا، جب یہ منظر دیکھا تو گھبرا کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اپنی چارپائی پر پڑا ہوا ہے زبیدہ دوسری چارپائی پر سوئی ہوئی ہے، کہنے لگا کہ زبیدہ اٹھ جلدی، جلدی سے اٹھ زبیدہ، اس کو اٹھایا، اس سے پوچھا کہ آج میں نے ایسا ایسا خواب دیکھا ہے، کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا مجھے کیا معلوم، کہا کچھ تو بات ہے، ابھی تو دو ہی دیکھے تھے کیا معلوم اور بھی ہوں گے، سچ بتا کیا ماجرا ہے؟ کہنے لگی مجھے معلوم نہیں، کل شام کو ہم دونوں ہی گھومنے کے لئے گئے تھے، حضرت بہلولؒ ریت کے مکانات بنا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ اتنے اتنے کے ہیں، کہا ہاں ہاں میں بھی تو حضرت سے ملا تھا سب سے پہلے تو میں نے ملاقات کی تھی، ہارون نے پوچھا کیا تو نے سب کے پیسے دیدیئے تھے؟ زبیدہ نے کہا کہ ہاں میں نے تو سب کے پیسے ادا کر دیئے، (افسوس سے کہنے لگا کہ) ارے مجھے کیا معلوم یہ سچ مچ سودا ہو رہا ہے، میں تو سمجھا تھا کہ حضرت اپنی ایک شان میں ہیں، بڑھاپے میں کبھی بچپنہ غالب آجاتا ہے جیسے بچے گھر بناتے ہیں حضرت بھی بچوں کی شان میں آئے ہوں گے، میں تو کچھ سمجھا ہی نہیں اور تو نے سچ مچ پیسے بھی دیدیئے؟ زبیدہ نے جواب دیا: ہاں میں نے تو پیسے بھی دیدیئے تھے۔

یہ جنت کے مکان ہیں

زبیدہ کی بات سُن کر اس نے ساری رات کروٹیں بدلتے ہوئے اور یہ دعاء کرتے ہوئے گزاری کہ خدا کے لئے کل بھی اسی طرح حضرت ریت کے اوپر بیٹھے مل جائیں اور ویسے ہی ریت کے اوپر گھر بنا رکھے ہوں اور حضرت کے پاس جا کر میں بھی لے لوں، غرض بڑی مشکل سے اس نے رات گزاری اور نہایت مشکل سے اس نے دن کاٹا، شام ہوئی تو پھر اسی طرح دونوں کے دونوں سوار ہو کر ٹہلنے کے لئے نکلے ہارون رشید آگے آگے اور زبیدہ پیچھے پیچھے، اس نے کہا کہ تم پیچھے ہی رہو، کبھی وہ پھر آگے بڑھ جائے، اور وہ حضرت کے پاس پہنچے، دور سے دیکھا کہ حضرت ہیں اور اب بھی گھروندے بنا رکھے ہیں جیسے کل بنائے تھے اب جان میں جان آئی کہ شاید اب بات بن جائے، اب جیسے ہی حضرت کے پاس ہارون رشید پہنچا تو ویسے ہی اترا جیسے کل اترا تھا اور سلام عرض کیا، آداب بجالایا، خیریت پوچھی، طبیعت پوچھی، مزاج پوچھا، سب کچھ پوچھا، کہا حضرت! یہ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت نے اسی طرح فرمایا کہ یہ جنت کے مکان بنائے ہوئے ہیں، حضرت کیوں بنائے ہیں؟ بھائی بیچنے کے لئے بنائے ہیں اور کس لئے بنائے ہیں، ہارون نے کہا کہ: حضرت! کتنے کتنے کے ہیں؟ حضرت نے جو مکان ایک کمرے کا بغیر بیت الخلاء اور بغیر باورچی خانہ کے تھا اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سلطنت دیدو اور یہ لے لو، سلطنت کا مطالبہ سن کر اس کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اس نے کہا کہ حضرت کل تو یہ ایک آنہ کا تھا، اور آج پوری سلطنت

اس کی قیمت بن گئی، حضرت نے فرمایا کہ کل بغیر دیکھے سودا ہو رہا تھا آج دیکھ کر سودا ہو رہا ہے، اور یہ سودا تو اب بھی سستا ہے اگر چہ ہے، لیکن بادشاہوں کے لئے کرسی زیادہ عزیز ہوتی ہے، ''اللہ بچائے'' اس لئے نہ وہ سلطنت دے سکتا تھا اور نہ محل لے سکتا تھا۔

ایمان کی مثال

تو ہمارے بزرگوں نے فرمایا کہ ایمان کی یہی مثال ہے کہ ہم نے جنت نہیں دیکھی، دوزخ نہیں دیکھی، پُل صراط نہیں دیکھا، ہم نے اللہ جل شانہ کو نہیں دیکھا، اور ہم نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا زمانہ نہیں پایا، سب چیزیں ہماری نظروں سے غائب ہیں مگر ایمان ہے الحمدللہ، اللہ کے ہاں اُس ایمان کی قیمت ہے جو بغیر دیکھے ہو اور یہی ایمان معتبر ہے، دیکھ کر ایمان لانا کیا ایمان لانا ہے، وہ تو معتبر ہی نہیں، مثلاً اگر کوئی آدمی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو کر قبر کے حالات دیکھنے لگے، عالمِ برزخ کے حالات دیکھنے لگے اور ایمان لانے لگے تو اس وقت اس کا ایمان لانا کوئی معتبر نہیں، کیوں کہ اس نے آخرت کے حالات کو دیکھ لیا، دیکھ کر ایمان لانے کی کوئی قیمت نہیں، ہاں! بن دیکھے ایمان لانے کی بہت بڑی قیمت ہے، اور علاماتِ برزخ وغیرہ دیکھ کر ایمان لانا اللہ کے ہاں مقبول نہیں، جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَطْلُعَ

الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ مِنْ مَغْرِبِهَا اٰمَنَ النَّاسُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔ (رواہ مسلم: ج۱،ص:۸۸)

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک سورج مغرب سے نہیں نکلے گا، اور جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو سب کے سب لوگ (یہ دیکھ کر) ایمان لے آئیں گے پس! اس دن کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا جو اس سے پہلے (بن دیکھے) ایمان نہ لایا ہو یا اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ثَلَاثَةٌ اِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا۔

(۱) طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا۔

(۲) وَالدَّجَّالُ۔

(۳) وَدَابَّةُ الْاَرْضِ۔

(رواہ مسلم: ج۱،ص:۸۸)

ترجمہ

تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب ان کا ظہور ہوگا تو کسی انسان کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا، جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا ایمان کی حالت میں اس نے کوئی نیک عمل نہ کیا ہو:

(۱) سورج کا مغرب سے نکلنا۔

(۲) دجال کا نکلنا۔

(۳) دابۃ الارض کا نکلنا۔

اسی طرح قرآن کریم کی ایک آیت میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ يَنظُرُونَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ (الانعام ۱۵۸)

ترجمہ

یہ لوگ (جو واضح دلائل کے بعد اب بھی ایمان نہیں لاتے) صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے پاس آپ کا رب آئے یا آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے، جس دن آپ کے

رب کی بڑی نشانی آ پہنچے گی (اس روز) کسی ایسے شخص کا
ایمان کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہو یا اس
نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو، آپ (مزید)
فرما دیجئے کہ تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔

سمجھ لیجئے! بن دیکھے ایمان کو شریعت میں معتبر اور مقبول قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفات میں اسی ایمان کو ذکر فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ

ترجمہ

(متقین وہ ہیں) جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں۔

بہر حال! بن دیکھے ایمان بہت بڑی نعمت ہے، اس لئے امام بخاریؒ وحی کے بعد کتاب الایمان لے کر آئے کہ ایمان اتنی بڑی دولت ہے اور اتنی بڑی نعمت ہے۔ اور اس کے جتنے تقاضے ہیں وہ سارے بخاری شریف کے اندر ہم نے جمع کر دیئے ہیں، کتاب الایمان سے لے کر آخری باب تک جس کی آخری حدیث آپ کے سامنے پڑھی گئی ہے جس میں پیدائش سے لے کر موت تک ہر شعبہ کے متعلق جناب سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیمات ہیں جن پر عمل کرنے کا ہمیں حکم ہے اور ہم سے مطالبہ ہے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے پہلے اپنی نیت صحیح کر لو اس لئے سب سے پہلی حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ لائے ہیں۔

ایمان کے بعد تصحیح نیت سب سے اہم ہے

ایمان لانے کے بعد نیت اتنی بڑی چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اگر نیت صحیح ہے تو عمل صحیح ہے، اگر نیت خراب ہے تو عمل خراب ہے، نیت روح ہے عمل ایک جسم ہے اگر روح صحیح ہوگی جسم بھی صحیح رہے گا، اگر روح خراب ہوگی تو جسم بھی خراب اور برباد ہوگا۔ اس لئے سب سے پہلے إنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ والی حدیث لائے تاکہ پڑھنے والے اور پڑھنے والیاں سب سے پہلے اپنی نیت کو صحیح کرلیں، اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہی حکم ہے کہ وہ جب بھی کوئی عمل کریں سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ نیت کیا ہے؟ اگر کوئی سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع عمل کرے اور اس میں خدانخواستہ دکھاوے کی نیت ہے، ریاکاری کی نیت ہے، نام ونمود کی نیت ہے، یا کسی اور غرض کے لئے وہ کام کر رہا ہے تو جتنا بھی وہ کام کرلے اس کی کوئی حیثیت اللہ تعالیٰ کے ہاں نہ ہوگی، نہ اس کا کوئی وزن ہوگا۔

حُسنِ نیت کا عجیب واقعہ

احادیث کے اندر حُسنِ نیت جس کو اخلاص بھی کہتے ہیں اس کا واقعہ بڑا مشہور و معروف ہے قیامت کے دن اللہ جل شانہ، کے سامنے ایک بندے کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے گناہوں کے رجسٹر کھولے جائیں گے جو کہ ننانوے ہوں گے۔ اس بندے کے گناہوں کے ننانوے دفتر ہوں گے، ننانوے رجسٹر ہوں گے اور ایک رجسٹر اتنا لمبا چوڑا

ہوگا کہ جہاں تک نظر جائے گی وہاں تک رجسٹر ہی رجسٹر نظر آرہا ہوگا، ایسے لمبے چوڑے ننانوے رجسٹر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور ہر رجسٹر میں گناہ ہی گناہ درج ہوں گے ان میں کوئی نیکی نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ اس بندے سے پوچھیں گے کہ یہ سب گناہ تو نے کئے ہیں؟ وہ انکار نہیں کر سکے گا اقرار کرے گا جو کچھ ان میں لکھا ہے بالکل درست ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دیکھ لو ہمارے فرشتوں نے اس میں کوئی غلطی تو نہیں کی؟ کہ تو نے نہ کیا ہو اور انہوں نے گناہ لکھ دیا ہو؟ کہے گا نہیں، آپ کے فرشتوں نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی اور نہ آپ کے فرشتوں نے غلط لکھا ہے، جو کچھ لکھا ہے بالکل بجا ہے، میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھ سے غلطیاں ہوئیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ یہ میری غلطیاں ہیں جو ان میں لکھی ہوئی ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان ننانوے رجسٹروں کو لے کر جا اور اعمال نامے کے ترازو کے پلڑے کے اندر تلوا، وہ کہے گا پروردگارِ عالم! میں تو پہلے ہی اقرار کر رہا ہوں کہ یہ میرے گناہ ہیں اور میرے پاس نیکی کوئی ہے نہیں، میں کیا ان کو وہاں تلواؤں گا، اس میں تو میری رُسوائی ہوگی، آپ جو فیصلہ فرمانا چاہتے ہیں یہیں فرما دیں، اللہ پاک فرمائیں گے کہ نہیں بھائی ہم آج کسی پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کریں گے تیری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے اس کو ہم نیکیوں کے پلڑے میں رکھیں گے اور ننانوے دفتر گناہوں کے پلڑے میں رکھیں گے۔ وہ شخص اتنا مایوس ہوگا، اتنا شرمندہ ہوگا، اتنا پریشان ہوگا کہے گا کہ پروردگارِ عالم! مجھے تو اپنا حساب نظر آ گیا، کیا تلواؤں اور آپ وہاں لے جا کر میرے گناہوں کو کیا تولیں، میں تو عرض کر رہا ہوں کہ بس جو بھی ہے میرا تو یہی انجام ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ نہیں بھائی آج ہر

ایک کے ساتھ انصاف ہوگا، خیر اب اس کے ننانوے رجسٹر لے جا کر گناہوں کے پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے پھر اللہ تعالیٰ ایک ورق نکالیں گے جس کے اندر اَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔ لکھا ہوا ہوگا اس نے یہی ایک نیکی کی ہوگی اور نہایت خلوص اور حُسنِ نیت کے ساتھ کی ہوگی۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ اور مقبول تھی، لہٰذا جیسے ہی وہ کاغذ کا چھوٹا سا پُرزہ نیکیوں کے پلڑے میں رکھا جائے گا ایک دم نیکیوں کا پلڑا زمین پر بیٹھ جائے گا اور ننانوے رجسٹروں والا پلڑا آسمان پر چڑھ جائے گا، اللہ اکبر! وہ تو بالکل اپنی بخشش سے مایوس تھا، ہکا بکا رہ جائے گا، سوچے گا کہ واقعی یہ سچ مچ ہورہا ہے یا جو کچھ مجھے نظر آرہا ہے یہ حقیقت ہے؟ لیکن سب کچھ حقیقت میں ہورہا ہوگا کہ گناہوں کا پلڑا جس میں ننانوے رجسٹر رکھے ہوئے ہیں وہ آسمان سے باتیں کررہا ہوگا اور ایک نیکی جو جس پلڑے میں رکھی ہوگی وہ زمین پر ہوگا، فیصلہ ہوگیا جاؤ تمہاری بخشش ہوگئی، تم جنت میں چلے جاؤ۔ یہ ہے حُسنِ نیت کی برکت کہ اس نے سچی نیت کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ ایک مرتبہ یہ نیکی کی تھی، وہ نیکی ایسی وزنی ہوگئی کہ جس کے نتیجے میں اس کی بخشش کا سامان بن گیا تو بھائی تیسری چیز نیت کا خالص ہونا ہے کہ نماز پڑھیں، روزہ رکھیں زکوٰۃ دیں، حج کریں یا کسی کے ساتھ تعاون کریں، کسی کے ساتھ اچھا سلوک کریں، کسی کو ہدیہ دیں، تحفہ دیں محض اللہ کی رضا کے لئے اللہ کی محبت کے لئے۔ اللہ کے واسطے، دین کی نسبت سے دیں، دنیوی اغراض، دنیوی مقاصد قطعاً اس میں شامل نہ ہوں، لہٰذا نماز بھی اللہ کے واسطے ہوگی تو درست ہے، اور لوگوں کو دکھانے کے لئے ہوگی تو چاہے ساری رات مُصلّے پر گزار دے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

صحابہؓ کے برابر کسی کا اخلاص نہیں ہوسکتا

حُسنِ نیت اور اخلاص جس قدر صحابۂ کرامؓ کو حضور ﷺ کی برکت سے حاصل ہوا وہ دنیا میں اور کسی کو حاصل نہیں ہوا چنانچہ حدیث میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر میرا صحابی ایک مد گندم جو تقریباً ایک سیر کے برابر ہوتا ہے اللہ کے راستہ میں صدقہ کردے یعنی ایک سیر کے قریب قریب گندم خیرات کرے اور غیر صحابی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خیرات کرے تب بھی وہ میرے صحابی کے ایک مد گندم کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔ بہر حال بھائی! نیت بہت بڑی چیز ہے اس لئے ہر عمل سے پہلے دیکھ لیں کہ نیت کیا ہے؟ اگر نیت صحیح نہیں ہے تو پھر سب سے پہلے نیت صحیح کرلے اور جب نیت صحیح ہو جائے تو پھر عمل کرے پھر ان شاء اللہ اخلاص کی برکت سے وہ عمل قبول ہوگا اور اگر نیت صحیح نہیں تو پھر بظاہر عمل کتنا بھی اچھا ہو وہ بھی برباد ہوگا۔

ان کو تہجد گزار لکھ دو

ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی پیش ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ ان کے نامۂ اعمال میں لکھ دو کہ انہوں نے ساری عمر تہجد پڑھی ہے، ساری عمر انہوں نے روزے رکھے، ساری عمر انہوں نے فلاں نیک کام کیا، فرشتے عرض کریں گے کہ یا اللہ! انہوں نے تو کبھی تہجد پڑھی ہی نہیں اور آپ فرمارہے ہیں کہ ان کو تہجد گزار لکھ دو، کبھی انہوں نے نفلی روزے تو رکھے

نہیں، رمضان کے روزے تو خیر رکھے لیکن نفلی روزے تو رکھے نہیں اور آپ فرمارہے ہیں کہ ان کو صائم لکھ دو، اور فلاں عمل بھی انہوں نے کیا نہیں اور فرما ہے ہیں کہ ان کو فلاں عمل کرنے والا لکھ دو، یا اللہ! اس میں کیا حکمت ہے، کیا راز ہے، نامۂ اعمال میں تو ہم نے چونکہ ان کو تہجد پڑھتے دیکھا نہیں اس لئے لکھا ہی نہیں، اور جو عمل ہم نے ان کو کرتے ہوئے نہیں دیکھا وہ لکھا ہی نہیں اور آپ فرمارہے ہیں کہ لکھ دو، یا اللہ! اس میں کیا حکمت ہے؟ یا اللہ! آپ کا حکم سرآنکھوں پر ہم لکھنے کے لئے تیار ہیں بس ذرا سا پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس نے یہ کون سا ایسا خفیہ عمل کیا ہے کہ آپ ان کو تہجد گزار لکھوا رہے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ روزانہ تہجد کی نیت کرکے سوتے تھے، لہٰذا اس نیت کی وجہ سے ہم نے اس کو تہجد گزار لکھ دیا، اس کی نیت فلاں نیک کام کی ہوتی تھی اس لئے ہم نے اس کا ثواب دیدیا ہے۔ (الترغیب و الترہیب ص ۲۳۱ ج ۱)

مؤمن کی نیت اسکے عمل سے بہتر ہے

حدیث میں آتا ہے نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ (مرقاۃ ص ۵) کہ مؤمن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے، بعض اوقات نیت عمل سے بڑھ جاتی ہے، بس نیت صحیح ہو اس لئے کہ نیت میں خلوص ہی خلوص ہوتا ہے اور عمل میں خلوص بھی ہوسکتا ہے اور ریاکاری بھی ہوسکتی ہے اور دونوں کی ملاوٹ بھی ہوسکتی ہے، جیسے ہمارا حال ہے کہ اللہ بچائے کہ خلوص بھی آگیا ریاکاری بھی آگئی تو اس کا پاس ہونا بھی ذرا مشکل ہے لہٰذا جس کی نیت ہی صرف اللہ کے لئے روزہ رکھنے کی ہوگی، اللہ ہی کے لئے نوافل پڑھنے کی ہوگی، اللہ ہی کے لئے صدقہ خیرات کرنے کی ہوگی تو اس کو اس نیت کے بدولت بھی ثواب ملے

گا، اور بعض مرتبہ اس عمل سے بڑھ کر اس کو ثواب ملے گا، تو بھائی نیت بہت بڑی چیز ہے۔

حُسنِ نیت سے کھانا پینا عبادت

زیادہ تفصیل تو میں آپ کے سامنے بیان نہیں کر سکتا اس لئے کہ کافی دیر ہو رہی ہے لیکن ایک واقعہ پانی پت کا سنا دوں لیکن اس سے پہلے میں یہ عرض کر دوں کہ جتنے بھی اعمالِ صالحہ ہیں خواہ وہ فرائض و واجبات ہوں یا سنن و مستحبات، ان کو خلوصِ نیت اور صحیح نیت سے کرنا تو ہے ہی بہت اونچا عمل اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائے اور بیان کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ آج ہم اس بات کو پلے بندھ لیں، لیکن اس نیت کے صحیح ہونے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ ہم اگر اس کو صحیح کرنے کی عادت ڈال لیں تو ہمارے وہ کام بھی جو بذاتِ خود عبادت نہیں ہیں وہ بھی عبادت بن جائیں گے یہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خاصیت رکھی ہے جو اس واقعہ سے ان شاء اللہ آپ کی سمجھ میں آ جائے گی، یہ واقعہ پانی پت کے اس زمانہ کا ہے جب وہاں دریائے جمنا کے اوپر پُل نہیں تھا، بس قاعدہ یہ تھا کہ سردیوں میں تو لوگ نیچے ہی سے گزر جاتے، شلوار اوپر کی اور پانی میں ادھر سے اُدھر پار ہو گئے اس لئے کہ سردیوں میں دریا خشک ہو جاتا ہے اور گرمیوں میں اس کے اندر سیلاب آیا کرتا تھا، جب سیلاب آتا تو کشتیوں کے ذریعہ اِدھر سے اُدھر پار ہو جاتے اور جب سیلاب آتا تو کشتیاں بند ہو جاتی تھیں اب اِدھر کا اُدھر اور اُدھر کا اِدھر کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

دو مخلص دوست

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب سیلاب آیا ہوا تھا اس زمانہ میں دریائے جمنا کے اس پار بھی اور اس کے اُس پار بھی دو بزرگ رہتے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے، دونوں ایک دوسرے سے اللہ کے واسطے محبت رکھتے تھے، اس لئے دونوں کبھی کبھی ملتے بھی تھے اور کبھی کبھی ایک دوسرے کو ہدیہ بھی دیا کرتے تھے، اللہ کے واسطے ملنا اور اللہ کے واسطے ایک دوسرے کو ہدیہ دینا بہت بڑی عبادت ہے، اس کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے، کسی بھی مسلمان کو کوئی اللہ کے واسطے ہدیہ دے یہ بھی بہت بڑی دولت ہے بہت بڑی نعمت ہے اس پر بھی بڑا اجر وثواب ہے۔

اس زمانہ میں ایک دن ایسا ہوا کہ دریا کے اس کنارے جو بزرگ رہتے تھے ان کے ایک معتقد یا ایک مرید ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان بزرگ نے اس سے کہا کہ آج ہمارے گھر میں بہت اچھا کھانا پکا ہے اور بہت دن کے بعد پکا ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ جو کھانا ہے یہ میرا بھائی جو دوسرے کنارے رہتا ہے اس کو بھجواؤں، اس لئے تم یہ کھانا اس کو پہنچا آؤ، اس نے کہا بہت اچھا آپ کا حکم سر آنکھوں پر، لائیے لیکن ایک منٹ کے لئے یہ تو بتائیے کہ سیلاب آیا ہوا ہے کشتیاں بند ہیں میں کیسے جاؤں گا؟ بزرگ نے کہا کہ تم اس کی فکر نہ کرو بس تم دریائے جمنا کے قریب جا کر میرا سلام کہنا اور کہنا کہ فلاں بزرگ نے بھیجا ہے جس نے آج تک نہ کبھی کھانا کھایا اور نہ پانی پیا ہے، راستہ دیدو، یہ سنا تو وہ بھی ذرا ہوشیار ہوا کہ حضرت کیا فرمارہے ہیں، مگر حضرت کا کام بھی کرنا ہے اس لئے اس نے سوچا کہ پہلے کام کر آؤں پھر

آ کر حقیقت پوچھوں گا، جناب اس نے کھانا لیا اور سیدھا جمنا کے کنارے پہنچا، سلام کہا اور کہا کہ فلاں بزرگ جنہوں نے مجھے جانے کے لئے کہا ہے انہوں نے کہا کہ مجھے راستہ دیدے اور یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے آج تک نہ کھانا کھایا نہ کبھی پانی پیا ہے، جیسے ہی یہ کہا تو جمنا کا پانی ایک دم اوپر کا اوپر رہ گیا اور نیچے کا نیچے چلا گیا اور جو بزرگ کے معتقد تھے آرام سے نیچے اترے اور جا کر ان دوسرے بزرگ کو اُن بزرگ کا سلام کہا اور کھانا پیش کیا انہوں نے دیکھا تو کہا کہ سبحان اللہ، سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو جزائے خیر دے بڑے موقعہ پر کھانا بھیجا ہے آج کل ہم کئی دن سے فاقہ میں مبتلا تھے، کئی دن سے فاقہ تھا آج طبیعت کھانے کو بہت چاہ رہی تھی بھائی نے آج بڑے موقعہ پر یاد کیا ہے، میرے بھائی کا بہت بہت شکریہ ادا کرنا، انہوں تے فرمایا کہ میں برتن کہاں بھجواؤں گا لہٰذا تم ایسا کرو کہ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ میں تمہارے سامنے کھانا کھا کر برتن تمہیں دے دیتا ہوں، برتن بھی ساتھ ہی لیجانا، اب جناب انہوں نے سامنے کھانا کھایا پانی پیا، برتن خالی کئے اور پھر میرے حوالے کئے، تو میں نے کہا کہ حضرت! آ تو گیا تھا مگر جاؤں کیسے؟ حضرت نے فرمایا کہ آئے کیسے تھے؟ کہا کہ حضرت نے یہ فرمایا تھا کہ جمنا کو میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ آج تک جس نے نہ کھایا نہ پیا اس نے کہا ہے کہ راستہ دیدے، میں نے یہ کہا تو جمنا نے راستہ دیدیا اور میں آ گیا، حضرت نے فرمایا کہ یہی میری طرف سے جمنا سے کہہ دینا، میرا نام لے کر اس سے کہنا کہ اس نے سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ جس نے آج تک نہ کھایا نہ پیا وہ کہتا ہے کہ راستہ دیدو، معتقد اور مرید صاحب کہتے ہیں کہ اب میں حضرت کے منہ کو دیکھ رہا

ہوں کہ ابھی میرے سامنے کھانا کھایا ہے، برتن خالی کر کے مجھے دیئے ہیں اور اب کیا فرمارہے ہیں؟ مگر میں نے کہا کہ پہلے اس پار تو کسی طرح چلے جاؤں پھر دیکھیں گے، کہتے ہیں کہ میں جلدی سے آیا حضرت سے مل کر اور جیسے حضرت نے فرمایا تھا میں نے ویسے ہی سلام اور پیغام جمنا سے کہہ دیا اور میں نے جیسے ہی کہا تو فوراً وہ ویسے ہی ہوگئی جیسے پہلے ہوئی تھی کہ اوپر کا پانی اوپر اور نیچے کا پانی نیچے، تو میں جلدی سے اس پار سے اس پار پہنچا اور خیریت سے حضرت کے پاس پہنچ گیا اور جا کر کہا کہ حضرت میں کھانا پہنچا کر کے آیا ہوں اور حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار کیا ہے اور شکریہ ادا کیا ہے، مگر حضرت میں تو ایک بڑے اشکال کے اندر مبتلا ہو گیا ہوں، میں حیران ہوں آپ کو تو میں نے بہر حال کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن ہے یہاں بھی مشکل کہ آپ نے یہ کہلوایا تھا کہ جنہوں نے آج تک نہ کبھی کھانا کھایا نہ پانی پیا ہے، لیکن حضرت آپ کے بھائی نے تو حد کر دی کہ میرے سامنے کھانا کھایا، پانی پیا، برتن صاف کئے اور مجھے دیدیئے، میں نے پوچھا کہ جاؤں کیسے؟ تو انہوں نے بھی فرمایا کہ جمنا کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ جس نے آج تک نہ کبھی کھانا کھایا اور نہ پانی پیا اس نے کہا ہے کہ راستہ دیدے، اس کے اس کہنے سے جمنا نے بھی راستہ دیدیا، حضرت! انہوں نے تو میری آنکھوں کے سامنے کھایا پھر میں کیسے کہہ دوں کہ کھانا نہیں کھایا، لیکن دریائے جمنا بھی دونوں کا کہنا مان رہی ہے، راستہ دے رہی ہے، یہ کیا ماجرا ہے؟ میری سمجھ سے باہر ہے، حضرت! کچھ آپ ہی اس کی وضاحت فرمایئے، حضرت نے فرمایا کہ اب آپ نے پوچھ ہی لیا ہے تو بتا دیتے ہیں ورنہ یہ باتیں بتانے کی نہیں ہوتیں یہ راز کی باتیں

راز میں رکھی جاتی ہیں مگر تم نے پوچھ لیا ہے تو تمہیں بتا دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں نے جو یہ کہا کہ آج تک کھانا نہیں کھایا پانی نہیں پیا یہ بھی صحیح ہے اور میرے بھائی نے جو کہا کہ آج تک کھانا نہیں کھایا پانی نہیں پیا وہ بھی صحیح ہے اس لئے کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم جو کھانا کھاتے یا پانی پیتے ہیں وہ محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے نہیں کھاتے پیتے بلکہ محض اللہ کا حکم سمجھ کر اور حضور ﷺ کی اتباع میں کھاتے ہیں اور جو ہم نے اللہ کے لئے کھانا کھایا وہ تو اللہ کے لئے کھانا ہوا، ہمارا کھانا کہاں ہوا، یہی بات میں نے کہی اور یہی بات ہمارے بھائی نے کہی، انہوں نے بیشک تمہارے سامنے کھایا تھا، لیکن وہ اللہ کے لئے کھایا تھا، لہٰذا وہ اللہ کے لئے ہوا اپنے لئے نہ ہوا، جو کھانا اللہ کے واسطے کھایا گیا ہو وہ اللہ کے لئے ہے اور جو اپنے نفس کی خواہش کے لئے یا اپنی بھوک مٹانے کے لئے کھایا گیا ہو وہ اپنے لئے ہے، اس میں حسن نیت کا کوئی اجر وثواب نہیں۔

جو عمل اللہ کے لئے کیا جائے وہ اللہ کے لئے ہوتا ہے

جو عمل اللہ کے لئے ہو وہ اللہ کے لئے ہوتا ہے، چاہے وہ سبحان اللہ، اللہ اکبر ہو یا چاہے نماز ہو، چاہے کھانا پینا ہو یا مرنا جینا، بس وہ اللہ کے لئے ہو، وہ باعث اجر ہے اور باعث قربِ الٰہی ہے، نیت دیکھ لیجئے کتنی اونچی چیز ہے، تو بھائی! بزرگوں کے جو درجے بڑھتے ہیں وہ اسی لئے بڑھتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو ان کے اعمال ہمیں نظر نہیں آتے لیکن باطن کے اندر ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا عجیب وغریب تعلق ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے ظاہری کام جنہیں ظاہری طور پر عبادت نہیں سمجھا جا سکتا وہ بھی ان کی حُسنِ

نیت کی وجہ سے عبادت بنے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے وہ چوبیس گھنٹے کی زندگی میں عام لوگوں سے ہزار گنا تیز رفتاری سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے رہتے ہیں اور مقاماتِ قرب طے کرتے رہتے ہیں، اور عام لوگ جہاں ہیں بے چارے وہیں کھڑے رہتے ہیں، لہٰذا اخلاص کی برکت سے اور اچھی نیت سے عام معمولاتِ زندگی بھی عبادت بن جاتے ہیں، اس لئے امام بخاریؒ نے حُسنِ نیت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایمان لانے کے بعد اب عمل ہی عمل کرنا ہے جس سے سارا قرآن شریف بھرا ہوا ہے، جس سے ساری بخاری شریف بھری ہوئی ہے اس لئے اس کے لئے اب تم حُسنِ نیت کی کشتی میں سوار ہو جاؤ تو تمہاری کشتی پار ہو جائے گی اور اگر تم نے حُسنِ نیت کو چھوڑ دیا تو پھر یاد رکھنا کہ اب تمہاری زندگی کا کامیاب ہونا مشکل ہے، لہٰذا اخلاص اور حُسنِ نیت بہت بڑی دولت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخلاص کا عجیب قصہ

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قصہ یاد آیا وہ بھی سنا دوں پھر آگے چلوں گا ان شاء اللہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک مرتبہ جہاد میں ایک دشمن سے مقابلہ ہوا اور بڑا زبردست مقابلہ ہوا جس میں بالآخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے زیر کرلیا اور اس کا سر قلم کرنے کے لئے اس کے سینے پر بیٹھ گئے، عین اس وقت جب حضرت علیؓ اس کے سینے پر بیٹھے اور اس کے سر کو قلم کرنے کا ارادہ فرما رہے تھے کہ اس نے آپؓ کے چہرے پر تھوک دیا، جونہی اس نے حضرت کے چہرے پر تھوکا حضرت اس کے سینے سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے وہ حیران رہ گیا کہ انہوں نے مجھے کیسے چھوڑ دیا جبکہ میں پوری طرح

ان کے قابو میں تھا اور چند لمحے باقی تھے میرے ذبح ہونے میں، آخر انہوں نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ خود ہی اس نے پوچھا کہ حضرت آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا کہ جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا تو میرے نفس کو جوش آیا اس وقت اگر میں تجھے قتل کرتا تو یہ نفس کے لئے ہوتا اور پہلے تجھے اللہ کے واسطے قتل کرنے کی نیت تھی تو میرا یہ عمل اللہ کے لئے تھا جب تو نے میرے چہرے پر تھوکا تو مجھے غصہ آ گیا اب میں نے سوچا کہ اب اگر اس کو قتل کروں گا تو اپنے غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قتل کروں گا اور اب قتل کرنا اللہ کے لئے نہیں ہوگا اس لئے میں نے تجھے چھوڑ دیا کہ یہ قتل اللہ کے لئے نہیں ہے۔ یہ ہے تعلیم، اس نے جب حضرت کی یہ بات سُنی تو اس نے کہا کہ حضرت آپ کا مذہب سچا ہے، میں کافر ہوں غلطی پر ہوں، لو میں اسلام قبول کرتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

ریاکاری ناجائز اور حرام ہے

جس مذہب کے اندر اتنی باریک تعلیم ہو وہ حق ہی ہوسکتا ہے ناحق نہیں ہوسکتا، یاد رکھئے! نیت دل کے اندر ہوتی ہے، ہمارے معاشرے میں ریاکاری اور نمود ونمائش کے کام بے شمار ہوتے ہیں۔

شادی بیاہ کے موقعہ پر عام طور پر جتنے لین دین، کھانا پانی اور تحفے تحائف ہوتے ہیں اسی طرح جتنی رسومات ہوتی ہیں سب نمائش کے لئے ہوتی ہیں الا ماشاء اللہ، یاد رکھئے! ان سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے، اور جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو جتنی رسومات اور بدعات ہوتی ہیں وہ بھی عام طور پر برادری کو دکھانے کے لئے ہی ہوتی ہیں کہ ہماری برادری میں یہ

رسومات اوپر سے ہوتی چلی آرہی ہیں، لہٰذا ہم بھی کریں گے، اگر نہ کریں تو قوم اور برادری کیا کہے گی؟ ناک کٹے گی، ناک کی وجہ سے، برادری کی وجہ سے، طعن وتشنیع کی وجہ سے، وہ ناجائز کام بھی کر لئے جاتے ہیں؟ بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے یہ سب دکھاوے اور نمود ونمائش کے لئے ہوتا ہے، دکھاوا اور نمائش ریا ہے اور ریاکاری ناجائز، حرام اور شرکِ خفی ہے، تو بھائی امام بخاریؒ نے اِنّما الاَعْمالُ بِالنِّیّاتِ حدیث لاکر ہمیں سکھایا ہے کہ نیت صحیح کرلو، وحی بھی آچکی، ایمان بھی تم کو مل گیا، اس کے بعد جو سب سے اہم چیز ہے وہ حسنِ نیت ہے اس کو اپنے دامن میں لے لو، پھر جو بھی عمل کرو پہلے اپنی نیت صحیح کرلو پھر اس کو انجام دو، جب تمہاری نیت صحیح ہوگی تو پھر تمہارا تھوڑا عمل بھی بہت ہوگا اور ریاکاری کے ساتھ تو بے شمار نیکیاں بھی رائیگاں ہوں گی۔

جب وقت آخر ہو

اس کے بعد چلتے چلتے آخر میں اس حدیث پر امام بخاریؒ نے بخاری شریف کو ختم فرمایا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ، اس پر آپ نے اس لئے ختم فرمایا کہ مؤمن کی زندگی کا آخری حال یہ ہونا چاہئے کہ وہ جب دنیا سے جارہا ہو تو اس کی زبان پر اللہ کا نام آرہا ہو، ساری زندگی اللہ کی عبادت میں لگا رہے اس کی اطاعت میں مشغول رہے، زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھے ظاہر اور باطن کو سنوارتا رہے یہاں تک کہ جب اس کا آخری وقت آئے تو اس کا آخری کلمہ اللہ تعالیٰ کا نام ہو، جس مسلمان کا آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنتی ہے۔

ایک شعر یاد آگیا ؎

یہی آرزو ہے کہ جانِ من تیرا نام لیتا ہوا مروں
تیرے کوچے میں نہ سہی مگر تیری رہ گزر پہ مزار ہو

اور یہ حدیث تو مشہور ہے کہ جس مؤمن کا آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہو گا وہ جنت میں جائے گا لہٰذا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کہہ کر یہ فرمایا کہ بھائی! اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کو زندگی کا لازمی حصہ بنالو، یہ مغز ہی مغز ہے سارے دین کا اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کو کیوں اختیار فرمایا اور بھی تو کلمات ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دنیا میں جتنے بھی کلمات ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جاتا ہے ان تمام کلمات میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب چار کلمات ہیں:

(۱) سُبْحَانَ اللّٰہِ
(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
(۳) اللّٰہُ اَکْبَرُ
(۴) لا الٰہ الّا اللّٰہُ

اور یہ چار کلمات سب سے زیادہ محبوب کیوں ہیں؟ اس لئے کہ ان چاروں کلموں میں اللہ تعالیٰ کے چار مقامات کا ذکر ہے اور وہ چار مقامات اللہ تعالیٰ کے نہایت عالی اور نہایت بلند ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات بلند ہے وہ مقامات بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، کسی اور کو نہیں مل سکتے، اسی طرح یہ کلمات بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا پہلا مقام

پہلا مقام اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بے عیب ہیں، ہر قسم کے عیب سے پاک ہیں، ہر قسم کی کمزوری سے پاک ہیں، کسی قسم کا کوئی نقص، کوئی عیب، کوئی خامی، کوئی خرابی اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہیں ہے، ہر نقص سے پاک اور وراء الوراء ہیں، ہمارے حضرت (حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) کے چند اشعار یاد آ گئے جو میرے پاس حضرت کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، اس میں حضرت نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی اور توصیف بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

تیرے دیکھنے کی جو آس ہے یہی زندگی کی اساس ہے
میں ہزار تجھ سے بعید ہوں یہ عجب کہ تو میرے پاس ہے،
تیری ذات پاک ہے لازوال تیری سب صفات ہیں بے مثال
تو برون وہم وخیال ہے تو وراءِ عقل وقیاس ہے
کسی انجمن میں قرارِ دل نہ کسی چمن میں بہارِ دل
کہوں کس سے حالت زارِ دل کہ یہ ہر جگہ میں اداس ہے
تیرا کچھ پتہ بھی جو پا گیا وہ تمام جہاں پہ چھا گیا
اسے اب کسی سے امید ہے نہ کسی سے خوف وہراس ہے

اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو صحیح اور سچا عشق نصیب ہو جائے تو یقیناً وہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی فلاح یاب ہو گیا، تو بے شک اللہ تعالیٰ ہر عیب سے وراء الوریٰ ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب، کمزوری اور نقص سے پاک ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا ہر مخلوق عیب دار

ہے، مخلوق عیب دار اور خالق بے عیب ہے ہر نقص سے ہر عیب سے یہ پہلا مقام ہے جو سبحان اللہ میں بیان کیا گیا ہے، سبحان اللہ کا معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے۔

دوسرا مقام

اللہ تعالیٰ کا دوسرا مقام یہ ہے کہ تمام خوبیاں، سارے کمالات، ساری اچھائیاں اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے اندر موجود ہیں، اگر کسی مخلوق کے اندر بھی کوئی خوبی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے، بندے کا اس میں کوئی ذاتی کمال نہیں ہے بس ساری خوبیوں کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، ہر طرح کی خوبی، ہر طرح کی خیر، ہر طرح کا علم، ہر طرح کا کمال، ہر طرح کا فضل، جتنی اچھائیاں ہوسکتی ہیں سب اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے اندر موجود ہیں اور منحصر ہیں، مخلوق کو جو کچھ ملتا ہے ان کے عطاء کرنے سے ملتا ہے، جتنا عطاء فرما دیتے ہیں بس اتنا ہی بندے کو ملتا ہے وہ بھی ان کے حقیقی کمالات کا پرتاوَ اور عکس ہوتا ہے حقیقت تو بندے کے اندر ہو ہی نہیں سکتی، لہٰذا یہ دوسرا مقام الحمدللہ کے اندر بیان کیا گیا ہے۔

تین چیزیں سب سے بڑی

جب اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے، ہر خوبی سے مالا مال ہے تو بس سب سے بڑی ذات انہی کی ہے:

وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ (پارہ ۲۵)

ترجمہ

اور اسی (اللہ) کے لئے بڑائی ہے زمین وآسمان میں،

اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو قرآن شریف میں بڑا فرمایا ہے (یاد رکھنا بڑے کام کی بات عرض کر رہا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ) کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کو اللہ نے سب سے بڑا فرمایا

۱۔ اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑے ہیں، اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی نہیں ہوسکتا، نہ ہوا ہے، نہ ہوگا، نہ ہوسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے بڑھ کر ہے اس میں تو کوئی شک ہی نہیں۔

۲۔ دوسری چیز فرمایا

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ (پارہ : ۲۱)

کہ اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔

سب سے بڑی دولت ہے، اسی پر امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو ختم فرمایا ہے، اللہ پاک فرمارہے ہیں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑی دولت ہے، ذکر میں قرآن شریف بھی آگیا، ذکر میں ہر نیکی آگئی، ذکر میں تسبیحات بھی آگئیں، تلاوت بھی آگئی، اللہ تعالیٰ کی یاد آگئی اس پر مجذوب صاحب کے اشعار یاد آگئے وہ سنادوں، مجذوب صاحب فرماتے ہیں:۔

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لوٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم میں تیرے دل شاد رہے
اپنی نظر سے سب کو گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وِردِ زباں اے میرے الٰہ
لا الٰہ الا اللّٰہ لا الٰہ الا اللّٰہ

بھائی! اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے اس لئے اللہ کے ذکر کا عادی بننا چاہئے، آدمی کو صبح وشام بھی اللہ کا ذکر کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، مسنون تسبیحات کی پابندی کرلیں اور چلتے پھرتے بھی درود شریف اور لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا دائمی معمول بنالیں۔

۳۔ اور تیسری چیز جس کو اللہ نے بڑا فرمایا وہ ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ

اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر ہے

(اللہ پاک یہ دولت ہمیں بھی نصیب فرمائے، اللہ پاک نصیب فرمائے آمین) جیسے اللہ کی ذات سب سے بڑھ کر ہے ایسے ہی اللہ کی یاد اور اللہ کی رضا بھی سب سے بڑھ کر ہے۔

تیسرا مقام

تیسرا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری کمزوریوں، عیبوں سے پاک، ساری خوبیوں کے مالک ہیں، سب سے بڑی انہی کی ذات ہے اس لئے اللہ اکبر میں اللہ تعالیٰ کا تیسرا مقام بیان فرمایا گیا ہے۔

چوتھا مقام

لاالٰہ الا اللّٰہ میں مقامِ توحید بیان کیا گیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا چوتھا مقام ہے کہ جب وہ بے عیب ذات ہے، اور جب وہ ہر قسم کی خوبیوں کی مالک ہے، اور جب وہ سب سے بڑھ کر ہے تو پھر ان کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے، کوئی ان کی ذات وصفات میں شریک نہیں ہے وہ وحدہ لا شریک ہے بس انہی کو مانو، اُسی کے ہو جاؤ اُسی کی طرف ہو جاؤ بس یہ ان کی طرف سے حکم ہے اور یہ چوتھا مقام ہوا۔

یہ چار مقامات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں

یہ چار مقامات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، اور یہ مقامات اللہ تعالیٰ کو ایسے مخصوص اور عزیز ہیں کہ جن کلمات کے اندر ان مقامات کو بیان کیا گیا ہے وہ کلمات بھی اللہ تعالیٰ کو نہایت عزیز ہیں اور جو ان کلمات پر عامل ہوگا وہ بھی سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو عزیز اور پیا ہوگا، لہٰذا سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، پڑھنے کا معمول بنالیں، اور جو اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا مقام بیان کیا گیا ہے اس کو ذہن میں رکھ کر پڑھیں، پھر دیکھو کیسا اثر ہوتا ہے، اور اگر بھول جائیں تو ایک بات کو یاد رکھیں جسے میں عرض کر دیتا ہوں، چاہے کوئی بھی تسبیح پڑھیں، سُبْحَانَ اللّٰہِ کی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کی، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی یا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ پہلے یہ نیت کرلیں کہ یا اللہ میں اس لئے پڑھ رہا ہوں تاکہ آپ کی محبت میرے دل کے اندر پیدا ہو جائے، بس اللہ تعالیٰ کی محبت میرے دل میں آجائے یہ نیت کر کے آپ تسبیح پڑھیں اگر چار مقام یاد نہ رہیں تو یہ تو یاد

رہے گا، مقام محبت تو بھولنے والا نہیں ہوتا بھائی، وہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے میرا نام لیں تاکہ میری محبت ان کے دل کے اندر اتر جائے، تو بس اللہ کی محبت کے لئے اس کو پڑھنا شروع کردیں۔

یہ مقامات ان کلمات میں موجود ہیں

یہ چاروں مقامات سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم میں موجود ہیں اسی لئے سرکار دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ یہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کے نزدیک بہت ہی محبوب ہیں خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ، زبان پر بہت ہی ہلکے ہیں ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ، اور میزانِ عمل میں بہت بھاری ہیں اور وہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم، چونکہ اللہ پاک نے ہمیں اپنی نوازش، بخشش اور مغفرت سے نوازنے کا ارادہ کرلیا ہے اس لئے وہ کلمات جو آخرت کے ترازو میں نہایت بھاری ہوں گے ان کو یہاں نہایت ہلکا کردیا تاکہ میرے کمزور بندے آسانی سے اس کو لے سکیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے القاب حذف کردیئے، اپنے آداب معاف کردیئے، اور ہر حالت میں اپنا نام لینے کی اجازت دیدی یہاں تک کہ جنابت وحیض سے پاک ہونا بھی ضروری نہیں، حالتِ جنابت وحیض میں بھی تسبیح پڑھنا جائز ہے تلاوت کرنا جائز نہیں، لیکن اللہ کا ذکر کرنا جائز ہے، اللہ نے بخشنے اور نوازنے کا ارادہ کرلیا ہے اگر اللہ تعالیٰ حکم دیدیتے کہ پہلے اپنے منہ کو اچھی طرح پاک وصاف کرو اور پھر جس طرح تم دنیا کے بادشاہوں کے نام لینے سے پہلے لمبے لمبے القاب لگاتے

ہو ایسے ہی ہماری شان کے لائق القاب لگاؤ، اور پھر کہیں جا کر ہمارا نام لینا تو زندگی بھر میں کوئی بڑی مشکل سے ہی ایک مرتبہ اللہ کا نام لے سکتا ہے، کیونکہ اللہ کی شان تو ایسی ہے کہ اول تو ہمارا منہ پاک نہیں ہو سکتا، پھر اللہ کی ذات اتنی بڑی ہے اس کے لئے اتنے القاب چاہئیں کہ بے شمار و بے حساب اور جتنے بھی ہم القاب لگائیں وہ سب کم پڑ جائیں اور ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو، پھر کہیں جا کر ایک مرتبہ اس کا نام لینا نصیب ہوتا۔

اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہیں انہوں نے اپنی اس صفت کی وجہ سے منہ کا پاک ہونا بھی ختم کر دیا کہ یہ بھی کوئی ضروری نہیں، ہو تو بہتر نہیں تو کوئی حرج نہیں، اور یہ بھی فرما دیا کہ ہمارے لئے القاب کی بھی کوئی ضرورت نہیں، تم جس حالت میں بھی ہو، جہاں بھی ہو، چل رہے ہو، بیٹھے ہو، سو رہے ہو، لیٹے ہو، جہاں بھی ہو جس حال میں بھی ہو ہمارا نام لے سکتے ہو، تو یہاں اللہ پاک نے اپنا نام لینا اور ذکر کا کرنا اتنا آسان کر دیا ہے، اور یاد رکھنا! آخرت میں ان کلمات کا حقیقی وزن ظاہر ہوگا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی چار وصیتیں

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کے متعلق حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک وصیت یاد آ گئی وہ سنا کر ان شاء اللہ بات کو ختم کروں گا، کافی دیر ہو گئی ہے، حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے بیٹوں کو جمع فرمایا، اور فرمایا کہ دیکھو میرا انتقال ہونے والا ہے میں تمہیں اپنی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کا خلاصہ بتانا چاہتا ہوں، وہ تم یاد رکھنا، میرے مرنے کے بعد

پلے باندھ لینا، اس پر عمل کرتے رہنا، تم کامیاب ہو جاؤ گے، اب آپ اندازہ لگا لو کہ حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نوسو سال کی تبلیغ کا خلاصہ بطور وصیت فرما رہے ہیں جو ہمارے لئے بھی نہایت اہم ہے، یاد رکھنے کے قابل ہے، ہمیں بھی اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، اللہ پاک توفیق عطا فرمائیں۔ جب سب بیٹے جمع ہو گئے اور حضرت کی طرف متوجہ ہو گئے تو حضرت نے فرمایا کہ پوری تبلیغ کا حاصل اور لُبِّ لُباب یہ ہے کہ دو باتوں کا ہمیشہ خیال رکھنا اور تا زندگی کرتے رہنا اور دو باتوں سے ہمیشہ بچتے رہنا (مستدرک حاکم، الترغیب و الترھیب ص ۲۶۹ ج ۲) پھر حضرت نے ان کی وضاحت فرمائی۔

پہلی وصیت

پہلی وصیت یہ ہے کہ ہمیشہ شرک سے بچنا، شرک کی وجہ سے انسان کی بخشش نہیں ہوتی، شرک کے ہوتے ہوئے انسان کے اچھے کام بھی آخرت میں اُس کے کام نہیں آتے، اللہ تعالیٰ اس سے ہماری حفاظت فرمائے۔ ''آمین''

دوسری وصیت

دوسری وصیت حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہ کی کہ تکبر سے بچنا، اور یہ چیز آج بھی ہمارے معاشرے کے اندر کثرت سے پائی جاتی ہے، تکبر بہت پایا جاتا ہے، اور کچھ نہ کچھ تکبر ہر شخص میں ہوتا ہے، الا ماشاء اللہ، اور کسی نہ کسی وجہ سے ہو ہی جاتا ہے، عالموں کو علم کی وجہ سے، عاملوں کو عمل کی وجہ سے، مجاہدوں کو جہاد کی وجہ سے، مبلغین کو تبلیغ کی وجہ سے، مدرسین کو درس

کی وجہ سے اور متعلمین کو متعلم ہونے کی وجہ سے ہوجاتا ہے، متعلمات کو متعلمہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، خوبصورت کو خوبصورتی کی وجہ سے، طاقتور کو طاقت کی وجہ سے، گورے کو گورے پن کی وجہ سے، پڑھے لکھے کو پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے، صاحب عہدہ کو عہدہ کی وجہ سے اور صاحب منصب کو منصب کی وجہ سے ہوتا ہے، اور تو اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تکبر کم بخت ایسی بُری بلا ہے کہ بھنگیوں کے اندر بھی ہے، بھنگیوں کے اندر بھی تکبر پایا جاتا ہے کہ جب ایک بھنگی کی دوسرے بھنگی سے لڑائی ہوگی تو وہ کہے گا کہ تو کیا جانے کمانا جیسے مجھے کمانا آتا ہے، یعنی تجھے کیا پاخانہ اٹھانا آئے گا جیسے مجھے پاخانہ اٹھانا آتا ہے اب بھلا بتاؤ، یہاں بھی تکبر موجود ہے تو پھر کہاں نہ ہوگا، تو بھائی تکبر جو ہے یہ بہت بُری بلا ہے، تکبر کے معنی ہوتے ہیں کہ دل میں اپنے آپ کو دوسرے سے اچھا سمجھے اور دوسرے کو حقیر سمجھے، یہ حرام ہے اور انسان کی لٹیا کو ڈبونے والی چیز ہے، اللہ بچائے، تکبر دنیا و آخرت میں انسان کو ذلیل کرنے والی چیز ہے۔

تواضع اختیار کرنا فرض ہے

اس کے مقابلہ میں تواضع اختیار کرنا فرض ہے اور تواضع بھی دل میں ہوتی ہے، تکبر بھی دل میں ہوتا ہے اور تواضع یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے دل میں اپنے آپ کو دوسرے مسلمان سے کمتر سمجھے اور دوسرے ہر مسلمان کو اپنے سے افضل سمجھے چاہے ظاہر میں وہ کیسا ہی فاسق و فاجر ہو، کیسا ہی فسق و فجور میں مبتلا ہو، اس کی بد اعمالیوں کو تو گناہ سمجھو، مگر اس کی ذات کو اپنے سے اچھا سمجھو، یہ ہے تواضع، یاد رکھنا! تواضع اختیار کرنا فرض ہے، تکبر کرنا حرام ہے، اللہ بچائے۔ بہر حال! حضرت نوح علیہ السلام نے دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ

ہمیشہ تکبر سے بچنا، اس کو یاد رکھیں۔

تیسری وصیت

تیسری وصیت یہ فرمائی کہ دو باتوں کو ہمیشہ کرتے رہو، ایک لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہمیشہ پڑھتے رہنا اور دوسری سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم پڑھتے رہنا۔ پھر فرمایا کہ میں تمہیں لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی اہمیت ایک مثال سے بتلاتا ہوں اور وہ مثال یہ ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ملا کر ایک گول کڑا بنایا جائے جیسے سونے چاندی کا کڑا ہوتا ہے تو ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں، اور زمین تو پھر بھی لوگوں نے دیکھ بھال لی کہ یہ ایک کُرّہ ہے لیکن آسمان کی وسعت کو کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا، پھر ایک نہیں سات آسمان ہیں زمین سے لے کر آسمان تک پانچ سو سال کی مسافت ہے، اسی طرح ہر دو آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے پھر ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک جانے کے لئے پانچ سو سال چاہئیں، لمبائی چوڑائی الگ ہے، ان کا فاصلہ اتنا لمبا ہے تو آسمان کتنے وسیع وعریض ہوں گے؟ فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان ملا لو اور ساتوں زمینیں ملا لو، اور ملا کر ایک گول کڑا بنا لو اور لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس کے اوپر رکھو، آسمان وزمین کٹ سے دو ٹکڑے ہو جائیں گے، اتنا وزن ہے اس میں، یہ وزن جناب والا یہ ہے ثَقِیْلَتَانِ فِي الْمِیْزَانِ قیامت کے دن جب لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ترازو میں رکھا جائے گا تو یہ وزن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں بھر دیا جائے گا بشرطیکہ اخلاص اور حسنِ نیت سے کہا ہو، اس لئے فرمایا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو پلے باندھ لینا، اس کو ہر وقت پڑھتے رہنا، جتنا زیادہ ہو سکے صبح وشام اس کو پڑھتے رہنا۔

چوتھی وصیت

اور چوتھی وصیت یہ فرمائی کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم پڑھنا، پھر فرمایا کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ وہ کلمہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں، بحر و بر میں اللہ تعالیٰ کی جتنی جاندار مخلوقات ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ اس کلمے کی بدولت روزی عطاء فرماتے ہیں، اور تم اگر ورد کرو گے تو کیا تم روزی سے محروم ہو جاؤ گے؟ اور روزی صرف دنیا کی نہیں بلکہ دنیا اور آخرت دونوں کی روزی اللہ تعالیٰ اس کی بدولت عطاء فرماتے ہیں، تو بھائی! اگر یہ ہمارے معمولات میں شامل ہو تو دنیا کی معاش کی فکر بھی ختم ہو جائے اور آخرت کی ضروریات بھی ان شاء اللہ، اللہ پاک مہیا فرمادیں، تو بھائی! یہ ہے بابرکت کلمہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم جس پر حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف کو ختم فرمایا۔

ہدیۂ تبریک

اب میں مبارکباد پیش کرتا ہوں ان طالبات کو جنہوں نے ماشاء اللہ بخاری شریف ختم کی، اور مدرسہ کے مہتمم صاحب اور ان اساتذۂ کرام کو جنہوں نے ان کا درس مکمل کرایا، اور ان کے نصاب کی تکمیل کروائی، اور مدرسہ کے معاونین کو بھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی کہ یہ کارِ خیر ان کی بدولت انجام کو پہنچا، اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو قبول فرمائے اور جو

باتیں بیان کی گئی ہیں اپنی رحمت سے ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں" آمین"۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على النبى الكريم محمد وآله واصحابه اجمعين۔

☆☆☆☆☆

ماہِ محرم کے فضائل

- اسلامی سال کا پہلا مہینہ
- چار محترم مہینے اور ان کے محترم ہونے کا مطلب
- دس محرم کی اہمیت اور اس کے فضائل
- محرم میں ہماری کوتاہیاں اور ان کا ازالہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلى على رسوله الكريم

امابعد !

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم،بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ O (صدق اللّٰہ العظیم O)

ہدیۂ تبریک

میرے قابلِ صد احترام بزرگو! سب سے پہلے میں ان بچوں کو جنہوں نے ابھی آپ کے سامنے قرآن کریم ختم کیا جن میں سے دو بچوں نے ماشاء اللہ حفظ قرآن کریم پورا کیا اور ایک بچے نے ناظرہ قرآن کریم ختم کیا، ان کو میں ختم کلامِ پاک کی اس دولت اور اس نعمت پر مبارکباد دیتا ہوں، ان کے والدین کو بھی اور ان کے استاذِ محترم کو بھی۔ کیونکہ یہ سب کیلئے بہت بڑی نعمت ہے اور بہت بڑی سعادت ہے اور ''الحمدللہ'' اس مدرسہ (مدرسہ تعلیم القرآن و جامع مسجد فاطمہ حیدرآباد) کی کارکردگی کا بھی بہترین نتیجہ بھی ہے اس لئے اس کے منتظمین بھی مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ پاک جل جلالہ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس نعمت سے سرفراز فرمائے اور اپنا کلام پاک

ہمارے سینوں میں محفوظ فرمائیں، اور اس کے انوار و تجلیات سے ہمارے ظاہر و باطن کو منور فرمائیں، اور اس کے احکام پر ظاہراً و باطناً عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، اور اخیر دم تک اللہ پاک ہم کو اپنے کلام سے وابستہ رکھیں، اور اپنی یاد کی توفیق سے سرفراز فرمائیں، اور پھر قبر و حشر میں بھی اس کلام پاک کو ہم سب کے لئے ذریعۂ نجات بنائیں، آمین۔

تجوید سے قرآن پڑھنا سیکھیں

ہم کو چاہئے کہ ہم میں سے جس شخص نے قرآنِ کریم نہیں پڑھا ہے وہ ضرور پڑھیں اور جنہوں نے سیکھا ہوا ہے لیکن تجوید کے خلاف پڑھا ہے تو وہ بھی اپنا کلام پاک تجوید کے مطابق صحیح کرلیں تاکہ غلط قرآنِ کریم پڑھنے کے گناہ سے وہ بچ سکیں، غلط طریقہ سے قرآنِ کریم پڑھنا بھی گناہ ہے۔ لہٰذا وہ اس گناہ سے اپنے آپ کو بچائیں، اور اپنی اس عظیم نعمت کو مکمل کریں۔ مجہول اور تجوید کے خلاف پڑھنا، غلط پڑھنا غلط کہلاتا ہے۔ لہٰذا اس کی اصلاح کرنی چاہئے، تاکہ یہ نعمت کامل اور مکمل ہوجائے۔

صبح و شام تلاوتِ قرآن

نیز ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ جس نے قرآن کریم پڑھا ہوا ہے وہ روزانہ اس کی تلاوت کا اہتمام کرے، حفاظِ کرام بھی اس کی تلاوت کا اہتمام کریں۔ صرف رمضان شریف کا انتظار نہ کریں کہ جب رمضان المبارک آئے گا قرآنِ کریم کی تلاوت کریں گے، یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ قرآنِ کریم کی تلاوت سے اپنے آپ کو دور رکھنا بہت بڑی محرومی ہے۔ اس لئے کہ حافظ کے لئے ایک پارہ پڑھنا یا پانچ پارے پڑھنا کوئی بڑا مشکل کام

نہیں اور نہ پڑھنا بڑی محرومی کی بات ہے۔ اور ایک عظیم دولت پاس ہوتے ہوئے اس سے فائدہ نہ اٹھانے والی بات ہے۔ اور جو حضرات ناظرہ قرآن پڑھتے ہیں وہ بھی دن میں کم از کم ایک پارہ پڑھ لیا کریں اور اس کے ساتھ ساتھ صبح وشام کی جو سورتیں ہیں وہ پڑھ لیا کریں، اس طرح ان کا کوئی دن تلاوت سے خالی نہیں جائے گا، بلکہ نہ صبح خالی ہوگی نہ شام۔ دن کے شروع حصہ میں بھی اللہ کے کلام کی تلاوت ہو اور رات کو سوتے وقت بھی اللہ کے کلام کی تلاوت ہو۔ بہرحال! اس طرح سب اپنے آپ کو کلام پاک سے جوڑ لیں، اور جب قرآن سے جوڑ اور تعلق قائم ہو جائے گا تو یاد رکھو! یہ بہت بڑا تعلق ہے اور یہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے اور اللہ پاک ایسے شخص پر خصوصی نظر کرم فرماتے ہیں۔ اور اللہ پاک اس کو اپنا خصوصی قرب عطا فرماتے ہیں۔

بہرحال! اللہ پاک ان بچوں کے لئے بھی اس کلام پاک کو ختم کرنا مبارک فرمائے اور ہم سب کو صبح وشام اس کی تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ماہِ محرم کے متعلق چند باتیں

محرم کا مہینہ چونکہ شروع ہو چکا ہے جو اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے اور یہ مبارک مہینہ ہے اور اس میں دس محرم کا دن بڑا مبارک دن ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ باتیں بیان کر دی جائیں، تاکہ جو باتیں یا فضیلتیں اس کے بارے میں ثابت ہیں ان پر عمل ہو اور جو باتیں لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کی ہیں اور اپنی طرف سے

گھڑ کر انہیں اختیار کیا ہوا ہے ان سے بچا جائے اور اگر غلطی سے ان پر عمل ہو گیا ہے تو اس پر توبہ کریں اور آئندہ مکمل طور پر ان سے بچیں۔

محرم اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے

محرم کا مہینہ اسلامی مہینوں میں پہلا مہینہ ہے اور اسلامی سال محرم سے شروع ہوتا ہے، اور ذوالحجہ پر ختم ہوتا ہے۔

سال میں بارہ مہینے ہوتے ہیں، ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے اَشْھُرِ حُرُم یعنی ''محترم مہینے'' کہلاتے ہیں، یوں تو بارہ کے بارہ مہینے اللہ کے بنائے ہوئے ہیں جب اللہ پاک نے آسمان وزمین کو بنایا تھا تو اس کے ساتھ ہی اللہ نے سال کے بارہ مہینے بھی بنائے تھے، بہرحال یہ مہینے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں لوگوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں، اور پھر اللہ پاک نے ہی ان چار مہینوں کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ ان کا بڑا درجہ ہے۔

چار محترم مہینے

ان چار مہینوں میں تین مہینے تو مسلسل اور لگاتار ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) ذوالقعدہ

(۲) ذوالحجہ

(۳) محرم الحرام

(۴) ایک مہینہ الگ ہے اور وہ ہے رجب المرجب۔

یہ چار مہینے اسلامی مہینوں میں سب سے زیادہ محترم، معظم اور قابلِ قدر رہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ﷺ کے زمانہ تک آسمان

سے جتنی بھی شریعتیں نازل ہوئی ہیں ہر شریعت میں اور ہر نبی کے زمانہ میں ان چار مہینوں کو محترم قرار دیا گیا ہے۔

چار مہینوں کے محترم ہونے کا مطلب

ان کے محترم بنانے اور بتانے کا مطلب یہ ہے کہ چار مہینوں میں زیادہ سے زیادہ اللہ پاک کی عبادت کی جائے، اور زیادہ سے زیادہ نیک کام کئے جائیں اور زیادہ سے زیادہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے، یہاں تک کہ پچھلی شریعتوں کے اندر ان چار مہینوں میں لڑنا بھی حرام تھا، جنگ وجدال اور کفار سے جہاد تک ممنوع تھا، سال کے آٹھ مہینوں میں جہاد ہو سکتا تھا لیکن ان چار مہینوں میں کفار سے لڑنا بھی حرام اور ممنوع تھا، اس سے آپ اندازہ کریں کہ یہ مہینے کس قدر قابلِ قدر اور محترم ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کی تشریف آوری کے بعد آپ کی شریعت میں بھی ان کا احترام باقی رہا، جو آیت میں نے شروع میں تلاوت کی ہے، اس میں ان کا محترم ہونا بیان کیا گیا ہے، البتہ اس شریعت میں ایک حکم منسوخ ہو گیا ہے، وہ یہ کہ پچھلی شریعتوں کے اندر ان چار مہینوں میں کافروں سے لڑنا حرام تھا، حضور ﷺ کی شریعت میں حلال ہے، لیکن ان کا محترم ہونا، قابلِ قدر ہونا اب بھی باقی ہے، اور ان کے قابلِ احترام ہونے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو آدمی ان چار مہینوں کے اندر نیک کاموں کی طرف خصوصی توجہ دے گا اور عبادت کی طرف خاص دھیان دے گا، اللہ کے ذکر میں لگے گا، گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سال کے باقی آٹھ مہینوں میں بھی اس کو زیادہ سے زیادہ نیک کاموں کی توفیق ہوگی اور زیادہ سے زیادہ

وہ دین کے قریب ہوگا، اور اللہ کی رضا کے کاموں میں مشغول رہے گا۔

جہاں ثواب زیادہ وہاں گناہ بھی زیادہ

یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہئے کہ جس طرح یہ ماہ عبادت کیلئے بطورخاص ہیں اسی طرح گناہوں سے بچنے کیلئے بھی بطورخاص ہیں، کیونکہ جوزمانہ محترم ہوتا ہے یا جوجگہ محترم ہوتی ہے وہاں جس طرح نیک کام کرنے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اسی طرح گناہ کرنے کا وبال بھی زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ رمضان المبارک کا مہینہ حضور ﷺ کی امت کیلئے خاص الخاص مہینہ ہے کہ اس میں نیک کاموں کا اجر بڑھادیا جاتا ہے اسی طرح رمضان شریف میں گناہ کرنے کا وبال بھی بہت سخت ہے، نیز جس طرح عام بازار یا گھر میں گناہ کرنا گناہ ہے لیکن وہی گناہ اگر کوئی مسجد میں آکر کرے تو اور سخت گناہ ہے اور وہی گناہ خانۂ کعبہ میں جاکر کرے تو اس سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے، لہٰذا جو ان چار مہینوں میں گناہ کرنے سے پرہیز نہیں کرے گا اور خدانخواستہ گناہ کرے گا تو ان محترم مہینوں میں گناہ کرنے کا وبال بھی زیادہ ہوگا، جس میں سے ایک محرم الحرام کا مہینہ ہے اس لئے محرم کے مہینے میں اور باقی تین مہینوں میں بھی گناہوں سے بچنے کا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے، جس کے نتیجے میں انشاء اللہ ایسے آدمی کو سال کے باقی آٹھ مہینوں میں بھی گناہوں سے بچنے کی زیادہ توفیق ہوگی۔

ہجری سن یاد رکھنا فرضِ کفایہ ہے

ماہِ محرم سے اسلامی تاریخ شروع ہوتی ہے، جس کو سنِ ہجری کہتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے اپنی اسلامی تاریخ یاد رکھنا اور اپنے عمل

میں لانا فرضِ کفایہ ہے۔

فرضِ کفایہ کسے کہتے ہیں

فرضِ کفایہ اسے کہتے ہیں کہ اگر کچھ مسلمان اس پر عمل کرلیں اور کچھ عمل نہ کریں تو سب کے سب گناہ سے بچ جائیں گے لیکن جو عمل کرنے والے ہیں وہ عمل نہ کرنے والوں سے بہتر ہیں، جیسے نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے کہ اگر کسی مسلمان میت کا کوئی شخص بھی نمازِ جنازہ نہیں پڑھے گا تو وہاں کے جتنے مسلمان ہیں جہاں کا وہ جنازہ ہے وہ سارے کے سارے گناہ گار رہوں گے، لیکن اگر وہاں کے رہنے والوں میں سے دو، تین یا دس نے بھی نمازِ جنازہ پڑھ لی تو سب مسلمانوں کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا ہوجائے گا، لیکن جن دو، تین یا دس افراد نے نمازِ جنازہ پڑھی ہے ان کا نمازِ جنازہ پڑھنا بہتر ہے بنسبت ان لوگوں کے جنہوں نے نہیں پڑھی۔

بہرحال! جو لوگ اسلامی تاریخ کو یاد رکھتے ہیں وہ فرضِ کفایہ کو ادا کرنے والے ہیں، ان کو اس کا زیادہ ثواب ملے گا، جو عمل کرنے والے نہیں وہ اس ثواب سے محروم ہونگے، اگرچہ ان کا فرضِ کفایہ ادا ہوجائے گا، حاصل یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اسلامی تاریخ یاد رکھنی چاہئے اور اپنے معاملات میں اسے اختیار کرنا چاہئے۔

فرضِ کفایہ کا درجہ

فرضِ کفایہ کا درجہ سنت مؤکدہ سے اور واجب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ ذرا سوچیں! ہم لوگ کتنی بڑی کوتاہی میں مبتلا ہیں، فرض کفایہ کا یہ مطلب

نہیں ہوتا کہ دوسرے مسلمان ادا کرلیں تو ہم جان بوجھ کر اس پر عمل کرنا چھوڑ دیں، یہ تو اللہ پاک کی رحمت ہے کہ انہوں نے کسی عمل کو فرضِ عین کیا اور کسی کو فرضِ کفایہ کر دیا، اگر ہر فرض فرضِ عین ہوتا تو ہر ایک کا عمل کرنا ضروری ہوتا، اور جو اس پر عمل نہ کرتا وہ گناہ گار ہوتا، یہ اللہ پاک کی مہربانی ہے کہ انہوں نے چند اعمال ایسے کر دئے کہ بعض آدمی عمل کرلیں تو باقی لوگ گناہ گار نہیں ہوتے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے مگر اللہ کی رحمت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ عمل بالکل ہی چھوڑ دیں، جیسا کہ چھوڑا ہوا ہے، اس وقت مسلمانوں کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ اسلامی تاریخ لکھنا ان کے عمل میں نہیں ہے۔

اسلامی تاریخ کو رواج دیں

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جتنے بھی مسلمان ہیں وہ سب اپنے اپنے خطوط، اپنے کاغذات اور اپنے حساب و کتاب میں اسلامی تاریخ کو فوقیت دیتے، ضمناً انگریزی تاریخ لکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، انگریزی تاریخ کو اگر نیچے اور اسلامی تاریخ کو تاج کی جگہ رکھیں اور اس کو سرتاج بنائیں تو کوئی حرج نہیں، اس طرح اسلامی تاریخ پر جو فرضِ کفایہ ہے، خوش اسلوبی کے ساتھ عمل ہوتا رہے گا، اور اس پر عمل کرنے اور اس کو زندہ رکھنے کا ثواب بھی ملے گا، اور دنیا کے حساب و کتاب اور لین دین میں اگر انگریزی تاریخ نیچے اور تابع رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، سعودیہ عربیہ میں الحمدللہ یہی بات دیکھنے میں آئی ہے کہ وہاں سرکاری سطح پر بھی پہلے اسلامی تاریخ لکھی جاتی ہے پھر نیچے انگریزی تاریخ درج ہوتی ہے، یہاں بھی

ایسا ہوسکتا ہے، جب ہوسکتا ہے تو اس پر عمل کرنا چاہئے، اور آج ہم اس نیت بلکہ پختہ عزم کے ساتھ یہاں سے جائیں کہ کل سے ہم بھی اسلامی تاریخ کو اختیار کریں گے، تاکہ یہ فرض کفایہ ہم سے زندہ ہو اور ہم اس فرض کفایہ کو عمل میں لاکر اسلامی تاریخ کو زندہ کریں اور فرضِ کفایہ پر عمل کریں اور اس کے اجروثواب کے مستحق بنیں۔

محترم مہینوں کو منحوس جاننا جہالت ہے

ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ جب یہ مہینہ محترم ہے اور آج سے نہیں اور حضور ﷺ کے زمانے سے نہیں بلکہ جب سے اللہ پاک نے اس دنیا میں اپنی شریعتیں نازل فرمائی ہیں، اور پیغمبروں کا سلسلہ جاری فرمایا ہے اس وقت سے محرم کا مہینہ قابل قدر، قابلِ احترام اور قابلِ عزت مہینہ ہے، اب ہمارے زمانے میں ''اللہ بچائے'' شیعوں کے اثر کی وجہ سے اس کو منحوس سمجھا جانے لگا ہے، شیعوں کی نقل کرتے ہوئے بعض مسلمان بھی ''اللہ بچائے'' اس ماہ کو منحوس سمجھتے ہیں، ایسے ہی ذوالقعدہ کے مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں، جس کی علامت یہ ہے کہ شوال کے مہینے میں شادی بیاہ کریں گے، اور جب ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہوگا شادیاں کرنا بند کردیں گے، اور لوگوں نے ذوالقعدہ کا نام ''خالی کا مہینہ'' رکھا ہے، یعنی معاذ اللہ یہ خیر سے خالی ہے، غور فرمائیں! اللہ پاک تو اس کو خیر کا مہینہ کہیں اور ہم نے اس کو صفر اور خیر سے خالی کا مہینہ سمجھا ہوا ہے اور کہتے ہیں ارے بھئی! خالی کا مہینہ آگیا ہے، اب شادی بیاہ ختم، اب نہ منگنی ہوگی نہ شادی ہوگی، کچھ بھی نہیں ہوگا چنانچہ اس مہینے میں اکثر شادی ہال خالی ہوجاتے ہیں اور جیسے ہی

بقر عید (عید الاضحیٰ) کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو پھر سے شادیاں شروع ہو جاتی ہیں، اور لوگ بقر عید کا گوشت ولیمہ میں چلانا شروع کر دیتے ہیں اور جیسے ہی بقر عید کا مہینہ ختم ہوتا ہے اور محرم کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو پھر وہی حرام، حرام کی رٹ شروع ہو جاتی ہے، اب کوئی شادی اس مہینہ میں نہیں ہوگی، اس لئے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ محرم کا مہینہ غم کا مہینہ ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

بعض لوگوں نے اپنی نادانی کی وجہ سے محرم کے مہینہ کو حرام سمجھ لیا ہے، حالانکہ محرم کے معنی یہاں حرام نہیں، بلکہ محرم کے معنی محترم کے ہیں، یہ حرام ہونے کا مفہوم اس کے ساتھ اپنی طرف سے چپکا لیا ہے اور اصل وجہ یہی ہے کہ چونکہ شیعہ اس مہینے کو منحوس سمجھتے ہیں، سنیوں نے ان کے ساتھ رہ رہ کر ان سے یہ اثر لے لیا کہ جیسے شیعہ اس مہینہ میں شادیاں نہیں کرتے بلکہ دس محرم کے دن تو وہ شادی کرنے کو حرام سمجھتے ہوں گے، یکم سے لے کر دس محرم تک کوئی شادی بیاہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ یہ غم کا مہینہ ہے، چنانچہ اس مہینے میں سینہ پیٹتے ہیں اور مصنوعی رونا روتے ہیں، اس لئے ان کے یہاں ان سب دنوں میں شادی بیاہ کا کوئی تصور نہیں ہوسکتا، ان کی نقل کرتے ہوئے بعض سنیوں نے بھی یہ عمل اختیار کر لیا کہ محرم کا مہینہ آتے ہی شادی بیاہ کرنا چھوڑ دیتے ہیں اس طرح سنیوں نے بھی اس مہینے کو اپنے عمل سے منحوس سمجھ لیا، حالانکہ یہ بڑی سنگین غلطی ہے، یعنی وہ مہینہ جو شروع سے محترم چلا آ رہا ہے اور اسلام میں بھی وہ محترم ہے مگر کچھ مسلمانوں

نے اپنی لاعلمی، نادانی اور جہالت کی وجہ سے اس کو منحوس سمجھ رکھا ہے، لہٰذا اب اس کا علاج یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ذوالقعدہ کے مہینہ میں بھی شادی بیاہ کیا کریں، خوشی کی تقریبات منعقد کیا کریں، اپنے بچوں کا عقیقہ بے دھڑک کیا کریں، اور محرم کے مہینہ میں بھی خصوصاً یکم سے لے کر دس تک خوشی اور شادی بیاہ کی تقریبات کرلیا کریں، تاکہ ذہنوں میں جو غلط تصور بیٹھ گیا ہے وہ ذہن سے نکلے، اور اس کا محترم ہونا، قابلِ قدر ہونا باعزت ہونا، شادی بیاہ کے سوفیصد قابل اور لائق ہونا ذہنوں کے اندر بیٹھ جائے، اگر کسی کے ذہن میں خدانخواستہ شیعوں والا تصور ہے تو اسے فوراً توبہ کرلینی چاہئے۔

دس محرم کی اہمیت

ایک بات یہ ہے کہ ماہِ محرم میں دس تاریخ جس کو عاشوراء کا دن کہتے ہیں، یہ بھی خاص دن ہے، بلکہ یوں سمجھیں کہ یہ اس پورے مہینہ کا دل ہے، اور پچھلی شریعتوں میں دس محرم کا روزہ فرض تھا، اور اسلام کے شروع میں بھی جب تک رمضان شریف کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے دس تاریخ کا روزہ فرض تھا، جب اللہ پاک کی طرف سے رمضان شریف کے روزے مسلمانوں پر فرض ہوگئے تو محرم کے روزے کا فرض ہونا منسوخ ہوگیا، البتہ اس کا مستحب اور پسندیدہ ہونا اب بھی باقی ہے، سنت ہونا اس کا اب بھی باقی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنَا بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ
وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهٗ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ

لَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَه‘۔

رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ: (ص ۱۸۰)

ترجمہ

نبی کریم ﷺ ہمیں دس محرم کا روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے اور اس پر ہمیں ابھارا کرتے اور اس کی ہمیں بہت تاکید کرتے پس جب رمضان المبارک کا روزہ فرض ہوگیا تو آپ ہمیں نہ حکم فرماتے اور نہ اس سے منع فرماتے اور نہ اس کی زیادہ تاکید فرماتے۔

اس لئے محرم کی دس تاریخ خاص تاریخ ہے اور خاص دن ہے۔

یوم عاشوراء کی فضیلت

یوم عاشورہ کی دو فضیلتیں احادیث طیبہ سے ثابت ہیں۔

(۱) جس میں ایک فضیلت تو اس دن کا روزہ رکھنا ہے، جو متعدد احادیث سے ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”جو شخص عاشوراء کے دن روزہ رکھے گا مجھے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ پاک اس کے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف فرمادیں گے۔“

ایک اور حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ

صِيَاماً يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَاهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِیْ تَصُوْمُوْنَه‘ ؟ فَقَالُوْا : هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَه‘ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَه‘ فَصَامَه‘ مُوْسٰى شُكْراً فَنَحْنُ نَصُوْمُه‘ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فَنَحْنُ اَحَقُّ اَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَه‘ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ ـ متفق عليه ـ (مشكوة ۱۸۰)

ترجمہ

نبی کریم ﷺ جب مدنیہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو دس محرم کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ اسلام) اور اس کی قوم (بنی اسرائیل) کو نجات عطا فرمائی، اور فرعون اور اس کی قوم کو غرقِ آب کیا، چنانچہ موسیٰ علیہ اسلام نے اس کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا تو ہم (بھی آپ کی اتباع میں) اس (دن) کا روزہ رکھتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہم موسیٰ (علیہ السلام) کے تم سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں، لہٰذا آپ ﷺ نے (خود بھی) روزہ رکھا اور (اپنے صحابہؓ کو بھی) اس (دن) روزہ رکھنے

کا حکم فرمایا۔

حضرت ابن عباسؓ سے ہی ایک دوسری روایت بھی مروی ہے، فرماتے ہیں۔

حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ يَوْمٌ يُعَظِّمُهٗ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَئِنْ بَقِيْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔

رواہ مسلم، مشکوٰۃ: (ص۱۷۸)

ترجمہ

جب رسول اللہ ﷺ نے دس محرم کا روزہ رکھا تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ اس دن کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو (دسویں کے ساتھ) ۹ نو محرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔

مسلم بحوالہ مشکوٰۃ: (ص۱۷۸)

بہرحال! آنحضرت ﷺ نے آئندہ سال دسویں تاریخ کے ساتھ ایک روزہ نویں یا بعض روایات کے مطابق گیارہویں تاریخ کا روزہ رکھنے کا ارادہ فرمایا، لیکن آئندہ سال ماہِ محرم سے پہلے پہلے (ماہِ ربیع الاوّل میں) آنحضرت ﷺ کا وصال ہوگیا اور آپ دنیا سے تشریف لے گئے، اور مزید ایک دن کا روزہ آپ نہیں رکھ سکے، لیکن آپ یہ فرماگئے کہ میں اگر زندہ رہا تو ایک

دن کا مزید روزہ رکھونگا، اس لئے علماءِ کرام رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ جو شخص بھی دس محرم کو روزہ رکھے تو اس کے ساتھ ایک روزہ اور بھی رکھے، چاہے نو اور دس کا رکھے، چاہے دس اور گیارہ کا روزہ رکھے، ایک دن کا روزہ مزید ملا لینا بہتر اور افضل ہے، خالی ایک دن یعنی ۱۰ محرم کا روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولیٰ ہے، تاہم اگر کسی میں ایک ہی دن کی ہمت ہو تو وہ ایک ہی روزہ رکھ لے، تاکہ بالکل محرومی سے بچ جائے، ثواب عظیم سے وہ محروم نہ ہو لیکن جس میں ہمت اور طاقت ہو تو اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ دس تاریخ کے ساتھ آگے پیچھے کا کوئی ایک روزہ ضرور رکھے۔

یوم عاشوراء کے ساتھ مزید ایک روزہ رکھنے کی حکمت

اس کی حکمت علماء کرام نے جو ارشاد فرمائی ہے وہ بہت اہم ہے، توجہ سے سنئے! آنحضرت ﷺ نے عبادت کے اندر بھی غیر مسلموں کی مشابہت گوارا نہیں کی، کیونکہ یہودی دس تاریخ کا روزہ رکھتے تھے اور ایک ہی دن کا روزہ رکھتے تھے، آپ ﷺ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمان بھی اس دن کا ایک ہی روزہ رکھیں، اس لئے کہ اگر وہ ایک ہی دن کا روزہ رکھیں گے تو وہ ایک دن کا روزہ رکھنے میں یہودیوں کے مشابہ ہوں گے اور سوچنے کی بات ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ایک عبادت میں، ایک نیک کام میں بھی غیر مسلموں کی مشابہت گوارا نہیں فرمائی، اس لئے فرمایا کہ آئندہ سال میں اس کے ساتھ ایک روزہ اور رکھوں گا، ہمارے دو روزے ہونگے، ان کا ایک روزہ ہوگا، ہم روزہ رکھنے میں ان سے جدا ہو گئے، وہ ہم سے الگ اور ہم ان سے الگ ہو گئے، اس لئے افضل یہی ہے کہ دو روزے رکھیں۔

غیر مسلموں کی مشابہت سے بچنا ضروری ہے

اس سے ہم یہ مسئلہ ذہن میں رکھیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ کسی گناہ کے اندر مشابہت اختیار کرنا تو کتنی سنگین بات ہے، ہمارے آقا ﷺ تو عبادت میں بھی غیر مسلموں کی مشابہت اختیار نہیں فرماتے تھے، اور ہم ایسے نالائق ہیں کہ ہم غیر مسلموں کے ساتھ گناہوں کے اندر بھی مشابہت اختیار کرتے ہیں، جیسے انگریزی بال رکھنا، خدانخواستہ داڑھی منڈوانا، شلوار ٹخنے سے نیچے رکھنا، کوٹ پتلون پہننا، ٹائی لگانا، یہ ساری باتیں غیر مسلموں کی مشابہت کی ہیں، گو ان میں درجے کا فرق ہے لیکن یہ ساری باتیں غیر مسلموں کی مشابہت والی ہیں، ان کو بھئی! اس لئے گناہ بھی سمجھنا چاہئے اور گناہ کے ساتھ ساتھ بچنے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمارے دل میں ایسا ایمان بھر دے کہ جس میں کافروں کی نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہو، یہ ہمارے دین میں مطلوب ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان اللہ پاک جل جلالہ نے یہ ارشاد فرمائی ہے:

اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

ترجمہ

آپس میں وہ نہایت شفیق ومہربان ہیں اور
کافروں کے مقابلہ میں نہایت سخت ہیں۔

یعنی کافروں کے مقابلہ میں ننگی تلوار ہیں، ننگی تلوار بننا دل میں سخت نفرت کا تقاضا کرتا ہے کہ کافروں کے اعمال، ان کے کردار، ان کے طور طریقوں سے مؤمن کے دل میں سخت نفرت ہونی چاہئے، اللہ پاک اس کو اپنی رحمت سے ہمارے دلوں میں بھی پیدا فرمادیں۔ آمین

فی الحال یہ مطلوبہ نفرت ہمارے دل میں نہیں ہے۔ اگر یہ نفرت ہمارے دل میں ہوتی تو ہمارے وجود میں ان کی کوئی مشابہت نہ ہوتی۔

کفار کی مشابہت دشمن سے محبت کی علامت ہے

عام طور پر جس کے دل میں کسی کی محبت ہوتی ہے تو وہ اس کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور جس سے نفرت ہوتی ہے کبھی اس کی مشابہت اختیار نہیں کرتا، آپ نے کبھی اپنے دشمن کی کسی بات پر عمل کیا ہے؟ یا اپنے دشمن کی کوئی بات سننا آپ گوارا کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے، نہ کیا ہوگا، وہ دشمن دشمن ہی نہیں جس پر آدمی دل و جان سے فدا ہو، ایسا شخص کبھی دشمن نہیں ہوسکتا۔

آہ! اپنوں کی بے حسی

اس وقت ہم ذرا غور کریں کہ دنیا کے یہ سارے کافر خصوصاً انگریز، عیسائی اور ہندو، مسلمانوں کو کچا چبا رہے ہیں، بمباری کررہے ہیں، برباد کررہے ہیں، ان کے ممالک کو لوٹنے کی کوشش کررہے ہیں، دہشت گردی کی انتہا کئے ہوئے ہیں، اور ہماری بے غیرتی کا یہ عالم ہے کہ اب بھی ہم ان کی شکل وصورت بنانا گوارا کررہے ہیں، ان کے نقشِ قدم پر چلنے کو اپنی سعادت سمجھ رہے ہیں، عزت سمجھ رہے ہیں، اندازہ کریں! کس قدر ہماری

پستی کا عالم ہے، کس قدر ہماری دین سے دوری کا عالم ہے؟ کہ دشمن ہماری کمر میں چھرا گھونپ رہا ہے اور ہم اسی کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تمہارے ساتھ ہیں، اکثر مسلمان حکومتوں کا بھی آج یہی حال ہے، عوام کا بھی یہی حال ہے، الا ماشاء اللہ!۔

ارے بھئی! ہمارے آقا ﷺ تو ان کے ساتھ ایک روزہ رکھنے میں موافقت نہیں فرما رہے ہیں اور ہم دشمن کا لباس پہننے کو بھی اپنے لئے باعث عزت سمجھ رہے ہیں۔

کفار کا طرزِ زندگی اپنانے والوں کے لئے ایک وعید

یہ خطرناک صورتحال ہے، جس کے متعلق ایک ہولناک وعید ہے جو ہماری سمجھ میں آجائے تو ہم ایک منٹ بھی کافروں کی مشابہت برداشت نہ کریں، اور وہ وعید یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا!

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث ۴۰۳۱: (ص ۴۴ ج ۔ ۴)

ترجمہ:

جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔ یعنی انہی میں سے اس کا شمار ہوگا۔

حدیث کی وضاحت

کافروں میں اس کا شمار ہونے کے دو مطلب علماء کرام نے بیان

فرماتے ہیں۔

(۱) ایک مطلب یہ ہے کہ اگر اس نے انہی کی مشابہت کو پسند کر لیا اور مسلمانوں کی مشابہت کو ناپسند کیا تو اس کا ایمان ہی جاتا رہے گا، اور ایمان جاتا رہا تو حقیقتاً اس کا شمار کفار میں ہو گا۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ آدمی دل سے تو غیر مسلموں سے نفرت کرے اور ان کے لباس و پوشاک سے بھی نفرت کرے لیکن حالات کی وجہ سے یا ان کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے ان کا طرزِ زندگی اختیار کرے، تو یہ شخص اگرچہ کافر تو نہیں ہو گا لیکن ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن انہی کی صف میں کھڑا کر دیا جائے، جب اس کا حساب وکتاب ہو گا تو وہ اپنی اس ظاہری مشابہت کی وجہ سے سزا بھگتے گا پھر اس کے ساتھ مغفرت اور بخشش کا معاملہ ہو گا، لیکن شروع میں وہ انہی کے ساتھ کھڑا ہو گا، یہ کوئی معمولی بات نہیں، بڑی ذلت ورسوائی کی بات ہے۔ لہٰذا ہم اس صورتحال کا جائزہ لیں اور سر سے پیر تک دیکھیں کہ ہم کس کس طرح غیر مسلموں کی مشابہت اختیار کئے ہوئے ہیں؟ اگر ایسی کوئی حالت ہے تو پھر اپنے آپ کو متبعِ سنت بنانے کی پوری پوری کوشش کریں۔

حضور ﷺ نے لباس و پوشاک، وضع و قطع کے جو جو طریقے بتائے ہیں ان کو اختیار کریں۔ اور غیر مسلموں کی جتنی باتیں ہیں ان کو ترک کردیں۔

دس محرم کو کھلانا برکت کا ذریعہ ہے

(۲) دوسری فضیلت اس دن کی ایک ضعیف حدیث سے ثابت ہے کہ جو آدمی اپنے گھر والوں کو عام طور پر جس طرح کا کھانا کھلاتا ہے، دس محرم کے دن وہ اس سے بہتر کھانا پکا کر کھلائے تو سال بھر اس کے گھر میں اور اس کی روزی میں خیر و برکت ہوگی۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ہم نے اس کا بارہا تجربہ کیا ہے ہمیشہ اس کو درست پایا یعنی یوم عاشوراء میں انہوں نے اچھا کھانا اپنے گھر والوں کو کھلایا تو گھر میں سارا سال برکت اور فراوانی رہی۔

چند اہم ہدایات

بہرحال! یہ بھی ایک فضیلت کی چیز ہے، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے البتہ اس میں چند باتیں سمجھنے کی ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آدمی کے پاس خواہ پیسے ہوں یا نہ ہوں وہ اپنے گھر والوں کے لئے اچھے کھانے ضرور پکائے، یہ ایک فضیلت ہے، کوئی آدمی اس پر عمل کرلے تو موجب فضیلت ہے، عمل نہ کرے تو کوئی

گناہ نہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس دن کیلئے کوئی خاص کھانا مخصوص نہیں، ہر آدمی اپنی طبیعت اور حیثیت کے موافق بہتر سے بہتر کوئی کھانا اپنے گھر والوں کے لئے بنوا سکتا ہے، لہذا جب شریعت کی طرف سے کوئی کھانا مخصوص نہیں تو ہمیں بھی مخصوص کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

ایک سنگین غلطی

یہاں پر بعض لوگوں سے غلطی ہو جاتی ہے، بعض لوگ اپنی طرف سے خاص خاص دنوں میں کھانے بھی خاص خاص بنوانے کی پابندی کرتے ہیں، یاد رکھیں! یہ پابندی ثابت نہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں نے محرم میں حلیم کھچڑا، شعبان میں حلوہ اور ربیع الاول میں بریانی خاص کی ہوئی ہے، یہ چار کھانے ہم نے مخصوص کرر کھے ہیں لہٰذا جب رجب کا مہینہ آتا ہے تو کونڈے ہی کونڈے ہوتے ہیں، اور کونڈے کرتے کرتے آدمی کا اپنا کونڈا ہو جاتا ہے۔ مگر کونڈا ضرور کرتے ہیں، اور جب پندرہ شعبان کی رات آتی ہے تو ہر جگہ حلوہ ہی حلوہ چڑھا ہوتا ہے، کہیں بیسن کا حلوہ، کہیں چنے کی دال کا حلوہ، کہیں سوجی کا حلوہ ہوتا ہے، تو یہ سب کھانے اپنی طرف سے خاص کرر کھے ہیں جو قرآن وحدیث اور شریعت سے ثابت نہیں ہیں، اور جو چیز شریعت سے ثابت نہ ہو اس کو ترک کرنا چاہئے، اس سے بچنا چاہئے، اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے گھر میں اہتمام نہ کریں اور کسی دوسرے کے ہاں شرکت بھی نہ کریں،

اور اگر کہیں سے آجائے تو قبول بھی نہ کریں۔ زبردستی اگر کوئی دے جائے تو کسی غریب کو دیدیں نہ خود استعمال کریں اور نہ اپنے بچوں کو استعمال کرنے دیں، اور یاد رکھیں! وہ کھانا اپنی ذات کے اعتبار سے حرام نہیں ہے، اگر وہ حلال پیسے سے ہے، لیکن جب ان خاص دنوں میں شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہے تو ہم مقرر کرنے والے کون ہوتے ہیں، ہم تو شریعت پر عمل کرنے کے پابند ہیں، شریعت میں کسی قسم کا اضافہ ہم نہیں کر سکتے۔

گناہ کی خاصیت ہے

بہر حال ان کھانوں کو لازم کرنے کی وجہ سے ہم گنہگار ہو رہے ہیں، اور گناہ کی خاصیت یہ ہے کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے تو دس گناہ اس کے ساتھ اور چپک جاتے ہیں، جس طرح نیکی نیکیوں کو کھینچتی ہے اسی طرح گناہ گناہوں کو کھینچتے ہیں، یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے تو بعض مرتبہ وہ ایک گناہ کیلئے دس گناہ اور کرلیتا ہے، جس طرح کوئی آدمی ایک نیکی کرتا ہے تو بعض مرتبہ اللہ پاک اس کو مزید نیکیوں کی توفیق عطا فرماتے ہیں، ورنہ کم از کم ایک نیکی کا دس گنا ثواب تو مل ہی جاتا ہے۔

دس محرم وغیرہ کے دنوں میں مخصوص کھانوں کے مفاسد

حلیم کھچڑے میں بھی یہی بات ہے، اس میں بھی درج ذیل کئی مفاسد پائے جاتے ہیں۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ثابت نہیں، اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا گیا ہے۔

(۲) پھر پابندی کے ساتھ اس کو کرنے کا گناہ علیحدہ ہے۔

(۳) اس گناہ کے اندر لوگوں کو دعوت دینے کا گناہ الگ اور مستقل ہے۔

(۴) اس کام کیلئے لوگوں کو مجبور کرنے کا گناہ الگ ہے۔

(۵) نیز اس کے لئے بعض مقامات پر چندہ کیا جاتا ہے، اور چندہ بھی جبری ہوتا ہے، جبری چندہ حرام ہے۔

(۶) عام طور پر یہ کھانے جبری چندے سے پکتے ہیں پھر وہ عموماً گھروں میں نہیں پکتے بلکہ گلیوں میں پکائے جاتے ہیں، جس سے ہر آنے جانے والے کو تکلیف ہوتی ہے، نیز چونکہ یہ کھانا دس محرم کو پکتا ہے اس لئے ساری رات پکایا جاتا ہے، گلیوں میں رات بھر شور وشغب ہوتا ہے، جس کی وجہ سے گھر میں نہ کوئی سو سکتا ہے، نہ کوئی کھا سکتا ہے، نہ کوئی پڑھ سکتا ہے، نہ کوئی ذکر کر سکتا ہے، نہ کوئی عبادت کر سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مریض ہے تو وہ بھی رات بھر مصیبت میں مبتلا رہتا ہے، الغرض! ہر آدمی مصیبت اور تکلیف میں ہوتا ہے۔ اور مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے۔

(۷) اس کے علاوہ رات بھر ہزار ہزار وولٹ کے بلب روشن ہوتے ہیں، اور کنڈے لگا کر چوری کی بجلی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ بھی سخت گناہ ہے۔

بہر حال! یہ سب گناہ محرم کے مہینے میں ہوتے ہیں، اور ایک گناہ کی

وجہ سے یہ سب گناہ ہوتے ہیں، اگر پہلا گناہ (کھانوں کی مخصوص دیگیں چڑھانا) نہ ہوتا تو شاید بقیہ گناہ بھی نہ ہوتے۔

اس رسمِ بد کو ختم کرنے کا طریقہ

لوگ کہتے ہیں: ''نہیں صاحب! مہینہ محرم کا ہو اور حلیم کھچڑا نہ پکے تو پھر محرم کا مہینہ ہم کیسے منائیں گے؟''، ارے بھائی! محرم منانے کی چیز نہیں ہے، نہ کھانے پینے کا نام محرم ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی یاد کا مہینہ ہے، عبادت کا مہینہ ہے، گناہوں سے توبہ کرنے کا مہینہ ہے، گناہ کرنے کا مہینہ نہیں ہے ''اللہ بچائے'' اس لئے ضروری ہے کہ حلیم سے توبہ کی جائے، نہ خود اپنے گھروں میں بنائیں اور نہ دوسروں کے گھروں میں جا کر اس گناہ میں شریک ہوں، اگر کوئی کھانا بھیج دے تب بھی استعمال نہ کریں تاکہ یہ رسمِ بد ختم ہو، تاکہ یہ ناجائز طریقہ جو مسلمانوں میں جاری ہو گیا ہے ختم ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور چیز دل چاہے پکالیں۔

اسی طرح اس مہینے میں بعض لوگ دعوت کرنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور دوسروں کے گھروں میں کھانا پہنچانے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، یہ بھی صحیح نہیں البتہ صدقہ وخیرات کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر کسی نے اچھا کھانا پکایا ہے اپنے گھر والوں کے لئے اور ساتھ ہی اس نے غریب ومسکین اور محتاجوں کو بھی دیدیا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اس حد تک کوئی قباحت نہیں، بشرطیکہ اسے لازم نہ سمجھے اور نہ کھانا مخصوص ہونا چاہئے۔ بس اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔

اوپر شروع میں اس مہینے سے متعلق احادیث کے حوالے سے جو چند فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں وہ تو ثابت ہیں، اس کے علاوہ جو کچھ اس مہینہ کے اندر ہوتا ہے۔ عموماً شیعہ لوگ انہیں کرتے ہیں ان سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔

گناہ کا دیکھنا بھی گناہ ہے

یہ اس لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے کچھ سنی بھائی بھی اس ماہ میں آدھے شیعہ بن جاتے ہیں، مثلاً بعض سنی ایسے ہیں جو شیعہ نہیں ہیں مگر وہ بھی تعزیہ اور علم بناتے ہیں، وہ بھی دُلدُل بناتے ہیں، وہ بھی تعزیہ نکالتے ہیں، اور کچھ نہیں تو جہاں یہ کام ہو رہا ہوگا وہاں ضرور جائیں گے، عورتیں اور بچے تو کیا بوڑھے تک دیکھنے جاتے ہیں، گلی میں سے اگر تعزیہ گذرتا ہے تو سارے محلّہ کی عورتیں اوپر اور بچے نیچے، سب دیکھنے میں مشغول ہوتے ہیں۔

بھائی! جس چیز کا بنانا گناہ ہے اس کا دیکھنا بھی گناہ ہے، اس کے اندر شریک ہونا بھی گناہ ہے، یہاں پر بھی وہی مشابہت کی بات ہے ہم نے ان کے ان کاموں میں شرکت کر کے خود کو ان جیسا اور انکے مشابہہ بنالیا ہے۔

دوسرے یہ کہ کسی گروہ میں شریک ہو کر اس کی تعداد بڑھانے سے آدمی انہی میں شمار ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ:

مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(فتح الباری ص۳۷۔ ج۔۱۳)

ترجمہ

جس نے کسی قوم کی تعداد میں اضافہ
کر دیا تو وہ بھی انہی میں شمار ہوگا۔

لہٰذا جو لوگ تعزیہ دیکھنے جاتے ہیں، اور ان کی محفلِ سماع یا محفلِ عزا میں جاتے ہیں اور مرثیہ سنتے یا پڑھتے ہیں، اور ان کی دُلدُل یا علم سدا دیکھتے ہیں، یا تعزیہ دیکھتے ہیں تو اس حدیث کی رو سے ان کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا، یہ بھی گنہگار ہیں اور وہ بھی گنہگار ہونگے، کیونکہ یہ سارے کام گناہ کے ہیں، اس لئے بھائی اس تاریخ میں اور اس کے علاوہ آگے پیچھے بھی ان سب گناہوں سے اپنے آپ کو بچانے کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے، اپنے بچوں کو بھی ان گناہوں سے بچائیے۔

ٹی وی منکرات وفواحش کا مجموعہ ہے

محرم کی دس تاریخ کو سرکاری چھٹی ہوتی ہے گھر میں رہتے ہیں لیکن گھر میں تعزیئے دیکھنے کا ایک راستہ اور ہے، وہ ہے ''ٹی وی'' کہ باہر جا کر نہیں دیکھ رہے تو گھر میں بیٹھے دیکھ رہے ہیں، ٹی وی چل رہا ہے، اور اس میں پورا کراچی اور اس کا ایم اے جناح روڈ نظر آ رہا ہے اور سارے تعزیئے نظر آ رہے ہیں، باہر نکل کر دیکھنے سے تو ایک دو ہی تعزیئے نظر آ رہے تھے، معلوم ہوا کہ ٹی وی پر تو سب کے سب نظر آ رہے ہیں، لہٰذا معاملہ اس سے بھی زیادہ بدتر ہو گیا، کیونکہ گناہ کی چیز خواہ چھپ کر دیکھیں یا علانیہ دیکھیں، براہ راست دیکھیں، بلاواسطہ دیکھیں یا بالواسطہ دیکھیں، گناہ تو گناہ ہی ہے، لہٰذا جب گناہ ہے تو پھر ٹی وی پر اس کا دیکھنا بھی گناہ ہے، جیسے گھر سے باہر نکل کر اصلی تعزیہ

کو دیکھنا گناہ ہے ایسے ہی ٹی وی پر دیکھنا بھی گناہ ہے، اس لئے ان سب سے بچنا چاہئے۔

غلط عقیدے سے سبیلیں لگانا

ایک اور گناہ جو اس مہینہ میں ہوتا ہے ''اللہ بچائے'' وہ سبیلوں کا سلسلہ ہے، اصل میں تو یہ کام شیعہ لوگ کرتے ہیں، اور اپنے مسلک کے مطابق کرتے ہیں، جس میں ان کا خاص عقیدہ پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیاسے شہید ہوئے تھے، مخالفین نے انہیں پانی نہیں پینے دیا تھا، لہٰذا سبیلیں لگائی جائیں اور پانی پلایا جائے تاکہ ان کی پیاس بجھے، یہ بے بنیاد اور من گھڑت عقیدہ ہے، کیونکہ اس میں دو باتیں غلط ہیں۔

(۱) چودہ سو سال گذر گئے اور ہر سال اتنی سبیلیں لگ رہی ہیں تو کیا ابھی تک ان کی پیاس نہیں بجھی؟

(۲) کیا دنیا کا پانی وہاں (عالمِ برزخ) میں پہنچتا ہے جو انکی پیاس بجھنے کا ذریعہ بنے؟

غلط عقیدہ کی اصلاح

دنیا اور آخرت سے مختلف ایک الگ عالم ہے، یہاں کا پانی یہاں کی پیاس بجھانے کے لئے ہے، عالمِ برزخ اس دنیا سے بالکل الگ جہان اور علیحدہ دنیا ہے، یہاں کی کوئی چیز وہاں نہیں پہنچتی کہ یہاں کھاؤ اور عالمِ برزخ میں کھانا پہنچ جائے۔ اسی طرح یہاں پانی پیؤ اور وہ عالمِ برزخ میں پہنچ جائے، ایسا نہیں ہوسکتا، یہ غلط عقیدہ ہے، یہاں کی کوئی چیز وہاں نہیں پہنچتی، جیسے وہاں کی کوئی چیز یہاں نہیں پہنچتی، جیسے یہاں کی چیز جنت میں نہیں

جاسکتی، اسی طرح جنت کی چیزیں یہاں نہیں آتیں، عالمِ آخرت الگ ہے، عالمِ دنیا الگ ہے، اوران دونوں کے درمیان الگ جہان ہے جسے عالمِ برزخ کہا جاتا ہے، ایک عالم کی چیز دوسرے عالم میں منتقل نہیں ہوتی، مثلاً خدانخواستہ قبر میں کسی کو عذاب ہورہا ہو اور اس کو وہاں پیاس لگے، یہاں سے اس کے پسماندگاں کتنا ہی ٹنوں ٹن وزن پانی خیرات کردیں اگر وہ میت خدانخواستہ غیر مسلم ہے، تو ٹنوں پانی خیرات کرنے سے رتی برابر بھی اس کی پیاس نہیں بجھے گی، اگر وہ مسلمان ہے تو بھی پانی وہاں نہیں پہنچے گا، ہاں دنیا میں کئے گئے نیک اعمال کا ثواب وہاں پہنچ سکتا ہے۔ اور ثواب پہنچانا اور چیز ہے لیکن یہ تصور سرے سے ہی غلط ہے کہ یہاں کی عام چیزیں وہاں پہنچ جائیں، یہ بات عقل ونقل اور شریعت کے بھی خلاف ہے، چونکہ سرے سے یہ بنیاد ہی غلط ہے، اس لئے یہ عقیدہ بھی غلط ہے، اور اس کی بنیاد پر یہ سبیلیں لگانا بھی صحیح نہیں، جب صحیح نہیں تو مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے۔

مسلمانوں کے لئے راہِ عمل

مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ انہیں چاہئے کہ حتی الوسع جتنا مال باآسانی اللہ کے راستہ میں صدقہ وخیرات کرسکیں چپکے سے کرلیں، جس کو اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دیں وہ اپنے حلال مال سے خاموشی کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کردے اور یہ نیت کرلے یا اللہ! اس کا ثواب فلاں فلاں کو پہنچے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اوران کے خاندان اور دیگر مسلمانوں کو پہنچے، پھر چاہے اس کے لئے آپ پیسے خیرات کریں یا کپڑے خیرات کریں بلاشبہ ان کا ثواب ان تک پہنچ جائے گا، ثواب پہنچانا بالکل برحق ہے، بالکل بجا ہے، اہل السنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ زندہ اور مردہ دونوں کو ایصالِ

ثواب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے رواجی طور طریقوں سے بچنا چاہئے، اسی طرح لوگوں نے ایصالِ ثواب کے لئے اپنی طرف سے جو نئے نئے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں ان سے بھی بچنا بے حد ضروری ہے۔

ایصالِ ثواب نیکی کا ہوتا ہے گناہ کا نہیں

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ ایصالِ ثواب کا ہوتا ہے گناہ کا نہیں ہوتا، بہر حال جتنے ناجائز کام شیعوں کی طرف سے ہوتے ہیں وہ سارے کام گناہ ہیں، ان سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو بچانا چاہئے، اللہ پاک ہم سب کو راہِ سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور تمام رسومات و بدعات سے، ناجائز اور خلافِ شرع کاموں سے پرہیز کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

حکمت کی باتیں
اور
کامیابی کے تین اصول

- محنت وکوشش
- قلبی دعا
- نیک صحبت

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفی و سلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ
اما بعد!

کئی منگلوں[1] سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ میں دو یتیم بچوں کے خزانے میں سونے کی تختی پر جو نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں ان کی تشریح ہو رہی ہے گذشتہ منگل کو وہ سب تقریباً پوری ہوگئیں تھیں لیکن ایک نصیحت رہ گئی تھی جو بعد میں یاد آئی اور وہ بھی بہت اہم نصیحت ہے اس لئے وہ میں اس وقت عرض کرتا ہوں اور نیز اس واقعہ کے میں جو اہم حصہ باقی ہے وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ عرض کروں گا۔

اہم نصیحت

وہ نصیحت یہ ہے کہ جو شخص روزانہ دنیا میں انقلابات عالم کے تغیر و تبدل اور فنا و بقاء کو دیکھتا ہے وہ کیونکر مامون رہ سکتا ہے، یہ ایک نصیحت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر دم ہر جگہ تبدیلی ہو رہی ہے۔ طرح طرح کے واقعات رونما ہو رہے ہیں، حالات روز بروز بدل رہے ہیں، حادثات رونما ہو رہے ہیں، نئے نئے واقعات پیش آرہے ہیں، حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، بچہ جوان ہو رہا ہے، جوان بوڑھا ہو رہا ہے اور بوڑھا مر رہا ہے،

[1] ہر منگل کو عصر کی نماز کے بعد یہ اصلاحی بیان جامعہ دارالعلوم کراچی میں ہوا کرتا ہے۔

زمین سے آسمان تک انقلابات ہی انقلابات ہیں، خود آدمی کی اپنی ذات میں زبردست انقلاب برپا ہے، پھر ان سب انقلابات کے ہوتے ہوئے آدمی بے خوف کیسے رہ سکتا ہے، ایسے انقلابات کی صورت میں اور حالات کے بدلنے کی صورت میں اور تغیر و تبدل میں ہر وقت آدمی کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ خدا جانے تھوڑی دیر میں میرے ساتھ کیا ہو جائے، ابھی تو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ عافیت حاصل ہے، صحت حاصل ہے، عزت حاصل ہے، نعمتیں حاصل ہیں، سکون حاصل ہے، خدا نہ کرے ذرا سی دیر میں عافیت کا خاتمہ ہو جائے، عزت خاک میں مل جائے، راحتیں ہمیشہ کے لئے منہ موڑ لیں، پریشانیوں کے اندر گھر کر رہ جاؤں، مصیبتیں میرا استقبال کرنے لگیں، آفتیں مجھ پر برس پڑیں اور ہر طرف سے نقبت اور پریشانی کا سامنا ہو، ہر حالت میں ہر طرف سے میرے سامنے موت ہی موت ناچتی نظر آئے، اچانک ایسا ہو سکتا ہے، کیونکہ روزانہ سینکڑوں واقعات اس طرح کے رونما ہو رہے ہیں۔ آج کا امیر کل کا فقیر، کل کا فقیر آج کا امیر ہے، کل وہ بالکل صحت مند، تندرست و توانا تھا، آج ایسا بیمار ہے کہ وہ چلنے پھرنے سے، کھانے پینے اور بولنے چالنے سے عاجز ولاچار ہے، کل وہ بالکل تندرست و توانا تھا سویرے اطلاع ملتی ہے کہ انتقال بھی ہو گیا، کل سامنے ہوا کھا رہا تھا آج اس کی قبر پر فاتحہ پڑھی جا رہی ہے، تو ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر رہی ہے کسی شخص کی حالت کو ٹھہراؤ نہیں ہے، قرار نہیں، سکون نہیں، آرام نہیں ہے، راحت نہیں ہے اور اگر ایک راحت ہے تو سینکڑوں غم ہیں تو یہ قابلِ اطمینان صورتِ حال نہیں ہے کہ ہم اطمینان کر لیں کہ اس وقت جو کچھ حاصل ہے وہ ایسا ہی رہے گا، نہ صحت کو بقاء ہے، نہ علم کو بقاء ہے نہ عمل کو بقاء ہے نہ انسان کو بقاء ہے، نہ اس کی عزت کو بقاء

ہے، نہ اس کی نعمتوں کو بقاء ہے، کسی چیز کو بھی بقاء نہیں ہے، اب ہے تھوڑی دیر میں نہیں، آج ہے کل نہیں ہے، تو جب یہ ہماری حالت ہے تو ایسی حالت میں کون عقل مند بے خوف رہ سکتا ہے اور اطمینان کر کے رہ سکتا ہے کہ اب میں مرتے دم تک ایسا ہی رہوں گا اگر کسی کو اپنے حال پر ایسا اطمینان ہے تو وہ عقل مند نہیں، اس کو سمجھ نہیں، اس کو فہم نہیں، وہ حقیقتِ حال کو سمجھتا نہیں ہے جو اس کو سمجھتا ہے اس کو سکون نہیں ہوسکتا اور وہ مطمئن نہیں ہوسکتا اور وہ بے خوف نہیں ہوسکتا۔

جبکہ ہماری حالت بظاہر ایسی ہی ہے کہ ہم بے خوف ہیں ہمیں اپنے بارے میں کسی چیز کا کوئی خطرہ نہیں کوئی اندیشہ نہیں، خواہ قصداً ایسا سمجھیں یا کہ بلا قصد۔

بہر حال! شعوری یا غیر شعوری طور پر ہمارے ذہن میں یہ بیٹھا ہوا ہے کہ بس ہم تو ایسے ہی رہیں گے اور بڑھیں گے، گھٹیں گے نہیں اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ بھئی! یقین تو ہے کہ مرنا ہے لیکن ہماری جو ظاہری طرزِ زندگی ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ مریں گے نہیں، اللہ بچائے ایسی ہی ہماری حالت بگڑی ہوئی ہے کہ موت سے بڑھ کر کوئی یقینی چیز نہیں، اس کے باوجود مرنے کا خوف نہیں اور ظاہراً یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمیں مرنا ہی نہیں۔

فکرِ آخرت کی علامت

اب ایک علامت بتلاتا ہوں جس سے ہماری حالت واضح ہوگی کہ اگر موت کا خوف ہو تو موت کی تیاری ضروری ہے اگر ان انقلابات کا واقعی

ہم کو استحضار اور یقین ہو تو ان سے سبق لینا ضروری ہے، اور انقلابات عالم سے سبق لینے کی علامت یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ رہیں کچھ پتا نہیں کہ بھئی کل کیا ہو جائے، جو کچھ کرنا ہے ابھی کرلو، اس اصول پر ہماری زندگی مرتب ہو اور وہ ہے نہیں اس طرف توجہ نہیں ہے اور اس اصول کے مطابق ہماری زندگی نہیں گذر رہی تو پھر یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہم موت سے بے خوف ہیں اور انقلابات عالم سے بھی بے خوف ہیں، بہر حال! یہ دونوں نصیحتیں اس تختی پر انہوں نے لکھیں کہ تم کو دنیا کے انقلابات سے بے خوف نہیں رہنا چاہئے۔

جو کرنا ہے آج ہی کرلیں

موجودہ حالات پر اطمینان کر کے نہیں بیٹھنا چاہئے جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرلیں۔ اگر خدانخواستہ کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو اس سے آج ہی معافی تلافی کرلیں جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرلیں، کل تو بہت دور ہے، پل کی بھی خبر نہیں، اگر زندگی ہے تو اس کا بھی بھروسہ نہیں میں جس حالت پر ہوں نہ جانے تھوڑی دیر کے بعد کیا ہو جائے "اللہ بچائے" حدیث شریف میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بادِرُوْا بالْاَعْمالِ فِتَناً كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِناً ويُمْسِي كَافِراً ويُمْسِي مُؤْمِناً ويُصْبِحُ كَافِرا يَبِيْعُ دِيْنَه بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيا۔

(مشکوٰۃ: ج۲ ص۶۴۲)

ترجمہ

نیک اعمال کرنے میں جلدی اور سبقت کرو ان فتنوں کے آنے سے پہلے پہلے جو کالی تاریک رات کے (سیاہ) ٹکڑوں کی طرح (خطرناک) ہوں گے (چنانچہ) آدمی صبح کو مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کافر ہو جائے گا اور آدمی اپنا دین دنیا کے چند سکوں کے خاطر بیچ ڈالے گا۔

چنانچہ اس حدیث کے مطابق دنیا کے اندر اگر ہم دیکھیں تو کتنے ہی صبح کو مسلمان تھے اور شام کو ان کا اسلام رخصت ہو گیا، صبح مسلمان اور شام کو کافر ہو گئے، اور ایسے بھی ہیں کہ شام کو کافر اور صبح مسلمان ہو گئے، ایمان کا بھروسہ نہیں۔ اعمال کا بھروسہ نہیں، افعال کا بھروسہ نہیں، کسی چیز کا بھروسہ ہی نہیں، کسی چیز کا اطمینان نہیں، کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ جو کچھ اس وقت میرے پاس موجود ہے وہ میرے پاس سدا موجود رہے گا اور وہ ایسے ہی رہے گا، نہ علم کا بھروسہ، نہ عمل کا بھروسہ، نہ تقویٰ کا بھروسہ، رات دن واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ صاحب! اتنا بڑا عالم ذرا سی دیر میں سارا علم بھول گیا، دماغ میں ایسی چوٹ لگی کہ سب کچھ محو ہو گیا، بھئی! ایسا صدمہ پیش آیا کہ پاگل ہو گیا، پاگل ہونے کے بعد اب کیا علم کام آئے گا، بھئی وہ تو علم سے بھی گیا اور عمل سے بھی گیا۔ اپنے آپ سے بھی گیا اور گھر والوں سے بھی گیا تو ایک نصیحت اس تختی کے اندر یہ ہے کہ آدمی کو بے خوف نہیں رہنا چاہئے، ہر وقت زندگی بڑی محتاط رہ کر گذارنی چاہئے، کوئی وقت اپنا ضائع نہ کرے نہ بیکار رہے، نہ لایعنی اور فضول بات میں لگے، اپنی اس موجودہ صحت کو موجودہ وقت

کو، موجودہ عافیت کو، موجودہ نعمتوں کو، موجودہ راحت کو آخرت کے لئے، اللہ کے لئے، دین کے لئے، شریعت کی پاسداری کے لئے استعمال کرتا رہے، اس بھروسے پر نہ رہنا چاہئے کہ کل کرلیں گے، کل کا بھروسہ بہت بڑا دھوکہ ہے، ہم ایک منٹ کا بھی بھروسہ نہیں کر سکتے، ہر شخص جو ابھی کر سکتا ہے کر لے۔

نصیحت کا خلاصہ

اس نصیحت کا حاصل یہ ہے کہ چاہے اعمال صالحہ کی انجام دہی ہو، یا گناہوں سے بچنے کی کوشش ہو اس میں ہم کل کی کوئی امید نہ رکھیں کہ بھئی شام کو کرلیں گے، کل کرلیں گے، پرسوں کرلیں گے، جو ایسا کرے گا پھر وہ رہ جائے گا، خدا جانے کل کیا ہو کچھ پتہ نہیں کہ خود بھی رہے گا یا نہیں۔ کتنے لوگ ہیں کہ زندگی میں نجانے کتنے لمبے لمبے منصوبے بنائے کہ ہم ایسا کریں گے، ایسا کریں گے منصوبے ابھی وہیں کے وہیں رکھے ہیں اور وہ دنیا سے قبر میں بھی جا پہنچے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان پتہ نہیں دماغ میں کیا کیا منصوبے بنائے رکھتا ہے اور اجل پہلے ہی آجاتی ہے اس لئے کامل مؤمن ابن الحال ہوتا ہے۔ ابن الحال کہتے ہیں ''حال کی فکر کرنے والے کو'' تو مؤمن موجودہ حالت کی فکر کرنے والا ہوتا ہے مومن کو جو وقت حاصل ہے، جو دن حاصل ہے، جو گھڑی حاصل ہے اور جو نعمتیں حاصل ہیں ان میں نیک کاموں کی فکر کرتا ہے ان کاموں کی فکر کرتا ہے جس سے میرا پروردگار مجھ سے راضی ہو، بہر حال مومن کا یہ حال ہونا چاہئے وہ ابن الحال ہو، وہ لمحۂ موجود کی فکر کرے، زمانۂ مستقبل کی زیادہ فکر نہ کرے، ہاں مستقبل کے بارے میں اچھی

نیت کر سکتا ہے، اچھے اچھے کاموں کی نیت کر کے مستقبل کو سنہری بنا سکتا ہے جیسے ماضی پر توبہ واستغفار کر کے اس کو پاک وصاف بنا سکتا ہے۔

ماضی کی غفلتوں سے توبہ واستغفار اور حال میں عمل کرنے کی فکر یہ بڑی اہم اور ضروری بات ہے اور اگر کوئی اس سے لا پرواہی برتے گا تو نقصان اٹھائے گا اور ہمارا اصل مرض یہی ہے کہ حال کی فکر نہیں، بس آرزوئیں اور تمنائیں ہیں، تمناؤں سے آرزوؤں سے کچھ نہیں ہوتا اور وہ سب پوری ہوتی بھی نہیں الا ماشاء اللہ۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نہ آدمی کی اصلاح ہوتی ہے نہ تزکیہ ہوتا ہے، نہ تربیت ہوتی ہے اور نہ اس کو اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق نصیب ہوتا ہے، بس آس ہی آس میں اور امید ہی امید میں اس کی عمر گذر جاتی ہے اور وقت گذر جاتا ہے اور اگر واقعۃً حال کی فکر کر لی جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے اور جو کچھ بھی مجھے حاصل ہے بس یہی ہے، کل کی خبر نہیں، پل کی خبر نہیں، مجھے جو کچھ کرنا ہے ابھی کرنا ہے، ابھی کوشش کرنی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ کامیاب ہوگا۔

کامیابی کے لئے جدوجہد ضروری ہے

کامیابی کے لئے کوشش شرط ہے۔ یاد رکھئے! چاہے وہ علم دین کے لئے کوشش ہو، چاہے اعمال صالحہ کے لئے کوشش ہو، چاہے اصلاح کے لئے کوشش ہو، خواہ اخلاق واعمال کے درست کرنے کے لئے کوشش ہو یا دنیا حاصل کرنے کے لئے ہو، بہر حال کوشش ہر آدمی کے لئے شرط ہے، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے خوب دعا بھی مانگے کیونکہ توفیق تو منجانب اللہ ہی ملا کرتی ہے، ساتھ ہی دوسروں سے مشورہ اور رہنمائی بھی لے، اگر اعمال و

اخلاق کی، اصلاح مقصود ہے تو کسی اللہ والے سے رہنمائی لے اور اگر علم حاصل کرنا ہے تو استاذ سے رہنمائی لے، کوئی ہنر سیکھنا ہے تو صاحبِ ہنر سے رہنمائی لے، دنیا کمانی ہے تو جو دنیا کمانے والے ہیں ان سے رہنمائی حاصل کرے۔

اصلاح میں کامیابی کے تین رکن

استاذ سے رہنمائی، شیخ سے رہنمائی، اللہ تعالیٰ سے دعا اور کوشش یہ کامیابی کے تین رکن ہیں، یاد رکھئے! محنت خود ہی کرنی ہوگی دین ہو یا دنیا ہو، جب تک ہم خود محنت نہیں کریں گے تو محض امیدوں سے کچھ نہیں ہو سکتا بلکہ ساری امیدیں اور ساری تمنائیں اور ساری آرزوئیں خاک ہو جائیں گی، اس لئے اپنا مدعیٰ اور مقصد کے لئے ہر قیمت پر کوشش کر کے، مشورہ کر کے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے حاصل کرنا یہ کامیابی کا گر ہے۔ اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں ایک شعر یاد آیا۔

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو تیرے قابل بنانا ہے مجھے

یعنی چاہے آرزوئیں پوری ہوں یا نہ ہوں،،،، خواہشات مکمل ہوں یا نہ ہوں لیکن مجھے ہر حال میں اپنے نفس کی اصلاح کرنی ہے، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ اس کے لئے مجھے تن من دھن کی بازی لگانی ہے تو اصلاح کے لئے ایسے جذبہ کی ضرورت ہے۔ ایک دوسرا شعر یاد آیا اس سے بھی یہی پتا چلتا ہے۔

آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دل
کچھ نہ پوچھو دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

رگڑوں سے مراد یہی محنت، کوشش، جدوجہد ہے، جب آدمی اپنا حال اپنے شیخ کو سناتا ہے اور پھر شیخ اس پر تعلیم دیتا ہے تو وہ تعلیم پر عمل کر کے گویا قلب کو رگڑا دیتا ہے، جو دل کی صفائی اور منجھائی ہے، اس طرح آہستہ آہستہ دل نیکیوں کا عادی اور گناہوں سے بچنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی یاد دل میں بستی ہے۔

بغیر محنت کے شیخ سے تعلق ناکافی ہے

جو شخص اپنے شیخ کی تعلیم پر عمل نہیں کرتا وہ کاہل ہے، سست ہے، وہ قربانی دینا نہیں چاہتا، کوشش اور محنت کرنا نہیں چاہتا، جب نہیں چاہتا تو کسی اللہ والے کی ایسی صحبت اس کی زندگی کو تبدیل نہیں کرتی، اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر جو زندگی میں انقلاب آتا ہے اس کے لئے قربانی دینا شرط ہے، تو ہم اپنے جذبات کی قربانی دیں، اپنی خواہشات کو قربان کریں اور جیسے وہ کہے اس طرح کر کے دکھائیں، چاہے ہمارے اندر، ہماری طبیعت میں کیسا ہی اس کے خلاف جوش پیدا ہو رہا ہو اور ہماری طبیعت کتنا ہی اس سے اعراض کر رہی ہو، اس پر عمل کرنا نہ چاہتی ہو لیکن سب کچھ قربان کر کے اس کا کہنا مان کر دکھاؤ تو اصلاح ہوگی چند اشعار سنئے:

یہ دل پامال ہو یا زیست کا پیمانہ بھر جائے
مگر ہر سانس میرا آپ کے در پہ گزر جائے

ازل سے پی کر آئے ہیں ابد تک مست رہنا ہے
نہیں یہ وہ نشہ جو ترشیِ غم سے اتر جائے
اسی میں عافیت ہے جس کو سودا ہو محبت کا
کہ ان کے آستانۂ ناز پہ سر رکھ کے مر جائے

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا طالب ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عشق اس کو نصیب ہو، اللہ کا درد اور اس کی محبت اس کے دل میں پیدا ہو تو اس کے لئے اس کو چاہئے کہ حق تعالیٰ کے ان کے آستانۂ ناز پر سر رکھ کہ مر جائے، یعنی اپنی تمام خواہشات اور جذبات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ہار اپنے گلے میں ڈال لے۔

ہم ان کی بے نیازی کا یہی مفہوم سمجھتے ہیں
جئے وہ جس کو جینا ہے، جسے مرنا ہے مر جائے

یہ جینا دراصل جینا نہیں ہے بلکہ مرنا دراصل جینا ہے "اللہ اکبر" اللہ تعالیٰ نصیب فرمائیں۔ بہر حال! بھئی کوشش اور محنت اصل چیز ہے، دین کے لئے بننا ہے یا دنیا کے لئے، اس کیلئے محنت اور کوشش اپنی طرف سے ضروری ہے، اساتذہ، مشائخ اور اکابر، سب یہی کہتے ہیں کہ کوشش ضروری ہے، اگر کوشش اور محنت ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ کے فضل سے کامیاب ضرور ہوگا اور اگر اپنی طرف سے محنت نہیں ہوگی تو بھئی بڑے سے بڑے اساتذہ اور بڑے سے بڑا مدرسہ اور بڑے سے بڑا کتب خانہ اور بڑی سے بڑی خانقاہ بھی ہمارے اندر کوئی تبدیلی نہیں لاسکتی، بہر حال! یاد رکھنا چاہئے اللہ تعالیٰ سے دعا ہو، اللہ والوں کی رہنمائی ہو اور محنت وکوشش جتنی ہمارے اختیار میں ہے وہ ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی۔ اب یہ نصیحت یہاں پر مکمل ہو جاتی ہے۔

ادب کی انوکھی تعلیم

اس واقعہ میں ایک ادب کی تعلیم بھی ہے جو زندگی بھر یاد رکھنے کی ہے اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے اسی واقعہ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان تینوں واقعات کی تفصیل بیان فرمائی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں ظاہر ہوئے تھے تو حضرت خضر علیہ السلام نے یہ واقعات عجیب ادب کے دائرے میں رہ کر بیان فرمائے، وہ ادب بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اس کو سمجھنے سے پہلے ایک اور ادب کی تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہے وہ بھی قرآن کریم میں ہے، پہلے اس کو سمجھ لیں اس سے اس ادب کا سمجھنا آسان ہو جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب

وہ یہ ہے کہ اصل میں دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے، دنیا میں خیر بھی اللہ کے حکم سے اور شر بھی اللہ کے حکم سے ہے، بغیر اللہ کے حکم کے نہ کوئی شر وجود میں آسکتا ہے نہ کوئی نقصان ہوسکتا ہے، نہ کوئی صحت ہوسکتی ہے اور نہ کوئی مرض ہوسکتا ہے یہاں تک کہ کفر و شرک بھی اللہ کے حکم اور ان کی حکمت و مشیت سے دنیا میں پیدا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نہ چاہتے تو دنیا میں کفر کہاں سے آتا، نہ کفر آتا نہ شرک آتا نہ فسق آتا نہ بدعت آتی، دوسری طرف ایمان بھی ہے، اطاعت بھی ہے، فرمانبرداری بھی ہے، نیکی بھی ہے، تو نیکی اور بدی، کفر و اسلام، ایمان و کفر، خیر و شر سب اللہ تعالیٰ کی

طرف سے ہے، لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہ ادب ہے کہ جب وہ خیر کو بیان کرتے ہیں تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور شر کو بیان کرتے ہیں تو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ بیماری بظاہر تکلیف کی چیز ہے اور صحت ایک نعمت ہے اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہیں اور منجانب اللہ ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الصفت، آیت ۸۰)

اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو شفا اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْ هُوَ يُطْعِمُنِیْ وَيَسْقِيْنِ (الصفت، آیت ۷۹)

اللہ تعالیٰ وہ ہیں جو مجھے کھلاتے ہیں اور پلاتے ہیں،

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الصفت، آیت ۸۰)

اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتے ہیں۔

کھلانا پلانا تو خیر ہی خیر ہے، اس لئے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کررہے ہیں کہ اللہ کی ذات اقدس وہ ہے جو مجھے کھلاتے بھی ہیں اور پلاتے بھی ہیں، اس کے بعد جب بیماری کا ذکر آیا تو بیماری کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی بلکہ اپنی طرف کی اور یہ کہا کہ:

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الصفت، آیت ۸۰)

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی (اپنے کرم) سے شفا دیتے ہیں۔

اس میں بیماری کے بعد پھر شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی، تو آپ خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر رہے ہیں اور شر کی نسبت اپنی طرف کر رہے ہیں یہ بڑے ادب کی بات ہے، حالانکہ دراصل مرض بھی منجانب اللہ ہے اور شفاء بھی منجانب اللہ ہے لیکن مرض ظاہراً شر ہے، تکلیف ہے، بیماری ہے اور صحت نعمت ہے، انعام ہے، کرم ہے، فضل ہے اس لئے کھلانے اور پلانے اور شفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر رہے ہیں اور بیچ میں بیماری کا ذکر آیا تو فوراً رخ بدل دیا اور یہ کہا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو پھر شفاء بھی وہی عطا فرماتے ہیں، تو ادب یہ ہے کہ خیر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور شر کی نسبت اپنی طرف۔

حضرت خضر علیہ السلام کا ادب

ایسے ہی ان تینوں واقعات کے اندر پہلا واقعہ یہ تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ کشتی توڑ دی تھی جس میں یہ دونوں حضرات سوار ہوئے تھے چنانچہ جب کشتی چلی تو تھوڑی دور جا کر انہوں نے کلہاڑی اٹھائی اور اس کا ایک تختہ توڑ دیا، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ٹوکا تو بعد میں انہوں نے اس کی حقیقت بیان فرمائی جس میں کشتی کو عیب دار بنانا ظاہراً برائی تھی حالانکہ حقیقت میں وہ خیر ہی تھی کہ کشتی کو ظالم بادشاہ کے غصب کرنے سے بچانا مقصود تھا اور وہ بچ بھی گئی لیکن ظاہر میں اس کو عیب دار کیا تو اس کے اس ظاہری عیب کو جب حضرت خضر علیہ السلام نے بیان فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی بلکہ یوں کہا کہ:

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا۔۔۔الآیہ (کہف،آیت۷۹)

کہ میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار بنادوں

تاکہ آگے جا کر ظالم بادشاہ اس پر قبضہ نہ کرلے اور ان بے چاروں کے گذارے کا یہ سامان ختم نہ ہو جائے۔

دیکھئے اس میں کشتی کو عیب دار بنانا جو ظاہراً اچھی بات نہیں ہے اگر چہ یہ اللہ کے حکم سے کر رہے تھے لیکن انہوں نے اس کی نسبت اپنی طرف کی، اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی یہ ادب کی بات ہے۔

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ جب وہ دریا میں سفر کرتے ہوئے کنارے پر اترے تو دیکھا کہ کنارے پر کچھ لڑکے کھیل رہے ہیں وہ آگے بڑھے اور ایک بچہ کا سرتن سے الگ کر دیا یعنی قتل کر دیا، اب قتل کرنا برائی کی بات ہے لیکن ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یعنی اس کے ماں باپ کو نیک و صالح اولاد عطا فرمائی، جو اس کا نعم البدل تھی۔ اس میں خیر ہی خیر تھی، قتل کرنے میں ظاہراً شر ہی شر تھا۔ اب اس میں دو باتیں جمع ہیں ایک خیر کی دوسرے شر کی، تو حضرت خضر علیہ السلام نے ان دونوں کے لئے جمع کا صیغہ استعمال فرمایا کہ " فَاَرَدْنَا" اور یہ اس لئے فرمایا تا کہ اس میں دونوں پہلو جمع ہو جائیں ایک خیر کا پہلو جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور دوسرے شر کا پہلو جس کو انہوں نے اپنی طرف منسوب کیا، تو دیکھئے! کس طرح احتیاط سے اللہ تعالیٰ کا ادب کر رہے ہیں۔

تیسرا واقعہ یہ پیش آیا جس کے بارے میں یہ تشریح چل رہی ہے کہ

دیوار جھکی ہوئی تھی اس کے نیچے یتیموں کا خزانہ دفن تھا اس میں سونے کی تختی تھی جس میں یہ نصیحتیں لکھی ہوئی تھیں، جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے ہاتھ لگا کر سیدھا کر دیا تو اس میں تو خیر ہی خیر تھی شر کا کوئی پہلو تھا ہی نہیں تو یہاں پر انہوں نے واحد مذکر غائب کا صیغہ استعمال کیا کہ:

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا ـ الایہ

(کہف، آیت ۸۲)

اس لئے آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں۔

یہاں اپنے آپ کو بیچ میں سے بالکل ہی نکال دیا اور یہ کہا کہ آپ کے پروردگار نے یہ چاہا کہ یہ بالغ ہوں اور جوان ہوں اور جوان ہو کر اپنا خزانہ نکال لیں، کیوں کہ اس میں خیرِ محض تھی تو خیر کی ساری نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی، اپنی طرف کوئی نسبت ہی نہیں کی۔

اندازہ لگائیے! پہلے واقعہ میں صورتاً شر ہی شر تھا تو ساری نسبت اپنی طرف کی اور فرمایا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا، دوسرے واقعہ میں شر و خیر دونوں جمع تھے تو اس میں فَاَرَدْنَا استعمال کیا اور تیسرے واقعہ میں خیر ہی خیر تھی اور خیرِ محض تھی تو اس کی ساری نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی اور کہا کہ فَاَرَادَ رَبُّكَ۔

مذکورہ ادب سے مؤمن کے لئے سبق

اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کو چاہئے کہ اپنی زندگی کے اندر جب اسے کوئی نعمت ملے تو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کرم

فرمایا۔ اللہ پاک نے یہ فضل فرمایا وغیرہ، صحت ملے، علم ملے، عمل کی توفیق ہو، اخلاق اچھے ہوں، سب کچھ اللہ کی طرف سے ہیں، محض اس کی عنایت ہے، اس کا کرم ہے، میرا اس میں کوئی کمال نہیں ہے، اس میں میری استعداد اور قابلیت کا کوئی دخل نہیں ہے اور جو کچھ ہے محض اس کا کرم ہے اور یہ بالکل حقیقت ہے اور بناوٹ کی کوئی بات نہیں اور جب کوئی نقصان ہو جائے، خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے اور کوئی واقعہ ہو جائے اور کوئی پریشانی پیش آجائے تو خیال کرے کہ یہ میری غلطی ہے، میری خطا ہے اور میری کوتاہی ہے اور میرے گناہوں کی وجہ سے ہے، میری بداعمالیوں کی وجہ سے ہے، میری کمزوری کی وجہ سے ہے اور میری نالائقی کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، اللہ تعالیٰ مجھ سے درگذر والا معاملہ فرمائے اور اپنے فضل سے مجھ کو اس پریشانی سے نجات دے۔ یہ ہے اس ادب کا خلاصہ۔

حضرت خضر کی موسیٰ علیہ السلام کو نصیحت

آخر میں جب یہ واقعہ مکمل ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت خضر علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو انہوں نے جدا ہوتے وقت حضرت خضر علیہ السلام سے درخواست کی، حضرت! مجھے کچھ نصیحت فرمائیں، وہ نصیحت ہمارے لئے ساری زندگی یاد رکھنے کی ہے۔

اولاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست سے ہمیں یہ نصیحت حاصل ہوئی کہ جب شاگرد یا مرید، ایک مدت کے لئے اپنے استاذ اور شیخ سے جدا ہو رہا ہو تو اس کو نصیحت کی درخواست کرنی چاہئے، لیکن یہ رسماً نہ ہو بلکہ حقیقتاً اور عمل کرنے کی نیت سے ہو اور پھر عمل کرنے کی زندگی بھر کوشش کرتا

رہے۔ اور موقعہ محل دیکھ کر ہو۔

حصولِ علم سے اصل مقصد

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عجیب نصیحت فرمائی، وہ نصیحت یہ فرمائی کہ:

تَعَلَّمْ لِتَعْمَلَ بِهٖ وَلَا تَتَعَلَّمْ لِتُحَدِّثَ بِهٖ

کہ علم عمل کرنے کی نیت سے حاصل کرنا چاہئے، علم بگھارنے کے لئے حاصل نہیں کرنا چاہئے یعنی اس نیت سے علم حاصل کرے کہ عمل کروں گا، اس لئے نہیں کہ میں علامہ کہلاؤں گا یا بڑا عالم کہلاؤں گا، اپنی علمیت جتانے کے لئے اور اپنی بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے، اپنے کو علامہ ظاہر کرنے کے لئے علم کا حصول نہ ہو یہ سب نیتیں خراب ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا:

تَعَلَّمْ لِتَعْمَلَ بِهٖ وَلَا تَتَعَلَّمْ لِتُحَدِّثَ بِهٖ

اندازہ لگایئے! کہ جب شروع میں وہ قصہ پیش آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے اندر وعظ کہا اور دورانِ وعظ کسی نے دریافت کرلیا کہ اس وقت سب سے بڑا عالم کون ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ظاہری اعتبار سے یہ فرمایا تھا کہ میں اس وقت اللہ تعالیٰ کے احکام کو سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصلاح کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا، چنانچہ وہ ان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے بھی آخر میں یہی نصیحت فرمائی کہ بھئی علم صرف عمل کرنے کی نیت سے حاصل کرنا چاہئے، حالانکہ حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے کوئی بے جا بات نہیں کہی تھی، یہ نہیں کہا تھا کہ میں بڑا عالم ہوں لیکن صورۃً ایک نامناسب سا اندازہ ہوگیا تھا اس پر یہ سارا اصلاحی واقعہ اللہ پاک کی طرف سے رونما ہوا، اور آخر میں حضرت خضر علیہ السلام نے بھی وہی نصیحت فرمائی، جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لے گئے تھے لہٰذا ہم سب زندگی بھر کے لئے یہ نصیحت اپنے پلے باندھ لیں کہ علم کا مقصد صرف اللہ کو راضی کرنا ہے، اور راضی کرنا موقوف ہے عمل پر، اسی غرض کے لئے علم حاصل کرنا چاہئے نہ یہ کہ آدمی علم پڑھ کر عالم بننے کا دعوی کرنے لگے یا اس لئے علم حاصل کرے تاکہ بڑا عالم مفتی اور قاضی کہلائے، اور لوگ اس کے سامنے جھکیں اور اس کے ہاتھ چومیں اور اس کی جوتیاں اٹھائیں اور اس کی بات سنیں، اگر ان دنیوی اغراض ومقاصد کے لئے علم حاصل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا علم مقبول نہیں۔ اس سلسلہ میں دو احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مَن تعلَّم عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغىٰ بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَايَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِىْ رِيْحَهَا۔

(مشکوٰۃ: ج۱- ص ۳۵)

ترجمہ

جس نے ایسا علم حاصل کیا جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہوتی ہے، اس نے اس مقصد سے علم حاصل نہیں کیا بلکہ صرف دنیاوی ساز وسامان حاصل کرنے کے لئے علم

حاصل کیا تو ایسا شخص جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔

(۲) مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يُصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ۔

(رواه الترمذی بحواله مشكوٰة: ج ١ - ص ٣٤)

ترجمہ

جس نے علم اس لئے طلب کیا تا کہ وہ علماء سے مقابلہ کرے یا بیوقوف لوگوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اللہ پاک ایسے شخص کو جہنم میں داخل کریں گے۔

یاد رکھئے! علم صرف عمل کرنے کے لئے ہوتا ہے، اپنے آپ کو مٹانے کے لئے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بنانے کے لئے ہوتا ہے، اور اس کی اطاعت اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے لہٰذا صرف اور صرف اس نیت سے علم حاصل کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

دینی مدارس کا بنیادی مقصد

- ہندوستان کے چند مکاتبِ فکر
- علومِ شرعیہ کی حفاظت
- اکابرِ امت کے اہم واقعات
- علم وعمل کی جامع شخصیات
- علم وعمل حاصل کرنے کا طریقہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ کی نئی عمارت واقع گلستان جوہر کا افتتاح رجب المرجب ۱۴۲۱ھ میں ختم بخاری شریف کی مبارک تقریب سے کیا گیا اس موقع پر دارالعلوم کراچی سے جناب حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب دامت برکاتہم کو بھی مدعو کیا گیا، حضرت مفتی صاحب نے دینی مدارس کے مقاصد کے موضوع پر طویل بیان فرمایا، یہ بیان ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے پہلے ماہنامہ "الابرار" میں شائع ہوا اور اب مزید افادۂ عام کے لئے "اصلاحی بیانات" (جلد ششم) کا حصہ بنا کر دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان سیدنا و نبینا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علی الہ و اصحابہ و بارک و سلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (صدق اللہ العظیم)

محترم علماء کرام، اساتذۂ کرام، عزیز طلباء وطالبات اور میرے قابلِ احترام بزرگو!

اس وقت اس باسلیقہ، جدید، خوبصورت اور عظیم دینی درسگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہونے پر مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے، دل سے دعا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کو جو ہمارے اکابر میں سے ہیں اور اکابر کی نشانی ہیں، اور اس دینی درس گاہ کے بانی ہیں، جلد صحت کاملہ، عاجلہ، مستمرہ دائمہ عطا فرمائے اور ان کے ساتھ ہمیں بھی صحت عطا فرمائے اور اس دینی تعلیم گاہ کو مزید ترقیات سے نوازیں۔ آمین۔

اس بات کو ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ ہمارے ان مدارس کا بنیادی مقصد صرف درسِ نظامی پڑھنا پڑھانا نہیں بلکہ اس درسِ نظامی کے مطابق باعمل بننا بھی ہے، دارالعلوم دیوبند جس کی طرف ہم اپنی نسبت کرتے ہیں اور اس نسبت کو اپنے لئے قابلِ قدر اور قابلِ شرف سمجھتے ہیں اسکی خصوصیات تو بہت ہیں مگر ان میں سے جو بنیادی خصوصیات ہیں وہ دو ہیں۔

۱۔ اللہ والا پیدا کرنا۔

۲۔ علوم شریعہ کا ماہر بنانا اس کے نمبر دو پر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علوم شریعہ کا ماہر ہونا دراصل ذریعہ ہے جیسے وضو نماز کا ذریعہ ہے لیکن باعمل ہونا مقصود اصلی ہے اس کو یوں سمجھیں کہ جیسے نماز اصل مقصود ہے یہ وضو کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتی اس طرح باعمل ہونا بھی اصل مقصد ہے اور یہ علم کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا لہٰذا معلوم ہوگیا کہ باعمل بننے کے لئے باعلم ہونا ضروری ہے۔

ہندوستان میں چند مکاتبِ فکر

دارالعلوم دیوبند قائم ہونے سے پہلے ہندوستان میں دو طرح کے مکاتبِ فکر پائے جاتے تھے اور اسی کے تحت وہاں کچھ مدارس قائم تھے جن کا مقصد تھا کہ علومِ نقلیہ اور عقلیہ کو پڑھا اور پڑھایا جائے جس میں علومِ عقلیہ غالب اور علومِ نقلیہ مغلوب تھے جبکہ دوسری طرف خانقاہوں کا سلسلہ تھا خانقاہوں کے اندر صرف اصلاح، تربیت اور تزکیہ کی طرف توجہ دی جاتی تھی، علم کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں تھی، یہ دو سلسلے ہندوستان میں ابتدا میں تو غالباً تقسیمِ کار کے طور پر قائم ہوئے تھے مگر وقت گذرنے پر دونوں افراط و تفریط کا شکار ہوگئے۔ مدارس میں علم برائے علم رہ گیا اور خانقاہوں میں طریقت کے نام پر نہ جانے کتنی خلافِ شرع باتیں رائج ہوگئیں بلکہ دین کے نام پر بے دینی عام ہوگئی، غیر مقصود کو مقصود بنا لیا گیا یہ دونوں قسم کے مکاتبِ فکر غلطی پر تھے اور دونوں کی اصلاح کی ضرورت تھی کیونکہ علوم شرعیہ کی بھی ضرورت تھی

اور علوم شرعیہ کے مطابق عمل پیرا ہونے کی بھی ضرورت تھی جس کو طریقت کہتے ہیں، ان دونوں مقاصد کے حصول کی فکر کے ساتھ ایک فکر اور تھی وہ یہ کہ ہندوستان پر اس وقت انگریز قابض ہو چکا تھا جو مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا اور انہیں ہر طرح مغلوب کرنے کی فکر میں تھا اور آج تک اس کی دشمنی مثلِ آفتاب ہمارے سامنے ہے چنانچہ پہلے تو اس کا حربی مقابلہ کیا گیا اور ہمارے اکابر باقاعدہ اس کے خلاف جہاد کے لئے میدان میں اُترے اور شاملی کے میدان تک باقاعدہ دوبدو جنگ ہوئی اور تھانہ بھون سے لے کر شاملی تک کا تمام علاقہ ہمارے اکابر نے فتح کیا اور اس میں اسلامی نظام نافذ کیا لیکن شاملی کے میدان میں جا کر مختلف وجوہ سے یہ جہاد ناکام ہوگیا اور اب مقابلے کی یہ صورت ختم ہوگئی اور دفاع کی صورت سامنے آگئی کیونکہ جب مقابلہ نہ ہو سکے تو پھر اپنا دفاع کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس دفاع میں اپنے دین کی حفاظت سب سے پہلے ہے۔

علومِ شرعیہ کی حفاظت

چنانچہ اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہمارے پاس قرآن وحدیث اور دیگر علوم ہیں اور صدیوں سے ہم انہیں پڑھتے اور پڑھاتے چلے آرہے ہیں اب ہم مغلوب ہو گئے ہیں تو انگریز ان سب کو ختم کردے گا لہٰذا اب ان کی حفاظت کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ فوراً دینی مدارس قائم کئے جائیں اور دنیا سے بالکل منہ موڑ کر، حکومت اور مالداروں سے بالکل رخ پھیر کر فقروفاقے کو اپنے سر کا تاج بنا کر اللہ کی رضا اور اس کے دین کی حفاظت کے لئے علومِ شرعیہ اور دین کو اپنی اصلی حالت میں محفوظ کر کے آئندہ نسلوں تک

پہنچانے کے لئے مدرسے قائم کئے جائیں اس لئے پھر دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کی بنیاد رکھی گئی اور ہمارے اکابر یکسوئی سے علومِ شرعیہ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوگئے مگر اس انداز سے یہ کام شروع فرمایا کہ اس افراط وتفریط کو جو اس زمانے کے مدرسوں اور خانقاہوں میں تھی دور کردیا گیا اور ایسا دارالعلوم قائم فرمایا جو ایک طرف تو دینی علوم کی درسگاہ تھی اور دوسری طرف خانقاہ بھی تھی، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی جو اصل اور قدیم مسجد ہے اس میں دارالعلوم کے سنگ بنیاد کی تاریخ جن الفاظ سے نکلتی ہے وہ آج بھی وہاں کندہ ہیں وہ الفاظ یہ ہیں ''درمدرسہ خانقاہ دیدیم'' ہم نے مدرسے میں خانقاہ دیکھی کہ دن کو یہ مدرسہ اور رات کو خانقاہ ہے، دن کو اسکی درسگاہوں سے قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور رات کو یہ سماں ہوتا ہے کہ کوئی مطالعہ کررہا ہے، کوئی سبق یاد کررہا ہے، کوئی دعا کررہا ہے، کوئی ذکر کررہا ہے، کوئی تلاوت کررہا ہے اور کوئی تہجد پڑھ رہا ہے۔

راہِ اعتدال

بہرحال ہمارے اکابر نے علم اور عمل کے دونوں چراغ روشن کئے اور دونوں کے اندر اعتدال پیدا کیا جو سب سے کٹھن کام ہے، اعتدال نام ہے ''صراط مستقیم'' کا اور صراط مستقیم ہی جنت میں جانے کا راستہ ہے، یہ اعتدال ہمارے اکابر علماء دیوبند اور مشائخ دیوبند کا طرۂ امتیاز ہے کہ اللہ پاک نے انہیں ایسا معتدل مزاج بنایا کہ ایسا اعتدال اور کہیں نظر نہیں آتا، علم کے میدان میں بھی یہ لوگ پہاڑ کی طرح بلند تھے اور میدان عمل میں بھی اپنی مثال آپ تھے، ان کے عمل کے بارے میں کسی نے بہت ہی خوبصورت

بات فرمائی ہے کہ ''یہ صحابی تو نہ تھے لیکن صحابی کا نمونہ تھے۔''

ہمارے مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم کراچی فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جس میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اور صدر مدرس سے لے کر دربان، چوکیدار اور چپڑاسی تک سب ولی کامل تھے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی شان

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت اپنے زمانے کے ابوحنیفہ کہلاتے تھے۔ ابوحنیفہ حضرت گنگوہیؒ کا لقب ہے، حضرت گنگوہیؒ کے فتاویٰ میں ان کی وہی شان جھلکتی ہے جو ایک عظیم الشان فقیہ کی ہوتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مجھ کو قرآن و حدیث میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ایسا نظر آتا ہے جیسے آسمان میں چودھویں رات کا چاند نظر آتا ہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کو حضرت امام صاحبؒ کا مسلک جو اتنا واضح اور روشن نظر آتا تھا یہ گہرے علم کے بعد ہی نظر آسکتا ہے یعنی جو صحیح معنوں میں عالم ہوگا وہ ہی اس کی روح تک پہنچے گا جس کے پاس علم ہی نہ ہو تو اس کو کیا نظر آئیگا اس کیلئے تو چاند ایسا ہو جائیگا جیسے وہ مہینے کی آخری راتوں میں ہوتا ہے کہ خوب تلاش کرنے کے بعد بھی دیکھو تو نظر نہ آئے دنیاوی چاند کو دیکھنے کے لئے تو جسمانی آنکھیں چاہئیں اور حنفی مذہب کو قرآن و حدیث میں دیکھنے کے لئے علمی آنکھیں چاہئیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی شان

دوسرے بزرگ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں ان کے علم و فضل کا کیا ٹھکانہ۔ان کی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں آج بھی موجود ہیں مثلاً "آبِ حیات" حضرت کی اردو میں لکھی ہوئی مایہ ناز تصنیف ہے جو پڑھنے کے لائق ہے لیکن حضرت نانوتوی کی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں ایسی ہیں کہ بے چارے عوام اور عام عالم تو انہیں کیا سمجھیں گے چوٹی کے علماء کا ذہن بھی کچھ دور جا کر غائب ہو جاتا ہے کہ اب حضرت کیا فرما رہے ہیں ان کی یہ کتابیں ہیں تو اردو میں مگر ان کے اندر گہرا علم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ منطق وفلسفہ کی اصطلاحات کا ایسا بے تکلف استعمال ہے جن کا ہمارے ہاں استعمال اور استحضار اب زیادہ معروف نہیں رہا اور وہاں انکی عادت ثانیہ ہے، وہ بے تکلف ان کے مطابق اردو میں کلام فرما رہے ہیں بہرحال آج کے علماء گو کہ ان کے دقیق مضامین کو زیادہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے مگر حضرت نانوتویؒ کی گہری نظر کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت نانوتویؒ کی ایک عجیب وغریب شان یہ بھی تھی کہ جب آپ بیان فرماتے تھے تو بیان کرتے کرتے کبھی درمیان میں کچھ دیر کے لئے ٹھہر جاتے تھے اور چند سیکنڈ کے وقفہ کے بعد پھر دوبارہ بیان شروع فرماتے تھے۔ کسی نے پوچھا حضرت! کیا بات ہے آپ مسلسل بیان نہیں فرماتے، دورانِ بیان آپ وقفہ فرماتے ہیں کیا درمیان میں مضامین کی آمد بند ہو جاتی ہے یا بھول ہو جاتی ہے؟ حضرت نے فرمایا اصل بات یہ ہے کہ جب میں کوئی بات لوگوں کو بتلانا چاہتا ہوں، سمجھانا چاہتا ہوں تو عین اس وقت میرے ذہن میں

اس بات کو سمجھانے کے بیس بیس عنوانات ایک ساتھ آجاتے ہیں کہ اس بات کو میں اس طرح بھی دلنشین کرا سکتا ہوں، اس طرح بھی سمجھا سکتا ہوں، اس طرح بھی بتا سکتا ہوں اس وقت میں سوچنے لگتا ہوں کہ ان میں سے کون سا عنوان اختیار کروں اور کونسا انداز اپناؤں جو لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع اور مفید ہو اس لئے مجھے درمیان میں وقفہ کرنا پڑتا ہے، تو بھائی! یہ علم کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی ہی علامت ہے۔

براہِ راست فیضانِ علمی

ان لوگوں کا چونکہ سرچشمۂ علوم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے تعلق تھا اس لئے کتابوں سے ہٹ کر علم براہِ راست ان کے دل پر وارد ہوتا تھا جیسا کہ حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں: ؎

بینی اندر خود علومِ انبیاء بے کتاب و بے معید و استاد

یعنی جب تمہارا اللہ جل شانہ سے صحیح تعلق قائم ہو جائے گا تو پھر تم اپنے دل کے اندر پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ بغیر کسی استاد اور کتاب کی مدد کے کروگے، اس لئے کہ استاد اور کتاب کی مدد تو بس ایک حد تک ہے اس کے بعد پھر وہ واسطہ ہٹ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے واسطہ قائم ہو جاتا ہے جو کہ سر چشمۂ علوم ہیں جب ان سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو پھر درمیان کے تمام واسطے ختم ہو جاتے ہیں اور پھر براہِ راست منجانب اللہ جو علوم القاء ہوتے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں۔ ایسے القائی علوم میں بعض اوقات کسی آسان تعبیر اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے حضرت نانوتویؒ کے ساتھ یہ صورت پیش آجایا کرتی تھی۔

علم وعمل کے جامع

ہمارے تمام اکابر علماء دیوبند کی یہی شان تھی کہ ایک طرف تو ہر ایک علم کے اندر اپنے اپنے وقت کے امام تھے دوسری طرف عمل میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا، طریقت کی اعلیٰ منزلیں ان حضرات نے طے کیں اور طریقت کی وہ منزل جو مشکل سے سر ہوتی ہے یہ اکابر اس کی انتہاء کو پہنچے ہوئے تھے اور وہ منزل تواضع کی ہے، حقیقی تواضع جس کو فنائیت بھی کہا جاتا ہے طریقت کی وہ منزل ہے جو مشکل سے حاصل ہوتی ہے اور سب سے آخر میں آدمی اس پر فائز ہوتا ہے ورنہ جس طرح علم کی وجہ سے بعض مرتبہ انسان کے اندر بڑائی اور غرور پیدا ہو جاتا ہے ''اللہ بچائے''، اسی طرح اگر سالک، طریقت میں شیخ کامل سے صحیح رہنمائی حاصل نہ کرے اس پر عمل نہ کرے تو بعض مرتبہ وہ اس راستے میں قدم رکھ کر بھی تکبر میں مبتلا رہتا ہے اور جوں جوں وہ آگے بڑھتا ہے بڑائی کا خناس اس کے دماغ میں گھستا چلا جاتا ہے اور وہ اپنے کو بزرگ، اللہ والا اور عابد وزاہد سمجھنے لگتا ہے۔ بہر حال اگر کسی کو اس راستے میں تواضع نہ ملی تو سمجھ لے کہ وہ ابھی تک بالکل کورا اور اس طریق کا محروم ہے اس کو کچھ نہیں ملا۔ اس راہ میں پہلا قدم بھی تواضع ہے اور آخری قدم بھی تواضع ہے اس فنائیت کے بغیر کچھ حاصل نہیں۔ اللہ پاک نے ہمارے ان اکابر کو باوجود علم وفضل کا بحر بیکراں ہونے کے ماشاء اللہ تواضع میں بھی ایسا بنایا تھا کہ ان کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر ان جیسی مثال ملنا مشکل ہے، جس طرح علم وفضل کے اندر یہ اپنی مثال آپ ہیں طریقت وتواضع اور مقام فناء پر فائز ہونے میں بھی یہ اپنی مثال آپ ہیں۔ ان حضرات نے اپنے اندر شریعت وطریقت

دونوں کو جمع کیا ہے اور یہی جامعیت پیدا کرنا ہمارے ان دینی مدارس کا بنیادی مقصد ہے، اس مقصد کو ہمیں ذہن نشین کرنا چاہئے اور اسی کی طرف ہمیں قدم بڑھانا چاہئے، اگر اس راستے پر چلیں گے تو ہم علماء دیوبند کی طرف نسبت کرانے میں حق بجانب ہوں گے اور اگر خدانخواستہ ہم علم تو حاصل کررہے ہیں لیکن ہماری اصلاح نہ ہوئی، تربیت وتزکیہ نہ ہوا، اخلاق نہ سدھرے اور علم ہمارے عمل میں نہ آیا تو ہم اصل مقصود سے ہٹتے چلے جائیں گے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی تواضع

ہمارے ان حضرات میں سے ہر ایک کی تواضع، عاجزی اور انکساری کے اتنے واقعات ہیں کہ ان کے سننے سنانے کے لئے گھنٹوں چاہئیں۔ ایک واقعہ حضرت شیخ الہندؒ کا عرض کرتا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں آیا ہے۔

یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب حضرت شیخ الہندؒ کے علم وفضل کا پورے ہندوستان میں ڈنکا بج رہا تھا اور ہندوستان بھر میں آپ کی شہرت تھی، ہر آدمی آپ سے متاثر اور آپ کا نام لیوا تھا۔ اجمیر کی طرف وہ علماء زیادہ رہتے تھے جو علوم وفنون کو زیادہ اہمیت دیتے تھے، طریقت سے ان کو کوئی خاص لگاؤ نہ تھا ان علمائے کرام تک بھی حضرت شیخ الہندؒ کی شہرت پہنچی، وہاں کے علماء میں حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ بھی تھے انہوں نے جب یہ شہرہ سنا کہ دارالعلوم دیوبند کے اندر ایک ایسی ہستی ہے جس کو شیخ الہندؒ کہا جاتا ہے اور ان کا بڑا چرچا ہے تو انہوں نے سوچا کہ کبھی ان کی

زیارت کرنی چاہئے لہٰذا انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی زیارت کا ارادہ کرلیا چنانچہ ایک مرتبہ انہیں اجمیر سے دیوبند کی طرف آنا تھا اور وہاں سے کہیں اور آگے جانا تھا انہوں نے یہ پروگرام بنایا کہ پہلے دیوبند اتریں اور دو چار گھنٹے حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں گزار کر اور ان سے ملاقات کر کے پھر آگے چلے جائیں چنانچہ یہ ارادہ کر کے وہ اجمیر سے چلے پہلی مرتبہ دیوبند کے اسٹیشن پر پہنچے، گاڑی سے اتر کر تانگے میں بیٹھے اور تانگے والے سے کہا کہ مجھے حضرت شیخ الہندؒ سے ملنا ہے ان کے پاس لے چلیں چونکہ حضرت شیخ الہند دیوبند میں حضرت شیخ الہند کے لقب سے مشہور نہیں تھے بلکہ دیوبند میں بڑے مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے اور شیخ الہند کے لقب سے دوسری جگہ مشہور تھے اس لئے تانگے والے نے کہا کہ حضرت! مجھے شیخ الہند کا تو علم نہیں کہ وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟ ہاں بڑے مولوی صاحب کا گھر جانتا ہوں، مولانا معین الدین صاحب نے کہا کہ مجھے ان ہی کے پاس پہنچا دو! گرمی کا زمانہ تھا اور دوپہر کا وقت تھا تانگے والے نے بڑے مولوی صاحب کے گھر کے دروازے پر تانگہ ٹھہرا دیا۔

مولوی معین الدین صاحبؒ وہاں اتر گئے انہوں نے جا کر دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک صاحب باہر نکلے جنہوں نے تہبند باندھا ہوا تھا جو ناف اور ٹخنوں سے اوپر تھا۔ باقی جسم پر نہ بنیان تھا نہ ٹوپی اور نہ ہی کوئی دوسرا کپڑا تھا چونکہ گرمی کا زمانہ تھا اس لئے وہ صاحب اسی لباس میں باہر تشریف لے آئے، مولوی معین الدین صاحب نے ان سے کہا کہ میں حضرت شیخ الہندؒ سے ملنے آیا ہوں میری ان سے ملاقات کرا دیجئے، ان صاحب نے کہا کہ ہاں میں ابھی ملاقات کراتا ہوں آپ اندر بیٹھک میں

تشریف رکھیں انہوں نے اندر جا کر بیٹھک کھول دی اور انہیں چار پائی پر بٹھا کر خود اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد ٹھنڈا شربت لاکر انہیں پلایا انہوں نے پانی پیا اور کہا کہ میں اجمیر سے آیا ہوں، حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کر کے اگلی گاڑی سے آگے جانا ہے، میں عجلت میں ہوں اس لئے آپ جلد از جلد میری حضرت سے ملاقات کرا دیں انہوں نے کہا انشاء اللہ ابھی ملاقات ہو جائے گی، گرمی کا وقت ہے آپ بے فکر ہو کر آرام کریں، پانی پلا کر وہ اندر گئے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ کھانا لے کر آ گئے، انہیں کھانا کھلایا، وہ درمیان میں بار بار تقاضا کرتے رہے کہ شیخ الہندؒ کو جلدی بلاؤ تا کہ میں ان سے مل لوں اور ان کے انتظار میں مجھے مزید دیر نہ لگے، انہوں نے مولانا معین الدین صاحب سے کہا چونکہ گرمی کا وقت ہے اس لئے آپ لیٹ جائیں اور آرام فرمائیں، اور خود پنکھا لے کر جھلنے لگے کیونکہ وہ مہمان تھے اور مہمان کے آرام کا خیال رکھنا ضروری ہے لیکن مولانا معین الدین صاحب کو غصہ آ گیا اور غصے میں ہی ان سے کہا کہ میں تمہیں کافی دیر سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت شیخ الہندؒ سے ملاقات کراؤ تم کبھی پانی پلا رہے ہو کبھی کھانا کھلا رہے ہو اور اب کہہ رہے ہو کہ لیٹ جاؤ، میں یہاں رہنے کے لیے آیا ہوں یا ملنے کے لیے آیا ہوں؟ میں اتنی دیر سے کہہ رہا ہوں آپ ان سے کیوں میری ملاقات نہیں کراتے ہو؟

اس وقت حضرت نے فرمایا کہ بھئی! شیخ الہند تو یہاں کوئی نہیں ہے، بندۂ محمود مجھے ہی کہا جاتا ہے اللہ اکبر! بس یہ سننا تھا کہ ایسا لگا کہ ان پر بجلی گر گئی ہو کہنے لگے آپ شیخ الہند ہیں؟ اور کہا حضرت جیسا سنا تھا واللہ! آپ کو اس سے بالا پایا، آپ نے اس قدر اپنے آپ کو مٹایا ہوا ہے کہ میں سمجھا یہ گھر کا کوئی نوکر اور خادم ہے، نہ جبہ ہے نہ قبا، نہ عمامہ ہے نہ کوئی شان، میں کسی

پہلو سے بھی میں نہ سمجھ سکا کہ شیخ الہندؒ اس کو کہتے ہیں آپ کے معاملات دیکھ کر میں سمجھا کہ گھر کا کوئی ملازم ہے حضرت! یہ کیا غضب ڈھا دیا آپ نے واللہ! جیسا میں نے سمجھا تھا آپ اس سے بھی بالا ہیں۔

یہ حضرت کی ظاہری تواضع تھی اب باطنی تواضع بھی دیکھ لیں لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ تواضع کتابوں سے اور باب التواضع پڑھنے سے نہیں آتی، صحاح ستہ کی کتابیں ہم پڑھتے ہیں اور ان میں باب التواضع بھی پڑھتے ہیں لیکن بعض مرتبہ تواضع کی ہوا بھی نہیں لگتی اس بارے میں مشہور شعر ہے لیکن معنی خیز ہے۔

کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ایک دین ہے اور ایک علم دین ہے دونوں میں فرق ہے۔ علم دین کتابوں اور اساتذہ کرام سے آتا ہے مگر دین یعنی عمل اہل عمل سے اور اہل تقویٰ سے اور اللہ والوں کی صحبت وخدمت سے آتا ہے۔ تو لیجئے! اب آپ حضرت شیخ الہندؒ کی باطنی تواضع کا حال بھی سن لیں۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا اخلاص

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے استاد ہیں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ''لوگوں نے ان کو ''شیخ الہند'' کا لقب دے کر ان کی ناقدری کی ہے، اتنی بڑی ہستی کو اتنا چھوٹا لقب دیا، یہ تو ''شیخ العالم'' کہلانے کے لائق تھے، نہ کہ ''شیخ الہند''۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں آنے سے پہلے کانپور

کے اندر ایک مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، تقریباً چودہ برس حضرت نے وہاں تدریس کی۔ وہاں یہ حال تھا کہ اطراف کے مقامی علماء، علمائے دیو بند کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، ان کی نظروں میں علمائے دیو بند کی کوئی خاص وقعت نہیں تھی، وہ لوگ علوم عقلیہ کے ماہر مانے جاتے تھے اور علوم نقلیہ قرآن و حدیث سے کچھ زیادہ تعلق نہ تھا، برائے نام ان کے ہاں قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی تھی، وہ لوگ منطق اور فلسفے میں اپنے آپ کو امام سمجھتے تھے جب کہ علمائے دیو بند الحمد للہ دونوں کے ماہر تھے مگر ان کو غلط فہمی تھی کہ علماء دیو بند معقولات نہیں جانتے۔ ہم ہی جانتے ہیں اور اس میں ہمارا کوئی ثانی نہیں، اور یہ لوگ صرف قرآن و حدیث کے علوم ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں ''العیاذ باللہ'' ان کی نظر میں قرآن و حدیث کے علوم جو کہ حقیقی علوم ہیں ان کی وقعت کم تھی اور جو علوم ہی نہیں بلکہ فنون ہیں ان کی وقعت زیادہ تھی اس لیے یہ حضرات علمائے دیو بند کو ذرا کم نظری سے دیکھتے تھے۔

حکیم الامت حضرت تھانوئ چونکہ اندر کے آدمی تھے وہ جانتے تھے کہ ان کو مغالطہ ہو گیا ہے، اگر یہ کبھی ہمارے اکابر میں سے کسی کی تقریر سن لیں تو ان کو پتہ چل جائے گا۔ یہ علوم عقلیہ کے کیسے ماہر ہیں بلکہ یہ تو ایسے ماہر ہیں کہ خود ان کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش تھی کہ کانپور میں کبھی جلسہ ہو اور اکابر علمائے دیو بند تشریف لائیں، خصوصاً حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ بھی تشریف لائیں اور انہی کا بیان بھی ہو، اور خدا کرے ان کے بیان میں منطق اور فلسفے کے موضوع پر کلام ہو تو ان حضرات کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ لوگ صرف منقولات ہی کے ماہر نہیں بلکہ معقولات کے بھی زبردست ماہر ہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خواہش خدا خدا کر کے

پوری ہونے کو آئی کہ کانپور میں ایک جلسہ منعقد ہوا، حضرت شیخ الہند کا آنا بھی طے ہوا اور حضرت تشریف بھی لائے۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا بیان شروع ہوا، جب بیان شروع ہوا تو حضرت تھانوی صاحبؒ فرماتے ہیں میرا یہ جی چاہنے لگا کہ یا اللہ! حضرت علومِ عقلیہ میں سے کسی علم کے خاص موضوع پر کلام فرمائیں جیسا کہ حضرت کا نہایت ہی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ کلام ہوا کرتا ہے اور اسی دوران یہ علماء جو ہمیں (علمائے دیوبند کو) معمولی سمجھتے ہیں، آجائیں اور حضرت کی تقریر سنیں تو ان کے دماغ کے تالے کھل جائیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری یہ خواہش بھی تھوڑی دیر کے لئے پوری کردی کہ حضرت کا بیان کسی اور موضوع پر ہورہا تھا کہ ہوتے ہوتے اسی موضوع پہ چل پڑا اور حضرت تو جس موضوع پر کلام فرماتے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے علم و معرفت کا دریا بہہ رہا ہے، حضرت علومِ عقلیہ پر کلام کرنے لگے ایسا لگ رہا تھا جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، میں نے ادھر ادھر دیکھا کہ یہ لوگ ابھی آجائیں تو اچھا ہو، خدا کی شان کہ تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ان کی پوری جماعت جلسے میں حضرت کا بیان سننے کے لیے آرہی ہے، میرا دل باغ باغ ہوگیا کہ ان لوگوں کو علمائے دیوبند سے جو غلط فہمی ہے وہ دور ہوجائے گی اور جن کے اعتقاد کمزور ہیں اگر معتقد نہ بھی ہوئے تو انہیں کم از کم اتنا تو پتہ چل جائے گا کہ عقلی علوم صرف ہم ہی نہیں جانتے، کوئی اور بھی جانتا ہے اور علمائے دیوبند صرف منقولات ہی کے نہیں معقولات کے بھی امام ہیں، اب کیا ہوا کہ جیسے ہی یہ لوگ جلسہ گاہ میں داخل ہوئے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ان پر پڑی تو حضرت نے اپنا بیان ختم کردیا اور وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین فرما کر نیچے

اتر گئے۔ میں حیران رہ گیا کہ یا اللہ! یہی تو وقت تھا بیان کرنے کا اور اس وقت حضرت نے بیان ختم کر دیا۔ میری خلش جیسی تھی دل میں ویسی کی ویسی ہی رہ گئی۔ میں اندر ہی اندر بڑا تڑپا کہ یا اللہ! حضرت نے یہ کیا کیا کہ وہ لوگ آئے تھے اور حضرت کا بیان بھی اسی موضوع پر ہو رہا تھا کہ اچانک آپ خاموش ہو کر کرسی سے نیچے تشریف لے آئے، اس وقت تو بات کرنے کا موقع تھا کیونکہ سب جلسے میں بیٹھے ہوئے تھے، جب حضرت کے ساتھ تنہائی میں ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ حضرت اتنے دنوں کے بعد میری آرزو پوری ہونے والی تھی اور بیان کا وقت بھی ابھی آیا تھا جب وہ جلسہ گاہ میں آئے تھے اور عین اس وقت آپ نے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین فرما دیا۔ حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے ذہن میں بھی یہ بات آ گئی کہ بیان کا وقت یہی ہے، میں اسی لئے بیٹھ گیا تھا کہ اب یہ بیان علم بگھارنے کے لئے ہوگا اللہ کے لئے نہیں ہوگا اللہ اکبر! اور فرمایا میرے دل میں یہ آیا کہ اب یہ بیان ان کے لئے ہوگا اللہ کے لئے نہیں ہوگا اس لئے میں نے وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین کہہ دیا کہ میں تو اللہ کی رضا کے لیے بیان کر رہا تھا، جب تک اللہ کی رضا کے لئے ہوا وہ صحیح ہوا جب یہ لوگ آ گئے تو اس خیال کی وجہ سے اللہ کے لئے خالص نہ رہا تو میں کیسے بیان کر دیتا۔

یہ ان حضرت کے دل کا حال ہے، ہمارے تمام علمائے دیوبند اسی اخلاص کا پیکر تھے لیکن یہ خلوص صرف ''باب الاخلاص'' پڑھنے سے نہیں آتا بلکہ یہ اللہ والوں کی صحبت وخدمت سے حاصل ہوتا ہے یہ تھے ہمارے اکابر علماء دیوبند جنہوں نے علم وعمل دونوں کو جمع کیا، ہمیں بھی دونوں میں ماہر

ہونے کی ضرورت ہے علم کے اندر بھی اور عمل کے اندر بھی اکابر علمائے دیو بند کے بارے میں کسی نے خوب کہا ہے کہ:

''یہ صحابی تو نہ تھے مگر صحابی کا نمونہ تھے۔''

ایسا ہمیں بھی ہونے کی ضرورت ہے لیکن حال یہ ہے کہ دونوں کے اندر نہایت کمزوری آچکی ہے بلکہ علم سے جو مقصود ہے یعنی عمل اس میں تو اکثر معاملہ صفر ہے العیاذ باللہ۔ جب عمل صفر ہے تو علم بھی صفر ہو رہا ہے، اس لئے علم کی لائن بھی کمزور سے کمزور تر ہو رہی ہے، یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں بلکہ حضرت کی بات اور حضرت ہی کے ارشادات کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔

بانیٔ دارالعلوم کراچی سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ''اب ہمارے مدرسے بانجھ ہوگئے ہیں۔'' بانجھ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہوتی ہو، جب کہ نکاح کا بڑا مقصد نیک اولاد حاصل کرنا ہے۔ ان مدرسوں کا مقصد اولیاء اللہ پیدا کرنا ہے اور بغیر عمل کے اللہ والا ہو ہی نہیں سکتا، آج کل کے پڑھنے والے عملی تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اس لئے ولایت اور قرب سے محروم رہتے ہیں، اسی بناء پر حضرت مدارس کو بانجھ ہونا فرماتے تھے۔ ہمارے اکابر نے علم و عمل دونوں کو جمع کیا، اسی کی ضرورت اب بھی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کا مقصد

چنانچہ حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے دارالعلوم کراچی اس لئے قائم کیا ہے کہ یہاں سے اللہ والے پیدا ہوں، محض اس لئے نہیں کہ یہاں سے کوئی بہت بڑا محقق پیدا ہو، کیونکہ محقق تو بہت پیدا ہو رہے ہیں اور ہم

ایسا محقق پیدا کر بھی نہیں سکتے جیسا دنیا کے اندر یہود ونصاریٰ اور مشرکین پیدا کر رہے ہیں، وہ لوگ قرآن کریم اور احادیث کی شرحیں لکھ رہے ہیں اور ایسی لکھ رہے ہیں کہ شاید ہم بھی نہیں لکھ سکتے مگر پھر بھی بڑے کافر اور اسلام کے دشمن ہیں اس لئے اصل مقصد محض محقق پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد اللہ والا پیدا کرنا ہے کہ وہ عالم بھی ہو اور ساتھ ساتھ باعمل بھی ہو، اب ان مدرسوں سے اللہ والے پیدا ہونا بند ہو گئے ہیں۔

عمل بھی سیکھیں

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے تھے کہ علم وعمل دونوں سگے بھائی ہیں، جس جگہ علم آتا ہے وہ آکر اپنے بھائی عمل کو آواز دیتا ہے اگر وہاں عمل ہوتا ہے تو علم بھی وہاں ٹھہر جاتا ہے اگر عمل نہیں ہوتا تو فرمایا کہ پھر علم بھی وہاں سے چلا جاتا ہے یعنی علم نافع نہیں رہتا کیونکہ دونوں سگے بھائی ہیں اکٹھے ہی رہیں گے، اکیلے نہیں رہ سکتے اس لیے ان مدارس میں اس بات کی اشد ضرورت ہے جس طرح ہم یہاں علم پڑھتے جاتے ہیں اس کے ساتھ عمل بھی سیکھیں اور سکھائیں۔

ماشاء اللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے اس کا اہتمام کیا ہوا ہے کہ مدرسہ اور خانقاہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرمائیں اور جو مقصود ہے وہ حاصل ہو۔ اسی طرح الحمد للہ ہمارے یہاں دار العلوم کراچی میں بھی اللہ پاک نے ایسا ہی فضل وکرم فرمایا ہوا ہے کہ وہاں بھی جہاں ایک طرف علم وفضل کی بہاریں ہیں تو دوسری طرف خانقاہ کا رنگ بھی الحمد للہ قائم ودائم ہے جو سب بانی دار العلوم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا

فیض ہے۔

علم وعمل کے لیے محنت کی ضرورت

جس طرح علم حاصل کرنے کے لیے وقت، محنت اور مال خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح عمل حاصل کرنے کے لیے بھی ان تینوں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ اپنے ساتھ انتہائی درجے کی ناانصافی ہے کہ درس نظامی کو پڑھنے کے لئے تو آٹھ سال یا سولہ سال لگاتے ہیں تاکہ یہ علوم شریعہ ہمیں حاصل ہوں اور ہم عالم بن جائیں لیکن باعمل بننے کی خصوصی تربیت کے لئے آٹھ ماہ یا آٹھ عشرے یا ایک چلہ بھی نہیں لگاتے تو بتلاؤ جب علم کے لیے ہم نے آٹھ سال یا سولہ سال قربان کئے اور عملی تربیت کے لیے آٹھ مہینے بھی خرچ نہ کئے تو عمل کس طرح آئے گا، جس طرح محض آٹھ مہینے میں درس نظامی حاصل نہیں ہوسکتا اسی طرح یہ بات یاد رکھئے کہ عمل بھی ہمارے پاس آٹھ مہینے نہ لگانے کی صورت میں نہیں آسکتا اور پھر اس کے بعد ہم یہ کہیں کہ اللہ کی رضا کے لئے پڑھ رہے ہیں اور اعدادیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک ہم ہر سال یہی نیت کرتے اور کراتے ہیں کہ اللہ کی رضا کے لئے پڑھ رہے ہیں تو بھئی اللہ کی رضا کے لئے پڑھنے کا کیا مطلب ہوا؟ اللہ کی رضا تو محض پڑھنے سے حاصل نہیں ہوگی بلکہ پڑھ کر اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوگی، آخر کب تک ہم اپنے آپ کو عمل سے غافل رکھیں گے، کیونکہ عمل کرنے کے لئے ہم نے نہ کوشش کی، نہ وقت نکالا، نہ محنت کی اور نہ ہی مال خرچ کیا تو صرف خالی تمنا کرنے سے عمل ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہی تمنا اگر ہم گھر بیٹھ کر علم کے لئے کرتے تو کبھی بھی عالم نہ بنتے۔

یاد رکھئے! آٹھ سال اس طریقے سے لگانے کے بعد اگر عمل کے بارے میں یہی آرزو رہی تو پھر آٹھ کو دس میں ضرب دے کر اسی سال بھی ہو جائیں تو بھی عمل کی حالت صفر ہی رہے گی کیونکہ آرزو اور تمنا سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ عمل کو حاصل کرنے کے لئے عزمِ مصمم اور جہد مسلسل شرط ہے جیسے عالم بننے کے لئے مذکورہ چیزوں کی ضرورت ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا درد بھرا ارشاد

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کا ایک ملفوظ میں نے پڑھا ہے، حضرت بڑے درد سے فرماتے تھے کہ:

> ''اے مدرسوں کے پڑھنے والے طلباء! تم علم حاصل کرنے کے لئے آٹھ سال اپنے پاس سے نکالتے ہو، عمل کے لئے کم از کم آٹھ مہینے ہی نکال لو اور میری خانقاہ میں آجاؤ''۔

رمضان شریف کا مہینہ جو خالص توجہ الی اللہ کا مہینہ ہے اس مقدس مہینے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے ہاں لوگوں کی اصلاح کے لئے شامیانہ لگ جاتا تھا اس لئے کہ مدارس کے علماء وطلباء اس زمانے میں چھٹیاں ہوتے کی وجہ سے بکثرت حضرت کی خدمت میں اصلاح کے لئے حاضر ہوتے تھے اور خانقاہ چھوٹی پڑ جاتی تھی اور شامیانہ لگانے کی ضرورت پیش آجاتی تھی اور حضرت اپنی یکسوئی قربان کر کے ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے کہ چلو ان چھٹیوں کے زمانے میں انہیں کچھ حاصل ہو جائے۔

علم و عمل حاصل کرنے کا طریقہ

محترم بزرگو، عزیز اساتذہ، طلباء اور طالبات! اگر ہم علمائے دیوبند سے وابستہ ہیں اور اکابر علمائے دیوبند سے ہمارا تعلق ہے تو اس تعلق کا حاصل یہ ہے کہ ہم دو باتوں کو اختیار کریں۔

(۱) علم حاصل کرنے میں تن من دھن قربان کردیں اور اس میں کامل مہارت حاصل کریں اور اپنے اندر پوری صلاحیت پیدا کریں جس کی آج کل شدید ضرورت ہے۔

(۲) اس سے کہیں زیادہ تن من دھن باعمل بننے میں قربان کریں۔ لہٰذا درجۂ اعداد یہ ہی سے ہمیں عمل کی کوشش شروع کردینی چاہئے تاکہ جب ہم دورۂ حدیث سے فارغ ہوں تو علم و عمل دونوں کے جامع ہوں۔ ہمارے تمام اکابر علمائے دیوبند کو اس وقت سے لے کر شروع کے اس دور تک جس کا میں نے ابتدا میں تذکرہ کیا تھا انشاء اللہ آپ ان کو ایسا ہی پائیں گے کہ علم کے اندر بھی اللہ پاک نے انہیں اپنی مثال آپ بنایا تھا اور عمل میں بھی انکا کوئی ثانی نہیں تھا اور طریقہ یہی ہے کہ اس کے لئے محنت اور کوشش ہو کیونکہ بغیر محنت اور کوشش کے کچھ نہیں ہوسکتا۔

ان ہی کلمات پر میں اکتفاء کرتا ہوں اور آپ سے اپنے لئے دعا چاہتا ہوں کہ اللہ پاک نے جن بزرگوں کی یہ باتیں کہنے کی توفیق عطاء فرمائی

ہے ان کے علمی وعملی کمالات میں سے کوئی ذرہ اپنے فضل سے مجھے بھی عطاء فرمادیں اور آپ کو بھی عطا فرمادیں اور ہم میں سے کوئی بھی اس سے محروم نہ رہے آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

شیخ سے تعلق کی ضرورت
اور
فائدے

- بیعت سے اصل مقصد
- شیخ سے خط و کتابت
- شیخ سے تعلق کے فوائد
- شیخ کی صحبت کا اثر
- امام رازی کا ایمان افروز واقعہ

حضرت اقدس مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم العالیہ
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر
مکتبۃ الاسلام کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہٗ ورسولہٗ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا۔

اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم
یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصدقین (صدق اللہ العظیم)
(التوبۃ - ۱۱۹)

میرے قابل احترام بزرگو!

اللہ پاک نے ہمیں جن بزرگوں سے وابستہ فرمایا ہے ان کی ہمیں بہت ہی زیادہ قدر کرنی چاہئے اور ان سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا چاہئے، پھر بعد میں سوائے افسوس کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ جتنے بھی بزرگ گزر گئے ہیں ان میں سے بہت ہی کم بزرگوں کا نعم البدل حاصل ہوا ہے، ورنہ ابتک ان کی وہ جگہیں خالی پڑی ہیں۔ جب تک یہ نعمت حاصل تھی اس وقت تک اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا مگر جب یہ نعمت چھن گئی تو اب

کفِ افسوس ملنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اس لئے بھئی! جن حضرات وخواتین کو جن بزرگوں سے نسبت حاصل ہے اور ان سے ان کا اصلاحی تعلق اور رابطہ ہے تو وہ اپنے اس تعلق کو قوی سے قوی تر کر کے زیادہ سے زیادہ مستفید اور فیضیاب ہوں کیونکہ اس کے بغیر عمل کا حاصل ہونا مشکل ہے، اسی کے بارے میں یہ شعر ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے ہے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہ دین اللہ والوں کی صحبت وخدمت سے ہی حاصل ہوتا ہے اور خدمت وصحبت کے دو طریقے ہیں۔

مجالس میں شرکت

خدمت وصحبت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ والوں کی مجلس میں جا کر بیٹھیں اور ان کا وعظ و درس اور ان کی باتیں سنیں، بلاشبہ یہ بھی بے حد نافع اور مفید ہے اور ضروری بھی ہے اور ان سے مستفید ہونے کا ایک طریقہ بھی ہے لیکن اس میں عام مضمون بیان ہوتا ہے جس کا عمومی فائدہ ہوتا ہے۔

خط وکتابت سے رابطہ

خدمت وصحبت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص کو جس بزرگ سے تعلق ہو وہ ان کی ہدایت کے مطابق اپنا ذاتی حال زبان یا خط وکتابت کے ذریعے ان کی خدمت میں پیش کرے۔ یہ طریقہ بھی بے حد ضروری ہے کیونکہ اس طریقے کے مطابق انسان کی شخصی حالت کی اصلاح اور انفرادی

تربیت اور تزکیہ ہوتا ہے اور ہر آدمی کی انفرادی طور پر اصلاح اور تربیت و تزکیہ تب ہی ہوسکتا ہے جب وہ یہ طریقہ اپنائے، اور ہماری اصل ذمہ داری بھی یہی ہے جو فرضِ عین کے درجے میں ہے، لہٰذا ہمارا اپنے شیخ سے یا کسی بھی بزرگ، متبعِ سنت، متبعِ شریعت اور اللہ والے سے خصوصی رابطہ ہونا چاہئے۔

اللہ والوں سے تعلق ضروری ہے

اسی خصوصی رابطے یا تعلق کو یا عمومی رابطے کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ اپنے مواعظ میں فرضِ عین فرماتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ تعلق فرضِ عین ہے کیونکہ ایمان کا بچانا اور اس کی حفاظت فرضِ عین ہے اور ہم سب پر اپنے اپنے ایمان کی حفاظت فرضِ عین ہے جیسے ایمان لانا فرض ہے ایسے ہی اس کی حفاظت بھی فرض ہے جب اس کی حفاظت فرض ہے تو جو اس ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہوگا وہ بھی فرض ہوگا۔

ایمان کی حفاظت کا ذریعہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے دور میں فرماتے تھے کہ اس دور میں ایمان کی حفاظت کا واحد ذریعہ اللہ والوں کی صحبت اور ان سے اپنا اصلاحی تعلق اور رابطہ ہے، اب یہ رابطہ عام درجے کا ہو یا خاص درجے کا، دونوں ہی ضروری ہیں، اس لئے فرمایا کہ کسی نہ کسی اللہ والے سے ہمارا رابطہ رہنا ضروری ہے کہ یہ ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور اس رابطے میں یہ ہو کہ ہم جو کچھ کریں ان سے پوچھ کر کریں، اپنی رائے اور مرضی سے کچھ نہ کریں ان کے مشورے کو مقدم رکھیں اور ان کی خدمت وصحبت اور ان کی مجالس میں آتے جاتے رہیں اور اخلاص کے ساتھ، صرف اللہ کے لئے ان سے محبت

رکھیں تو اس تعلق اور رابطے کا ادنیٰ فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ایمان کی حفاظت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے بڑے درجات ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں، جیسے کسی نے کہا کہ:

عبث ہے جستجو بحرِ محبت کے کنارے کی

بس اس میں ڈوب جانا ہی ہے اے دل پار ہو جانا

کہ اللہ کی محبت تو وہ بحرِ بیکراں ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں جتنا کوئی قریب پہنچا اس کے آگے اتنا ہی لامتناہی سلسلہ اور نظر آیا کیونکہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ایسے ایسے قلبی احوال عطا فرماتے ہیں اور ایسے ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اپنی محبت ایسی عطا فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، جتنا کوئی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے وہ اپنے آپ کو اتنا ہی پیچھے محسوس کرتا ہے۔

ایمان سب سے بڑی نعمت ہے

بہرحال اللہ والوں سے تعلق و رابطے اور ان کی خدمت وصحبت کا ادنیٰ فائدہ اور درجہ یہ ہے کہ اللہ پاک اس کا ایمان بچا دیتے ہیں اور اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت ایمان ہی ہے اور اس کی قدر و حفاظت بھی اتنی ہی زیادہ ہونی چاہئے۔ جو مؤمن دنیا سے اپنا ایمان سلامتی کے ساتھ قبر میں لے جاتا ہے وہ بہت ہی بڑی کامیابی سے ہم کنار ہو جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ کوئی مرد یا عورت اس دنیا سے اس حال میں گیا کہ اس کا ایمان نہیں رہ گیا اور وہ بغیر ایمان کے قبر میں چلا گیا تو پھر اس سے بڑی مصیبت، آفت اور ہلاکت وعذاب کی کوئی چیز نہیں ہے۔

اللہ والوں کی صحبت کی برکت سے ایمان کے بچ جانے کے بڑے عجیب وغریب قصے ہیں۔انہیں میں سے ایک قصہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

امام رازی رحمہ اللہ کی تلاش اور جستجو

یہ قصہ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو میں نے کسی بزرگ سے سنا ہے یا حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں پڑھا ہے۔ امام رازیؒ جب تمام علومِ نقلیہ وعقلیہ جو انہوں نے لمبے لمبے سفر کر کے اور اپنے مشائخ سے دور دراز کے علاقوں میں جا کر حاصل کئے تھے فارغ ہو گئے تو انہوں نے ایک سفر اللہ والوں کی صحبت وخدمت میں رہنے کے لئے بھی کیا۔ یہ سفر اس لئے کیا کہ اب کسی اللہ والے کی صحبت تلاش کریں تا کہ ان کی خدمت وصحبت میں جا کر اپنی اصلاح کرا سکیں اور جو کچھ پڑھا ہے اس کو اپنے عمل میں لا سکیں، کیونکہ جس طرح علم کتابوں اور استادوں سے سیکھا جاتا ہے اسی طرح عمل اللہ والوں سے سیکھا جاتا ہے،اور اللہ والے تربیت کے ماہر ہوتے ہیں،انہیں کی خدمت وصحبت میں رہنے سے یہ علومِ ظاہری عمل میں آتے ہیں اور یہ معلومات پھر معمولات میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور آخرت میں نجات اور کامیابی کا دارومدار بھی معمولات پر ہے معلومات پر نہیں۔ بہر حال امام رازی رحمہ اللہ اپنی تمام معلومات کو معمولات میں تبدیل کرنے کے لئے باعمل اولیاء اللہ کی صحبت کو تلاش کرنے کے لئے نکلے اور اس کے لئے انہوں نے ایک طویل سفر فرمایا، مختلف بزرگوں کے پاس تشریف لے گئے، ہر ایک کے پاس کچھ وقت گزارا لیکن کہیں بھی کسی بزرگ سے مناسبت نہ ہوئی تو

وہاں سے چل دیئے۔

شیخ سے مناسبت ضروری ہے

اس باطنی اصلاح اور تربیت کے لئے مزاج میں یکسانیت، یگانگت اور مناسبت شرطِ لازم ہے، جب تک آپ کو کسی بزرگ سے قلبی مناسبت نہیں ہوگی اس وقت تک آپ کو باطنی نفع نہیں ہوگا اور آپ ان سے فیض یاب نہیں ہوسکیں گے اگر چہ وہ بزرگ مرتبے میں حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت شبلیؒ، حضرت جلال الدین رومیؒ اور شیخ فرید الدین عطارؒ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں، اگر آپ کا دل ان سے نہیں ملتا، ان سے آپ کو مناسبت نہیں اور ان کی باتیں دل کو نہیں لگ رہیں تو آپ کو ان سے فائدہ نہیں ہوگا۔ اس کے مقابلے میں اگر کوئی بزرگ ظاہری طور پر گو معمولی درجے کے ہوں اور ان سے آپ کو قلبی مناسبت ہے اور ان کی باتیں دل کو لگتی ہیں تو ان سے آپ کو باطنی نفع اور فائدہ حاصل ہوگا۔

مناسبت کی علامت

بہر حال اصلاح و تربیت اور تزکیہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس بزرگ سے آپ اصلاحی رابطہ اور تعلق قائم کرنا چاہتے ہوں، آپ کا دل ان سے ملا ہوا ہو جس کی علامت یہ ہے کہ اس کی ہر بات آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہو، ان کی باتیں آپ کے دل میں اترتی ہوں اور آپ کے دل میں اثر پیدا ہوتا ہو، دنیا سے دل ہٹتا ہو اور آخرت کی طرف مائل ہوتا ہو۔ غرض یہ کہ ان کی ہر ادا آپ کو بھاتی ہو اور انہیں بھی اسی طرح آپ سے محبت اور تعلق ہو، جب دونوں طرف سے یہ مناسبت ہو جاتی ہے، مزاج مل جاتا ہے تو پھر باطنی

نفع شروع ہو جاتا ہے اور تربیت شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں آنا شروع ہو جاتی ہے۔

ایک بزرگ سے مناسبت

بہر حال! امام رازیؒ کئی بزرگوں کے پاس گئے، انہیں جب کہیں بھی مناسبت معلوم نہ ہوئی تو انہیں یہ مایوسی شروع ہوگئی کہ شاید میری قسمت میں کوئی ایسا بزرگ نہیں ہے کہ جس سے میرا مزاج ملے اور ان کا مجھ سے مزاج ملے اور اس طرح پھر میرا باطنی نفع اور فائدہ شروع ہو تو وہ اسی کشمکش میں تھے کہ کسی نے انہیں ایک جگہ کسی بزرگ کے بارے میں بتایا کہ آپ وہاں بھی جا کر دیکھ لیں شاید آپ کی اصلاح ان سے ہو جائے تو حضرت امام رازیؒ وہاں تشریف لے گئے جب یہ وہاں پہنچے اور کچھ دن ان کے ہاں قیام کیا تو انہیں اپنے مزاج میں کچھ مطابقت محسوس ہوئی تو انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ بس اب یہیں رہ کر ان بزرگ سے استفادہ کر کے اپنی اصلاح و تربیت اور تزکیہ کرانا ہے اور انہیں سے اخلاق و اعمال کی عملی تعلیم حاصل کرنی ہے، چنانچہ یہ سوچ کر وہ وہیں رک گئے اور مزید کچھ دن گزرنے کے بعد انہوں نے جب یہ محسوس کیا کہ مناسبت اچھی خاصی ہے تو امام رازی رحمہ اللہ نے ان بزرگ سے بیعت ہونے کی درخواست کر دی۔

بیعت میں عجلت مناسب نہیں

پہلے زمانے میں بزرگ فوراً بیعت نہیں کرتے تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں بھی یہی طریقہ رہا ہے کہ کوئی ان

کے سلسلے والوں سے بیعت ہونے کی درخواست کرتا تو وہ فوراً بیعت نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے وہ اس بات کا اندازہ کرتے کہ یہ شخص جو بیعت کے لئے درخواست کر رہا ہے آیا اس کے اندر طلب بھی ہے یا نہیں؟ کہیں رسمی طور پر تو بیعت نہیں ہو رہا یا نمود ونمائش تو اس کا مقصد نہیں ہے؟

بیعت کے مروّجہ مقاصد

ہمارے ہاں آج کل رسمی طور پر بیعت ہونے کا بہت رواج ہے کہ بس بھئی صرف بیعت ہو جاؤ، یہاں صرف رسماً ہی بیعت نہیں ہوتے بلکہ دنیاوی مقاصد کے لئے بھی بیعت ہوتے ہیں مثلاً کسی کا کاروبار نہیں چل رہا تو لوگ اس کو مشورہ دیتے ہیں کہ کسی اللہ والے سے بیعت ہو جاؤ تمہارا کاروبار چمک جائے گا حالانکہ بیعت ہو جانے کا کاروبار کے چمکنے سے دور کا بھی تعلق نہیں کہ بیعت ہوتے ہی آمدنی میں اضافہ ہو جائے گا یہ قطعاً لازمی اور ضروری نہیں ہے، بہر حال اب یہ شخص ضد کرے گا کہ حضرت! مجھے بیعت کرلیں، میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں اور آپ کے قدموں میں رہنا چاہتا ہوں وغیرہ وغیرہ، حالانکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ کاروبار چمک جائے، مقدمہ جیت جاؤں، دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہو جائے اور دنیا کے تمام کام درست ہو جائیں۔

بیعت ہونے کا دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب لوگوں کے درمیان میں بیٹھوں اور لوگ پوچھیں کہ تمہارا کس سلسلے سے تعلق ہے تو میں یہ کہہ سکوں کہ میں بھی صاحب سلسلہ ہوں اور فلاں سلسلے سے میرا تعلق ہے مثلاً میں نقشبندی یا قادری سلسلے سے تعلق رکھتا ہوں وغیرہ۔ اس مقصد میں بھی دنیا کی

بڑائی، ناموری اور ریا مقصود ہے اللہ کی رضا ہرگز مقصود نہیں ہے۔

سچی طلب کے بعد بیعت کرنا

اس لئے حضرت تھانویؒ پہلے یہ دیکھتے کہ یہ کس غرض کے لئے بیعت ہو رہا ہے آیا یہ واقعی اپنی اصلاح چاہتا ہے یا برائے نام بیعت ہونے پر اصرار کر رہا ہے اور یہ بھی لازمی طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مناسبت بھی ہے یا نہیں کیوں کہ جب مناسبت ہی نہیں ہوگی تو پھر دس برس ہی کیوں نہ گزر جائیں قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہوگا، پھر جب یہ حضرات یہ دیکھ لیتے کہ اس میں واقعی سچی طلب ہے اور خالصتاً اللہ کی رضا چاہتا ہے اور اللہ کی رضا کی خاطر ہر قربانی دینے کو تیار ہے تو پھر وہ بیعت فرما لیتے۔ اسی کے بارے میں یہ شعر ہے:

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے

ایک اور شعر بھی اسی مقصد و مفہوم کو واضح کرتا ہے:

خون کی موجیں گزر جائیں نہ کیوں
آستانہ میں نہ چھوڑوں گا مگر

بہر حال اللہ والے جب یہ جذبہ دیکھتے ہیں تو پھر بیعت کر لیتے ہیں۔

ظاہری علوم کا نکلنا

لہٰذا امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان بزرگ سے بیعت ہونے کی درخواست کی تو ابتداءً حسب معمول انہوں نے انکار کر دیا یہ دیکھنے کے لئے ان

میں تڑپ کیسی ہے اور یہ کہ مناسبت بھی ہے یا نہیں؟ مگر جب امام رازیؒ بار بار اصرار کرتے رہے تو شیخ نے یہ اندازہ لگالیا کہ ان میں واقعی طلب صادق ہے اور واقعی یہ اخلاص سے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور اپنے علم کو عمل میں لانے کے لئے اپنا اصلاحی تعلق ورابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے امام رازیؒ کی درخواست قبول کرلی اور امام رازیؒ کو ایک خاص وقت بتا دیا کہ فلاں وقت میں میری خانقاہ آجائیں میں تمہیں بیعت کرلوں گا۔ چنانچہ امام رازیؒ وقتِ مقررہ پر پہنچ گئے۔ ان بزرگ نے انہیں اندر بلا لیا اور دروازہ اندر سے بند کر کے امام رازیؒ کو اپنے سامنے بٹھالیا اور پھر ان کے دل پر توجہ دینا شروع کی۔ دورانِ توجہ کچھ دیر کے بعد امام رازیؒ نے ایسا محسوس کیا ان کے سینے سے کوئی چیز اس طرح نکل رہی ہے جیسے تیز ہوا چلتے وقت کتاب کے اوراق سے پھڑ پھڑانے کی آواز نکلتی ہے انہوں نے جب یہ محسوس کیا کہ سینے اور دل سے کچھ نکل رہا ہے تو گھبرا کر عرض کیا حضرت مجھے عجیب سی کیفیت لاحق ہو رہی ہے اور ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ میرے سینے سے کوئی چیز نکل رہی ہے، حضرت! یہ کیا ہے؟

باطنی علوم کی آمد

شیخ نے فرمایا کہ جو علومِ ظاہرہ تم پڑھ کر آئے ہو وہ نکل رہے ہیں جب یہ ظاہری علوم نکل جائیں گے تو پھر تمہارے دل میں باطنی علوم آئیں گے، اسی کی طرف حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ نے یوں اشارہ

فرمایا ہے:

بنی اندر خود علوم انبیاء
بے کتاب و بے معید و اوستا

فرمایا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے تعلق سے فیض یاب ہو جاؤ گے تو پھر بغیر کسی کتاب و استاد کی مدد اور پیغمبرانہ علوم کا مشاہدہ کرو گے کیوں کہ اب تمہارا براہِ راست سرچشمۂ علوم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سے رابطہ ہو گیا لہٰذا اب براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے علوم تم پر اتریں گے۔

بیعت سے انکار

بہر حال شیخ نے امام رازیؒ سے کہا کہ میں باطنی علوم کے لئے تمہارے دل کو فارغ کر رہا ہوں جن کو حاصل کرنے کے لئے تم یہاں آئے ہو۔ اس کے جواب میں امام رازیؒ نے عرض کیا کہ حضرت! یہ علوم میں نے لمبے لمبے سفر طے کر کے حاصل کئے ہیں، بہت فاقے برداشت کئے ہیں اور ان علوم کے حصول کے لئے بہت محنتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں بہت سی مشکلات سے گزر کر میں نے یہ علوم حاصل کئے ہیں اور آپ چند لمحات میں انہیں صاف کر رہے ہیں۔

حضرت! یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا اگر ان علوم کے رہتے ہوئے آپ بیعت فرمالیں اور توجہ فرمادیں تو ٹھیک ہے، ورنہ میں آپ سے معذرت خواہ ہوں، میں اس طریقے سے آپ سے بیعت نہیں ہوتا کہ پہلے آپ میرے ان علوم کو نکالیں جو میں نے بڑی محنتوں سے حاصل کئے ہیں اس

لئے آپ میرے ان علوم کو یہیں رہنے دیں۔

شیخ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں جو کچھ نکل رہا ہے اسے نکلنے دو، انشاء اللہ تم کورے نہیں رہو گے اور تم نے بیعت کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو اب بیعت ہو جاؤ مگر امام رازیؒ نے کہا کہ نہیں حضرت! مجھے یہ برداشت نہیں کہ آپ میری برسوں کی محنت ذرا سی دیر میں ختم فرمادیں اور میرے تمام علوم کو خارج فرمادیں، شیخ نے پھر اصرار کیا کہ نہیں تمہارے لئے اسی میں بہتری ہے کہ تم بیعت ہو جاؤ مگر امام رازیؒ نہ مانے۔ اب ایک وقت تو وہ تھا جب امام رازیؒ بیعت ہونے کے لئے اصرار فرمارہے تھے اور شیخ انکار کر رہے تھے اور اب شیخ کہہ رہے ہیں کہ بیعت ہو جاؤ بیعت ہو جاؤ اور وہ انکار کر رہے ہیں کہ میں بیعت نہیں ہوتا۔

شیخ نے فرمایا! مجھ سے بیعت ہونے کے لئے تو یہ شرط ہے کہ پہلے ان علومِ ظاہرہ کو نکلنے دو اور تم اس کے لئے تیار نہیں ہو تو اب تمہاری مرضی ہے بیعت ہو یا نہ ہو، بہر حال جب امام رازیؒ شیخ کے کہنے کے باوجود بیعت نہ ہوئے تو انہوں نے امام رازیؒ کو ایک نصیحت فرمائی۔

تعلق ختم نہ کرنا

شیخ نے فرمایا کہ "بھئی ٹھیک ہے، تم ہم سے بیعت تو نہیں ہو رہے مگر ہم سے تعلق ضرور رکھنا" یعنی اگرچہ تم داخل سلسلہ تو نہیں ہوئے لیکن ہم سے رابطہ تو ہو گیا، بس اب تم اسی رابطے کو قائم رکھنا، ختم نہ کرنا۔

درس وتدریس میں مشغولیت

امام رازیؒ اس رابطے اور تعلق کو قائم و برقرار رکھنے کا عہد کر کے واپس اپنے وطن تشریف لے آئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے دریا بہا دیئے اور اپنے زمانے کے امام بن گئے، رات دن انہوں نے علوم شرعیہ کی تعلیم میں اپنا وقت گزارا۔

دہریوں کا عقیدہ

حضرت امام رازیؒ کے زمانے میں دہریوں کا بڑا زور تھا۔ دہریئے خدا کے وجود کے منکر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کو تو مانتے ہی نہیں بلکہ عقل کو مانتے ہیں۔ لہٰذا اگر خدا کا وجود عقل میں آجائے تو مانیں گے اگر عقل میں نہ آئے تو نہیں مانتے گویا ان کا خدا ان کی عقل ہے۔

اللہ تعالیٰ عقل سے ماوراء ہیں

اسی بارے میں کسی نے کیا خوب شعر کہا ہے:۔

تو دل میں تو آتا ہے پر عقل میں نہیں آتا
معلوم ہوا تیری پہچان یہی ہے

اللہ اکبر! بس یہ عقل سے سمجھنے کی چیز نہیں ہے بلکہ ماننے کی چیز ہے جو مان لے گا بات اس کی عقل میں بھی آجائے گی لیکن جو پہلے سمجھنا چاہے پھر ماننا چاہے تو ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ عقل تو دنیا ہی کی بہت سی چیزوں کو سمجھنے سے عاجز رہی ہے وہ رب کائنات کو کیا سمجھے گی لیکن جو مان لیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی عقل کو بھی صحیح کر دیتے ہیں پھر اس کے اندر سمجھنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو

جاتی ہے اس کے بعد پھر اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ:

گلستان میں جا کر ہر ایک گل کو دیکھا
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

بے حجابی اس قدر کہ ذرہ میں جلوۂ آشکارا
اور حجاب اتنا کہ صورت آج تک دیکھی نہیں

تو بہر حال یہ لوگ خدائے پاک کے منکر ہوتے ہیں۔

امام رازیؒ کا دہریوں سے مناظرہ

حضرت امام رازیؒ نے ان سے مناظرے کئے اور عقل کے ذریعے ہی ان سے یہ منوایا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود برحق ہے۔ امام رازیؒ کے پاس دو چار یا دس بیس دلائل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے سو عقلی دلائل تھے اس لئے بڑے سے بڑا دہریہ بھی امام رازیؒ کے سامنے نہ ٹھہر سکتا تھا اور دو چار دلائل کے بعد ہی امام رازیؒ اس کو اس بات پر قائل کر لیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود بالکل برحق ہے۔

شیطان سے مناظرہ

اسی طرح امام رازیؒ کی زندگی گزر گئی اور اپنے شیخ کی زندگی میں ہی ان کے انتقال کا وقت قریب آ گیا۔ جب کسی مسلمان کے انتقال کا وقت قریب آتا ہے تو شیطان اس کے قریب آ کر آخری کوشش یہ کرتا ہے کہ کسی

طرح اس کا ایمان چلا جائے اور اس کا خاتمہ ایمان پر نہ ہو۔ اللہ پاک ہم سب کے ایمان کو محفوظ فرمائیں آمین۔ شیطان ایسا مکار اور عیار ہے کہ عالم کے پاس عالم اور جاہل کے پاس جاہل بن کر جاتا ہے۔

بہرحال امام رازیؒ کے انتقال کے وقت شیطان ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا اور ان سے پوچھنے لگا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا وجود برحق ہے اور کیا اس پر تمہارے پاس کوئی دلیل بھی ہے؟ امام رازیؒ نے فرمایا: ہاں! میرے پاس صرف دلیل ہی نہیں بلکہ دلائل موجود ہیں، اس نے کہا کہ ایک دلیل پیش کرو تو امام رازیؒ نے اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے ایک عقلی دلیل پیش کر دی اور اسے بتایا کہ اس دلیل سے اس طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اور برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ شیطان نے فوراً اس دلیل کو اپنی عقلی دلیل سے توڑ دیا، اس کے بعد امام صاحب نے دوسری دلیل پیش کی تو اس نے دوسری دلیل بھی کاٹ دی یہاں تک کہ امام رازیؒ نے اچھے خاصے دلائل پیش کئے جن کی آج تک کسی دہریئے کے سامنے پیش کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس رہا کہ حضرت پے درپے دلائل دیئے جارہے ہیں اور وہ ہر دلیل کو توڑتا چلا جارہا ہے۔ اب حضرت کو ہلکی سی تشویش اور پریشانی شروع ہوئی کہ یہ کونسا ایسا دہریہ ہے جو میری ہر دلیل کو توڑتا چلا جارہا ہے۔ لیکن چونکہ ابھی دلائل کا ذخیرہ کافی تعداد میں موجود تھا اس لئے بہرحال مطمئن تھے لیکن جب امام رازیؒ ۹۸ دلائل دے چکے اور اس نے ان سب کو بھی توڑ دیا تو اب واقعتاً تشویش اور پریشانی شروع ہوئی کہ اب دلائل کا ذخیرہ کم ہورہا ہے اور یہ ہر دلیل کو توڑتا چلا جارہا ہے اور خدانخواستہ اگر اس آخری وقت میں میرے ایمان میں شبہ پیدا ہوگیا تو میرا خاتمہ ہی خراب ہو جائے گا اور اگر

خاتمہ ہی خراب ہوا، خاتمہ بالخیر اور ایمان پر نہ ہوا تو پھر اس سے بڑی بدقسمتی اور بدنصیبی اور کوئی نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

"اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ"

تمام اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے۔

اگر خاتمہ صحیح ہوگیا تو زندگی بھر کے اعمال بھی صحیح ہیں اور ان پر اجر و ثواب ملے گا، اگر خدانخواستہ خاتمہ خراب ہوگیا تو پھر زندگی بھر کے تمام اعمال بھی اکارت اور ضائع ہو جائیں گے۔

لہٰذا اب امام رازیؒ کو تشویش شروع ہوگئی کیونکہ جو بھی دلیل پیش کرتے ہیں وہ اس کو توڑ رہا ہے حتیٰ کہ آخر میں یہ ہوا کہ امام رازیؒ ۹۹ دلائل دے چکے اور اس نے سب کو ہی توڑ دیا تو اب امام رازیؒ پسینہ پسینہ ہوگئے کہ اب کیا ہوگا؟

شیخ کا تعلق کام آگیا

میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ اللہ والوں سے تعلق اور ان سے نسبت کہیں نہ کہیں کام آجاتی ہے اس تعلق اور نسبت کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا ایمان بچا لیتے ہیں اور وہ آدمی سوءِ خاتمہ سے بچ جاتا ہے تو امام رازیؒ نے جس وقت ۹۹ دلائل پیش کر دیئے اور ان کے پاس صرف ایک دلیل باقی رہ گئی اور حضرت پسینہ پسینہ ہوگئے تو عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے شیخ پر ان کا یہ حال منکشف فرمایا یہ وہی شیخ تھے جن کے پاس امام رازیؒ بیعت ہونے کے لئے گئے تھے وہ اس وقت وضو فرما رہے تھے۔

ان پر اس وقت یہ منکشف ہوا کہ رازی کا وقتِ انتقال قریب ہے، شیطان ان کے سامنے بیٹھا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر ۹۹ عقلی دلائل توڑ چکا ہے اور صرف ایک دلیل باقی ہے اور سوءِ خاتمہ کا شدید خطرہ ہے۔

ان کے شیخ پر اس وقت ایک خاص کیفیت طاری ہوئی اور اسی کیفیت میں انہوں نے فرمایا: ''اے رازی! تو یوں کیوں نہیں کہہ دیتا کہ میں اللہ تعالیٰ کو بغیر دلیل کے مانتا ہوں''۔

شیخ کے یہ پیارے، سکون بخش اور ایمان بخش الفاظ اللہ تعالیٰ نے امام رازیؒ کے کانوں تک پہنچا دیئے اور ان کو اس گھبراہٹ کے عالم میں شیخ کی یہ آواز سنائی دی۔ اوّل تو شیخ کی آواز ویسے ہی مسرورکن ہوتی ہے اور پھر اس میں ایسی تازگی، تقویت اور ایسی زبردست دلیل تھی جس کا دنیا میں کسی کے پاس توڑ نہیں۔

ایمان پر خاتمہ

جب امام رازیؒ کو اپنے کانوں میں یہ آواز سنائی دی تو انہوں نے فوراً بے ساختہ شیطان سے کہا کہ ''میں اللہ تعالیٰ کو دلائل سے نہیں مانتا بلکہ بغیر کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم کرتا ہوں اور یہ مانتا ہوں کہ اللہ پاک برحق ہیں اور وہ وحدہٗ لاشریک ہیں وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔'' یہ ایسی دلیل ہے کہ کسی کے پاس بھی اس کا جواب نہیں ہے، شیطان کیا جواب دے گا۔ اس نے جب یہ سنا تو وہ فوراً وہاں سے دُم دبا کر بھاگا، اس کے بعد امام رازیؒ پر نزع کی کیفیت طاری ہوگئی اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہوگیا۔

شیخ سے تعلق کا فائدہ

امام رازیؒ کا اپنے شیخ سے محض رابطہ اور تعلق تھا اور صرف اس تعلق اور رابطے کی وجہ سے ان کا ایمان بچ گیا اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گیا۔ اسی لئے ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ اللہ والوں سے رابطہ رکھنے، ان کی صحبت و مجلس میں بیٹھنے اور ان سے اپنا تعلق رکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ انشاء اللہ اس بیٹھنے والے کا ایمان محفوظ رہے گا اور اگر وہ مکمل طریقے سے اخلاص کے ساتھ استفادہ کرے گا، اپنے اخلاق، اعمال، عادات و اطوار کی اصلاح کرے گا اور جتنی اس کے پاس دین کی تعلیم اور سمجھ بوجھ ہے اس کو عمل میں لانے کی فکر کرے گا تو پھر اس شخص کے اندر جیسی تڑپ اور جیسی صلاحیت و قابلیت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو ویسا ہی اپنا قربِ خاص اور مقام خاص عطا فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے کی ایک صورت

اللہ تعالیٰ کا قرب اور مقامِ خاص حاصل ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ پاک اس کے دل سے دنیا کی محبت نکال کر اپنی محبت بھر دینگے سبحان اللہ۔ یہ مقامِ خاص، خاص بندوں کو نصیب ہوتا ہے اور جس کو بھی یہ مقام نصیب ہوتا ہے پھر اس کے سامنے دنیا کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ وہ شخص دنیا میں تو رہتا ہے اور سب کے حقوق بھی ادا کرتا ہے مگر اس کا دل اللہ تعالیٰ سے ملا رہتا ہے۔

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا
مجھ کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھا رہوں تصورِ جاناں کئے ہوئے

مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:۔

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانۂ دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم میں تیرے دل شاد رہے
اپنی نظر سے سب کو گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تا دمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ
لآ الٰہ الا اللہ ... لآ الٰہ الا اللہ

جب دل سے دنیا نکلتی ہے تو پھر یہ جی چاہتا ہے کہ بس سب کچھ اللہ تعالیٰ پر قربان ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی محض اپنے فضل و کرم اور اپنی مہربانیوں سے یہ دولت نصیب فرمائیں۔ آمین۔

بہر حال شیخ سے تعلق اور رابطے کا ایک درجہ یہ ہے کہ ایمان بچ جاتا ہے اور کبھی بخشش و مغفرت بھی ہو جاتی ہے کیونکہ جب ایمان بچ گیا اور بندہ اپنے ساتھ ایمان کی عظیم دولت لے کر گیا تو اس کی بخشش ضرور ہوگی۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ سزا پا کر بخشش ہو جائے یا بغیر سزا ملے ہی بخشش ہو جائے کہ ادھر دنیا سے گیا اور اُدھر بخشش کا پروانہ مل گیا اور اصل بخشش تو یہی ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو نصیب فرما دیں، آمین۔

بخشش کا ذریعہ

اللہ والوں سے تعلق اور رابطہ آخرت میں بخشش اور مغفرت کا ذریعہ ہے جس کا ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دوستوں اور متعلقین میں سے ایک بزرگ وصل بلگرامی تھے ان کا حضرت تھانویؒ کے زمانے میں ہی انتقال ہوگیا تھا، ان کے متعلق حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ نے خواب دیکھا اور حضرت کی وصل بلگرامی صاحب سے ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ نے ان سے پوچھا کہ وصل صاحب آپ کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی وحاضری ہوئی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ اور برتاؤ کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اللہ کے حضور میری پیشی ہوئی تو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ وصل! تم قابلِ بخشش تو نہیں ہو کیوں کہ تمہارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں کہ ہم تمہاری مغفرت اور بخشش کردیں لیکن چلو ہم تمہیں محض اس لئے بخش رہے ہیں کہ تم ہمارے دوست کے دوست ہو، ''اللہ اکبر''۔

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ نے یہ خواب حضرت تھانویؒ کو سنایا تو حضرت نے جواباً عرض فرمایا کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے اور میرے ذریعے ایک بندے کی مغفرت فرمادی۔

وصل صاحب کا حضرت تھانویؒ سے محبت کا تعلق تھا اور یہی تعلق کتنا کام آیا کہ ان کی زندگی کی مراد پوری ہوگئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راحت و سکون پاگئے۔ اللہ پاک ہمیں بھی نصیب فرمائیں، آمین۔

بخشش کا ایک اور واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کے ساتھ پیش آیا، انہیں والد صاحب حضرت مولانا عبد الحکیم صاحب رحمہ اللہ سے بے انتہا محبت تھی ایسی محبت بہت ہی کم لوگوں کو ہوا کرتی ہے۔ ان کا انتقال ہوگیا تو انتقال کے بعد ان کے بیٹے نے انہیں خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا: ''ابا جی! اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا'' انہوں نے جواب دیا کہ بھئی بات یہ ہے کہ میری اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی ہوئی تو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ تم قابلِ بخشش تو نہیں ہو مگر تمہارا پیر بہت تگڑا ہے اس لئے ہم نے تمہیں بخش دیا، سبحان اللہ۔ انہیں چونکہ اپنے پیر سے بہت زیادہ محبت تھی اور بہت گہرا تعلق تھا لہذا یہ تعلق ہی ان کے لئے نجات اور بخشش کا ذریعہ بن گیا۔

اس لئے ہمیں بھی اللہ والوں سے سچی محبت رکھنی چاہئے اور یہ محبت صرف اللہ کے لئے ہو کسی دنیاوی مقصد اور لالچ کے لئے نہ ہو تو پھر انشاء اللہ یہی محبت ہمارے بھی کام آجائے گی جیسا کہ ان دو بزرگوں کے لئے نجات کا ذریعہ بنی۔

تاہم اللہ والوں سے تعلق کسی بھی حالت میں نفع سے خالی نہیں ہے اسلئے ہمیں اس تعلق اور رابطے کی بے حد قدر کرنی چاہئے۔

خط وکتابت کے ذریعہ رابطہ

قدر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہتمام اور پابندی کے ساتھ خود بھی

ان کی خدمت وصحبت میں جائیں اور اپنے گھر والوں اور متعلقین کو بھی لے کر جائیں۔ اسی طرح پھر ان سے اپنا خصوصی رابطہ بھی قائم کرلیں۔ اور یہ خصوصی رابطہ خط وکتابت کے ذریعے نہایت ہی مفید ہے۔ خط وکتابت کے ذریعے اپنا انفرادی حال جلدی جلدی انہیں بتائیں اور ان سے مشورہ طلب کرتے رہیں پھر مشورے کے بعد جو بھی وہ ہدایت وتعلیم دیں اس پر نہایت دل لگی اور شوق واہتمام سے عمل کریں۔ بزرگوں کی قدر اور ان سے استفادے کا اصل طریقہ یہی ہے اور اسی سے انسان کی زندگی میں غیر معمولی تبدیلی آتی ہے کیونکہ ہمارے دل کے حالات عام طور پر کسی اللہ والے کو معلوم نہیں ہوتے، کیونکہ وہ عالم الغیب نہیں ہیں۔ عالم الغیب تو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات ہے۔ جب ہم زبانی لکھ کر ان کی خدمت میں اپنے احوال پیش کریں گے تب ہی وہ علاج تجویز فرمائیں گے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کسی بزرگ پر جس کسی کے بارے میں چاہتے ہیں اس کا حال ان پر کھول دیتے ہیں لیکن یہ کوئی ضابطہ نہیں ہے کہ ہر آدمی کا حال اس کے پیر پر ہر حال میں منکشف ہو بلکہ اس کا ضابطہ اور طریقہ یہی ہے کہ اپنا حال ان کو بتائے اور پھر اس پر ان سے تعلیم حاصل کر کے عمل کرے۔ جب یہ دونوں تعلق ہم اپنائیں گے تو ہمارے قلب کی حالت بہتر ہوگی اور بدلے گی اور پھر ان شاء اللہ تعالیٰ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

بہر حال بھئی! بزرگوں کی خدمت وصحبت میں بیٹھنے سے عجیب وغریب فوائد حاصل ہوتے ہیں، بزرگوں کی صحبت وخدمت میں بیٹھنے اور رہنے کا ایک عجیب قصہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے سنایا آپ بھی سن لیجئے۔

شیخ کی صحبت کا اثر

فرمایا کہ ایک مرتبہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی خانقاہ میں ان کے بڑے بڑے خلفاء جمع تھے جن میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ خیر المدارس ملتان (یہ حضرت کے خاص خلفاء میں سے تھے)، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ (یہ تو حضرت کے پاس بھی رہا کرتے تھے) اور ان کے علاوہ دیگر اور بڑے بڑے خلفاء موجود تھے۔ ایک مرتبہ ان تمام خلفاء کی آپس میں ایک محفل ہوئی اس محفل میں ان خلفاء میں سے کسی نے یہ عرض کیا کہ ''میرے دل کا عجیب حال ہے کہ میں جب یہاں خانقاہ میں آکر حضرت کی خدمت میں رہتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں نے اب تک حضرت سے کچھ فیض حاصل نہیں کیا اور سارا فیض میرے ساتھی اور حضرت کے دیگر متعلقین اور مجازین سمیٹ رہے ہیں اور یہ سب لوگ ماشاء اللہ خوب پروازوں پر ہیں اور بلند بلند مرتبوں پر پہنچے ہوئے ہیں اور خوب سلوک کی منزلیں طے کر رہے ہیں اور یہ سب لوگ مجھ سے آگے ہیں میری حالت بہت ابتر ہے میں سب سے پیچھے ہوں اور میں کچھ بھی نہیں کر پا رہا ہوں۔''

یہ سن کر دوسرے کسی بزرگ نے عرض کیا کہ میرا بھی یہی حال ہے کہ جب میں یہاں آتا ہوں تو مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے کہ میں ہی سب سے پیچھے ہوں اور کچھ نہیں کر رہا ہوں۔ تیسرے نے عرض کیا کہ میرا بھی یہی حال ہے کہ میں بھی یہی سوچتا ہوں کہ یا اللہ! حضرت کی صحبت وخدمت میں آتے

ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا ہے لیکن میں تو ابھی تک کچھ نہیں بنا اور یہ سب لوگ کچھ نہ کچھ بن گئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ کا تعلق بھی نصیب ہوگیا ہے ان کے اخلاق، اعمال، عادات واطوار بھی سنور گئے ہیں اور ماشاء اللہ ان سب میں بہت بہتری پیدا ہوگئی ہے اور میں ایسا نالائق ہوں کہ حضرت کی صحبت وخدمت میں جیسا آیا تھا ویسا ہی ہوں اور سب سے پیچھے ہوں۔ اسی بارے میں مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے:

ارے کچھ تو مجذوب یاروں کا حق بھی
یہ چھپ چھپ کے پینا اکیلے اکیلے

بہرحال سب نے باری باری یہی کیفیت بیان کی۔ اس کے بعد اب ان سب خلفاء کا مشورہ ہوا کہ ہم سب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا یہ حال عرض کرتے ہیں کہ حضرت ہمارا یہ حال ہے کہ جیسے آئے تھے ویسے کے ویسے ہی ہیں آپ خصوصی نظرِ کرم فرمائیں تاکہ ہم بھی کچھ بن جائیں۔

دیر سے آیا ہوں ساقی دور سے آیا ہوں میں
ہو عطائے خاص مجھ کو عطائے عام ہو

اور یہ کہیں گے کہ حضرت ہمیں بھی کوئی خصوصی نسخہ عطا فرمادیں تاکہ اس کو اپنا کر ہم اپنی حالت سنوار لیں۔

عکسِ جمیل

مشورہ کر کے یہ تمام حضرات حضرت تھانوی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں حضرت نے

فرمایا بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ تو سب نے مشورے کے مطابق اپنے اپنے دل کی حالت اور کیفیت حضرت کو بتادی، جب سب کے دلوں کی حالت اور کیفیت حضرت سن چکے تو آپ نے جواباً فرمایا کہ:

''میرے دل کا بھی یہی حال ہے'' ..... اللہ اکبر

فرمایا کہ مجھے بھی ایسا لگتا ہے کہ تم سب آگے ہو اور میں تم سب سے پیچھے ہوں سب کچھ تم کر رہے ہو میں تو کچھ بھی نہیں کر رہا۔ یہ سن کر سب خاموش ہوگئے اور واپس آ کے اور ایک دوسرے سے کہا کہ اچھا اب سمجھ آیا کہ ہمارا یہ حال تو شیخ کے دل کا عکس جمیل ہے اور یہی شیخ کا فیض ہے جو ہمارے دلوں کے اندر منتقل ہو رہا ہے۔ ''سبحان اللہ''

شیخ کا فیض اپنے مریدین میں

بہرحال بھئی! شیخ کی اور اللہ والوں کی خدمت وصحبت میں بیٹھنے کا فائدہ اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چپکے چپکے جو کچھ شیخ کے دل میں ہوتا ہے وہ مریدین کے دل میں بھی منتقل ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خود مقام فناء پر فائز تھے اور اپنے آپ کو مٹائے ہوئے تھے اس لئے مریدین کے دلوں میں بھی یہی بات آرہی تھی کہ ہم کچھ بھی نہیں کر رہے، سب کچھ دوسرے ہی کر رہے ہیں۔ وہ دل جو پہلے دنیادار تھا اور آخرت سے غافل اور اللہ کے تعلق سے خالی تھا اب اسی دل میں دیکھتے ہی دیکھتے اللہ تعالیٰ کی محبت آگئی اور دنیا کی محبت خارج ہوگئی۔ اور ایک وقت اس کا حال یہ تھا کہ دوسروں کا حق مار لینے کا جذبہ اس میں بھرا ہوا تھا اب حال یہ ہے کہ اسے یہ فکر

لاحق ہے کہ جس جس کا حق دبایا ہوا ہے یا کھایا ہوا ہے اسے ادا کردوں اور بری الذمہ ہوجاؤں ''اللہ اکبر'' یہ جذبہ اور دل کی یہ کیفیت اور حالت اللہ والوں کی خدمت وصحبت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائیں، آمین۔

ایک چور کا قصہ

ایک چور کا قصہ ہے کہ اس نے کسی اللہ والے کی خدمت میں پہنچ کر توبہ کرلی کہ آئندہ چوری نہیں کروں گا اور یہ توبہ کر کے اس نے حضرت سے بیعت ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ''بیعت ہونے کی یہ شرط ہے کہ تم نے جس جس گھر میں چوری کی ہے اور جن گھروں میں ڈاکہ ڈالا ہے ان کے مالکان کے پاس جاؤ اور وہاں جا کر یا تو محنت مزدوری کر کے اور کمائی کر کے ان کا حق ادا کردو یا پھر ان سے معافی مانگ کر اپنا حق معاف کرالو۔'' جب تم ان کا حق ادا کر کے یا معافی مانگ کر آجاؤ گے تو میں تمہیں بیعت کرلوں گا، اس کے بغیر تمہاری توبہ مکمل نہیں ہوسکتی کیونکہ اصلاح وترتیب کا پہلا قدم توبہ ہے۔

جب بندہ مؤمن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخلاص آتا ہے تو پھر وہ بڑی سے بڑی مصیبت جھیلنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے اور جب وہ تیار ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اس کے شامل حال ہوجاتی ہے لہٰذا یہ شخص بھی تیار ہوگیا اور اس نے جہاں جہاں چوریاں اور ڈاکے ڈالے تھے ان سب کے گھر پہنچا، لیکن چونکہ یہ بدنام زمانہ چور تھا اس لئے جیسے ہی وہ کسی کے

دروازے پر دستک دیتا تو اس کا نام سنتے ہی سب گھر والے خوف کی وجہ سے چھپ جاتے اور دروازہ نہ کھولتے، یہ شخص کہتا کہ بھئی کھولو تو سہی میں چوری کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ میں تو معافی مانگنے آیا ہوں کیوں کہ چوری کرنے کا طریقہ اور اس کی ادا اور ہوتی ہے۔ لہٰذا جب گھر والوں کو اطمینان ہو جاتا کہ واقعی اب یہ پہلے والے رنگ میں نہیں ہے تو وہ دروازہ کھول دیتے اور یہ شخص عاجزی وانکساری سے ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑا ہو جاتا اور ان سے کہتا کہ میں نے فلاں وقت آپ کی چوری کی اور آپ کو بہت ستایا اب اگر آپ کہیں تو میں محنت مزدوری کر کے آپ کا حق ادا کر دوں اور اگر آپ چاہیں تو مجھے معاف کر دیں۔

لہٰذا جب وہ دیکھتے کہ یہ مجبور ہے اور معافی مانگ رہا ہے تو وہ اس کو معاف کر دیتے اسی طرح وہ جہاں بھی جاتا سب اس کو معاف کر دیتے اور خوش ہوتے کہ چلو اللہ نے اس کو توبہ کی توفیق دے دی اور یہ صحیح راستے پر آ گیا جس کی وجہ سے ہم بھی اب پُر امن رہیں گے۔

پلاٹ صاف کرنے پر معافی

ایک ہندو کے یہاں بھی اس شخص نے چوری کی تھی۔ ہندو ''اللہ بچائے'' پیسے کا بڑا پجاری ہوتا ہے، اس نے سوچا یہ تو بہت اچھا موقع ہاتھ آیا، اسے کیوں ضائع کیا جائے۔ اس ہندو نے اس چور سے کہا کہ دریا کے کنارے میرا ایک بہت قیمتی پلاٹ ہے مگر اس وقت اس پر ریت کا ایک تودہ گرا ہوا ہے جس کی وجہ سے نہ وہ پلاٹ میرے کسی کام کا ہے اور نہ دریا کا وہ کنارہ میرے کسی کام کا ہے۔ لہٰذا میں تو تمہیں اس وقت معاف کروں گا جب

تم وہ ریت میرے پلاٹ سے ہٹا دو تا کہ میں اس میں کھیتی باڑی کر کے اس سے فائدہ حاصل کر سکوں۔ تم کل سے اس کھیت اور پلاٹ میں کام شروع کر دو جس دن تم یہ میدان صاف کر دو گے اور مٹی وغیرہ ہٹا دو گے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا اس کے علاوہ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔

صلوٰۃ الحاجۃ ہر مشکل کا حل

چور نے ہندو کی یہ شرط منظور کر لی۔ رات کو اپنی قیام گاہ پر گیا، وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہر مشکل میں صلوٰۃ الحاجات پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ یہ ایسا زبردست عمل ہے کہ نہ کوئی وظیفہ پڑھنے کی ضرورت ہے، نہ تعویذ گنڈوں کی ضرورت ہے اور نہ ہی چلّے وغیرہ کھینچنے کی ضرورت، کیونکہ یہ عمل سب کا سردار ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں براہِ راست درخواست ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست کرنے کو تو ہم معمولی سمجھیں اور تعویذ گنڈوں کو زیادہ اہمیت دیں تو یہ بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔ بس اصل طریقہ یہی ہے کہ جب بھی کوئی مشکل پیش آئے یا پریشانی لاحق ہو تو فوراً دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھیں، درود شریف پڑھ کر گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں کہ یا اللہ! اس پریشانی کو دور فرما دیجئے اور اس کام کو اپنی جانب سے پورا فرما دیجئے۔

لہٰذا اس چور نے بھی ایسا ہی کیا، دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یا اللہ! یہ کام تو میری طاقت سے باہر ہے لیکن آپ کی قوت میں داخل ہے اور میں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ اگر اس کام کے کرنے پر مجھے معافی

ملتی ہے تو یہ میرے لئے سستا سودا ہے، یا اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میری اس مشکل کو آسان فرما دیجئے تاکہ مرنے سے پہلے میں جلد از جلد اس کی یہ شرط پوری کر کے اس سے معافی مانگ کر بری ہو جاؤں، بس یہ آخری شخص رہ گیا ہے جس کا حق میرے ذمے باقی ہے۔

رات کو یہ دعا کر کے سو گیا، رات ہی رات اللہ تعالیٰ نے ایک طوفانی ہوا بھیجی اور اس ہوا کا رخ اسی مٹی کے پہاڑ یا تودے کی طرف تھا۔ اس تیز ہوا نے راتوں رات اس تودے کی مٹی ایسی اڑائی کہ جہاں تک اس ہندو کا پلاٹ تھا وہ حصہ پورا صاف ہو گیا اور پلاٹ قابلِ کاشت ہو گیا۔

صبح ہونے کے بعد یہ چور اس میدان کو صاف کرنے کے لئے اس زمین کی طرف چلا، وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ پہاڑ اور ریت کے تودوں کا نام و نشان نہیں ہے یہ شخص سمجھا کہ میں راستہ بھول گیا ہوں۔ لہٰذا یہ چور ہندو کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ آپ نے تو کہا تھا کہ فلاں جگہ پر ریت کا پہاڑ ہے وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے بلکہ پلاٹ صاف پڑا ہے۔ ہندو نے یہ سن کر کہا کہ تم میرے بتائے ہوئے پتے پر نہیں گئے اب اس دوسرے راستے سے جاؤ تو تمہیں وہ ریت کا پہاڑ نظر آ جائے گا۔ یہ بیچارہ دوبارہ گیا اور ادھر اُدھر خوب دیکھا مگر ریت کا پہاڑ کہیں نظر نہ آیا تو یہ دوبارہ اس ہندو کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ بھئی وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ہندو یہ سن کر غصے میں آ گیا اور اس سے کہا کہ تو جھوٹ بولتا ہے اور تو وہاں جانا نہیں چاہتا، چلو اس مرتبہ میں خود ہی تمہیں اس جگہ لے چلتا ہوں، لہٰذا تیسری مرتبہ یہ دونوں اس جگہ پر گئے۔ وہاں پہنچ کر ہندو بنیا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ واقعی پہاڑ اور ریت کا نام

ونشان نہیں ہے، وہ یہ سمجھا کہ شاید میں ہی راستہ بھول گیا ہوں اور غلط جگہ آ گیا ہوں مگر ہندو چونکہ لالچی تھا اس لئے اپنی مزید تسلی کے لئے اس نے کہا کہ میں نقشہ نکال کر چیک کرتا ہوں کہ کس کالونی اور کس علاقے میں میرا پلاٹ تھا۔ چنانچہ اس نے نقشہ نکال کر دیکھا تو وہ بالکل صحیح تھا۔ اب اس ہندو کو یقین ہو گیا کہ ہاں یہی جگہ اور یہی پلاٹ ہے اور اس نے چور سے کہا کہ ہاں! تو سچا ہے اور یہی میرا پلاٹ ہے۔ تو نے یہ شرط حیرت انگیز طور پر بجائے دو مہینے کے ایک ہی رات میں پوری کر دی اور اپنی شرط پوری کرنے میں کامیاب ہو گیا لہٰذا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ اس طرح یہ چور سب سے معافی مانگ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے اس کو بیعت کر لیا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی پکی اور سچی توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے اعمال و اخلاق کی اصلاح فرمائے اور اپنے نیک بندوں سے سچی محبت عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

صف بندی

کے

آداب، فضائل اور مسائل

اس میں نماز میں صف بنانے کے آداب، فضائل
کوتاہیاں اور چند ضروری مسائل لکھے گئے ہیں۔

مفتی عبد الرؤف سکھروی صاحب مدظلہ

مکتبۃ الاسلام کراچی

سورۂ اخلاص

کے

فضائل اور فوائد

اِس میں احادیثِ طیّبہ کی روشنی میں
سُورۂ اخلاص کے فضائل، فوائد اور اس کا
عظیم اجر و ثواب بیان کیا گیا ہے

مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہ

مکتبۃ الاسلام کراچی

توہینِ رسالت

اور

گستاخانِ رسول ﷺ کا بدترین انجام

اس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کا حکم اور گستاخی کرنے والوں کا انجامِ بد بتایا گیا ہے۔

مولانا مُفتی عبدالرّؤف سکھّروی صاحب مدظلہ

مکتبۃ الاسلام کراچی